قرآن وسنت، تعامل صحابہ کرامؓ، فقہی آراء، اجماع امت، ملکی قوانین اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کی روشنی میں

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

اِعتراضات اور جوابات

قانونِ تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں پھیلائے گئے بے بنیاد سوالات واشکالات،
شکوک وشبہات اور فرضی اعتراضات کے مکمل، مدلل اور جامع جوابات پر مبنی ایک علمی و تحقیقی دستاویز

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

اعتراضات اور جوابات

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا مورچہ سنبھال رکھنے والوں کے لیے

سَنَظَلُّ فِی جَبَل الرّماۃِ فَخَلفَنا

صَوتُ النبی یھزّنَا لَا تَبرحوا

ہم جبل الرماۃ (تیراندازوں والی پہاڑی) پر ڈٹے رہیں گے کہ پیچھے سے حضور نبی کریم ﷺ کی آواز ہمیں جھنجھوڑ رہی ہے: خبردار جگہ مت چھوڑنا!

قرآن وسنت، تعامل صحابہ کرامؓ، فقہی آراء، اجماع امت، ملکی قوانین اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کی روشنی میں

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

اِعتراضات اور جوابات

قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے بارے میں پھیلائے گئے بے بنیاد سوالات و اشکالات، شکوک وشبہات اور فرضی اعتراضات کے مکمل، مدلل اور جامع جوابات پر مبنی ایک علمی و تحقیقی دستاویز

محمد متین خالد

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔
37223584، 37232336، 37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers@hotmail.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ اعتراضات اور جوابات
مصنف	محمد متین خالد
ناشر	عِلم و عرفان پبلشرز
مطبع	آر۔آر پرنٹرز، لاہور
قانونی مشیر	محمد نوید شاہین ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
سرورق	محمد طیب محبوب
کمپوزنگ	طاہر علی، ظفر اقبال
سنِ اشاعت	2021ء
قیمت	-/600 روپے

عِلم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔

37223584، 37232336، 37352332

www.ilmoirfanpublishers.com

ilmoirfanpublishers@hotmail.com

www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

ترتیبِ عنوانات

۞ انتساب 11

۞ ایک ناگزیر کتاب — ملک خالد مسعود 13

۞ دل کی بات — محمد متین خالد 16

۞ شکریہ 21

۞ چند ضروری گزارشات 23

تحفظِ ناموس رسالت ﷺ: اعتراضات اور جوابات 25

1- قانونِ ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں گستاخِ رسول کی سزا کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا گستاخِ رسول کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ 27

2- قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر اعتراض کرنے والوں کا موقف ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی ظاہری زندگی میں کسی گستاخ رسول کو قتل یا کوئی دوسری سزا نہیں دی۔ گستاخانِ رسول ﷺ کو سزا دینے کا یہ سلسلہ بعد میں شروع ہوا۔ 35

3- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ گستاخ رسول کی سزا، سزائے موت قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ یہ احادیث میں ہے اور (نعوذ باللہ) حدیث کی بنیاد پر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ 56

4- قانون ناموس رسالت ﷺ کے معترضین کا کہنا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، آپ ﷺ سراپا رحمت و شفقت ہیں، آپ ﷺ نے اپنے دشمن کو ہمیشہ معاف کیا۔ لہٰذا گستاخ رسول کو بھی معاف کر دینا چاہیے۔ 60

5- قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر اعتراض کرنے والوں کا کہنا ہے کہ سہل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی سلول نے بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی تھی لیکن ان کو کچھ نہیں کہا گیا بلکہ عبداللہ ابن ابی سلول کا جنازہ بھی حضور نبی کریم ﷺ نے بذات خود پڑھایا، تو ان سب کو کیوں قتل نہیں کیا گیا؟ 68

6- بعض سیکولر حضرات کا کہنا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے گمنام لوگ ہوتے ہیں جنہیں بعض جاہل اور جذباتی لوگ مقبول بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ جو گستاخ رسولؐ بھی ایسی حرکت کرے، اس سے منہ پھیر لینا چاہیے تا کہ وہ شہرت حاصل نہ کر پائے۔ 71

7- ناقدین کا کہنا ہے کہ جب اقلیتیں دائرہ اسلام سے باہر ہیں تو پھر ان پر اسلامی شرعی قوانین کا نفاذ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ لہٰذا غیر مسلموں کو قانون ناموس رسالت ﷺ (تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C) سے مستثنٰی قرار دیا جائے۔ پاکستان میں جس طرح غیر مسلم اقلیتوں کو زکوٰۃ اور شراب نوشی سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے، اسی طرح انہیں توہین رسالت ﷺ کے قانون سے بھی مستثنٰی قرار دیا جائے۔ جس ملک کی 97 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو، وہاں توہین رسالت ﷺ کے قانون کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ 73

8- مخالفین قانون ناموس رسالت ﷺ کا کہنا ہے کہ یہ قانون بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہے، لہٰذا اس قانون کو ختم ہونا چاہیے۔ 76

9- معترضین کا کہنا ہے کہ قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا غلط استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اسے ختم کر دینا چاہیے۔ 90

10- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ قانون ایک ''کالا قانون'' ہے، لہٰذا اسے ختم ہونا چاہیے۔ اسی طرح بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کو ''کالا قانون'' کہنا کوئی جرم نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اسے کالا قانون کہتا ہے تو اسے برداشت کرنا چاہیے۔ 98

11- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین سیکولر اور بے دین عناصر کا کہنا ہے کہ توہین رسالت کے سلسلہ میں آئندہ جو بھی شکایت آئے، ایک قانون کے ذریعے مدعی کو پابند کیا جائے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت سے رابطہ کرے، وفاقی شرعی عدالت

اس درخواست پر غور کرے۔ عدالت کے نزدیک اگر واقعی توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا گیا ہے تو مقدمہ درج ہونا چاہیے ورنہ مقدمہ درج نہ کیا جائے۔ 100

12- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں میں برداشت کا مادہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کے اس رویے سے معاشرے میں بے چینی پھیل رہی ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی چاہیے؟ 102

13- بعض اقلیتی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ اسلام میں اقلیتوں کے کوئی حقوق وغیرہ نہیں، اس لیے اکثریتی اسلامی ملک میں اقلیتیں غیر محفوظ اور پریشان زندگی گزار رہی ہیں۔ 108

14- بعض حضرات کا کہنا ہے کہ فقہ اسلامی/ حنفیہ میں غیر مسلموں پر قانون ناموس رسالت ﷺ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم شان رسالت ﷺ میں توہین کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر کوئی مقدمہ درج نہیں ہوگا۔ 122

15- کہا جاتا ہے کہ مغرب میں ہر طرح کی آزادی اظہار ہے، آزادی اظہار یورپ کا مذہب ہے، وہ اس پر کسی معمولی قدغن کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مسلمانوں کو یورپ کے اس ''مذہب'' کا احترام کرنا چاہیے۔ پاکستان میں آزادئ اظہار پر پابندی ہے، اس لیے یہ ترقی نہیں کر سکا۔ 144

16- کہا جاتا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کی مخالفت کرنے پر خانیوال اور گوجرہ میں عیسائیوں کی بستیوں پر حملہ کر کے انہیں شدید نقصان پہنچایا گیا، کیا ایسا کرنا اسلامی انصاف اور اصولوں کے مطابق ہے؟ 162

17- بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کو مذہبی رنجش اور تعصب کی بنیاد پر قتل کر دیا جاتا ہے جو سراسر زیادتی ہے۔ 169

18- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ ہمیں قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ اقبالؒ کا پاکستان چاہیے۔ قائد اعظم ایک سیکولر شخصیت تھے، وہ سیاست میں مذہب کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو پاکستان میں اسلامی قوانین کے بجائے سیکولر قوانین ونظریات نافذ ہوتے۔ 177

19- عیسائیوں کا کہنا ہے کہ بائبل میں کسی بھی جرم کی سزا موت نہیں ہے۔ لہٰذا گستاخ رسول کی سزا موت نہیں ہونی چاہیے۔ 192

20- عیسائی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ تعزیرات پاکستان میں حضرت محمد (ﷺ) کی توہین پر سزا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے مرتکب کو بھی سزا ملنی چاہیے۔ 202

21- بدنامِ زمانہ گستاخ آسیہ مسیح کی سپریم کورٹ کی طرف سے رہائی اور ریاستی بندوبست کے تحت بیرون ملک روانگی تک عیسائیوں اور قادیانیوں کا یہ مؤقف رہا ہے کہ شان رسالت (ﷺ) میں گستاخی کی مرتکب آسیہ مسیح کے خلاف مقدمہ بے بنیاد، متعصّبانہ اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ ختم کر کے اُسے رہا کر دینا چاہیے۔ 212

22- بعض حضرات کا کہنا ہے کہ غازی ملک محمد ممتاز قادری نے قانون ہاتھ میں لیا جو سراسر زیادتی ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ان حضرات کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غازی ملک محمد ممتاز قادری نے گورنر سلمان تاثیر کو دھوکہ دہی سے قتل کیا جو قابل مذمت ہے۔ 220

23- قادیانیوں کا کہنا ہے کہ وہ توہین رسالت کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن پھر بھی بعض اوقات ان کے خلاف توہین رسالت کے تحت مقدمہ درج کروا دیا جاتا ہے جو سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ 235

24- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ توہین رسالت ﷺ کا قانون صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا قانون ہے، لہٰذا اسے ختم ہونا چاہیے۔ 244

25- معترضین کا کہنا ہے کہ اگر قانون ناموس رسالت ﷺ ختم کر دیا جائے تو نہ صرف اقلیتوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہو جائے گا بلکہ اس سے کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا۔ 252

26- قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اگر سپریم کورٹ کسی گستاخ رسول کو موت کی سزا دے بھی دے، تو صدر مملکت کو اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے یہ سزا ازخود کالعدم قرار دے دینی چاہیے۔ 257

27- قانون توہین رسالت کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ قانون صرف پاکستان میں ہے اور اس کا مقصد ایک خاص طبقہ کو نشانہ بنانا ہے، یورپ میں توہین رسالت (Blasphemy) کی کوئی سزا نہیں ہے۔ لہٰذا اس قانون کو ختم ہونا چاہیے۔ 261

28- بعض سیکولر اور مغرب زدہ عناصر کا کہنا ہے کہ یورپی ممالک بالخصوص فرانس کی طرف سے توہین رسالت ﷺ کے ارتکاب کے جواب میں ہمیں اُن کی مصنوعات کا بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے ہمارا ہی نقصان ہے، اُن کا نہیں۔ 268

29- امریکی مذہبی آزادی کمیشن، یورپی پارلیمان اور برطانوی پارلیمنٹ کے تھنک ٹینکس کا کہنا ہے کہ اگر حکومت پاکستان نے حقوق انسانی اور آزادی اظہار رائے سے متعلقہ اُن کے مطالبات کو پورا نہ کیا تو پاکستان دنیا بھر میں اکیلا رہ جائے گا، لہٰذا ہماری تمام سفارشات اور مطالبات پر من وعن عمل کیا جائے۔ 275

30- بعض کج فہم معترضین کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں پر بنائی گئی فلمیں اور ڈرامے تبلیغی مصلحت کے تحت ہیں۔ یہ فلمیں اسلام کی دعوت کو پھیلانے کا ذریعہ ہیں جس کے ذریعے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور اُن کی زندگی کو عوام تک آسانی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی معلومات کے لیے ان فلموں کو بنانا، دیکھنا اور فروخت کرنا جائز ہے، اس لیے ہمیں ان فلموں پر پابندی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ 287

31- معترضین کا کہنا ہے کہ سوشل میڈیا پر بعض ایکٹوسٹ اور روشن خیال بلاگرز کو مذہب کے نام پر ان کی علمی اور اخلاقی پوسٹوں پر نا صرف ہراساں کیا جاتا ہے بلکہ ان کے خلاف سائبر کرائم کے تحت مقدمات بھی درج کروائے جاتے ہیں۔ چونکہ مخالفین کے پاس ان کی علمی پوسٹوں کا جواب نہیں ہوتا، اس لیے وہ آزادی اظہار کے خلاف ایسا کرتے ہیں۔ 303

اِنتساب

مرشد قلب ونظر، واقف رازِ حقیقت، فاتح اقلیم دل، پیکر فقر غیور، محسن علم و ادب، مفسر قرآن، غرقاب عشق رسول ﷺ، ضیاء الامت

حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

کے نام

- تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے محاذ پر جن کی فکری، علمی اور عملی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔
- غلبہ دین اسلام اور قرآن وسنت کی ترویج میں جن کا روشن کردار تا بہ ابد زندہ رہے گا۔
- محبت رسول ﷺ کی روشنی گھر گھر پھیلانا جن کی زندگی کا محور رہا۔
- اعلیٰ عدلیہ کے ایوانوں میں جنہوں نے عدل وانصاف کی قندیلیں روشن کیں۔
- اتحاد بین المسلمین کے سلسلہ میں جن کی مخلصانہ کاوشیں قابل صد ستائش ہیں۔

جن کی نگاہ فیضان، روحانی توجہات اور باطنی تربیت آج بھی میرا سرمایہ حیات ہے۔

میں نیواں میرا مرشد اُچا
اُچیاں سنگ میں لائی
صدقے جاواں ایہناں اُچیاں توں
جنہاں نیویاں نال نبھائی

ایک ناگزیر کتاب

محسن انسانیت، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حرمت کا تحفظ ہر مسلمان کے ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ اس لیے کہ محبت رسول ﷺ اس کا سب سے بڑا خزینہ ہے۔ ہر مسلمان آپ ﷺ کو اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں، بیوی بچوں، مال و دولت حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تر رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کا اسم مبارک سن کر اس کے دل و دماغ ادب و احترام سے جھک جاتے ہیں۔ تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہر مسلمان کے لیے ایک ایسا امتحان ہے جس میں وہ کبھی ناکام نہیں ہوا۔ غیرت ایمانی اس کا سب سے بڑا جوہر ہے۔ وہ آپ ﷺ کی عزت و ناموس پر قربان ہونا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے: ''جب میں مسلمانوں کے درمیان محمد (ﷺ) کا ذکر سنتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے آپ (ﷺ) مسلمانوں کے درمیان ہی تشریف فرما ہیں۔ بے عمل سے بے عمل مسلمان بھی آپ (ﷺ) سے ایسی محبت کرتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے''۔ غالب نے کہا تھا:

غالب ثنائے خواجہ ﷺ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں، میں نے حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی ثنا کی، فقط وہی ایک ذات پاک ہے جو آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہے۔

ایسے میں جب مسلمان ''توہین رسالت ﷺ'' کے مجرموں کے خلاف بروقت اور فوری کارروائی کر کے انھیں قانون کے مطابق سزا دینے کا مطالبہ کرتے ہیں تو نام نہاد انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں، فارن فنڈڈ این جی اوز، لبرلز گماشتے اور آزادی اظہار کے چیمپئن فوراً متحرک ہو جاتے ہیں اور ناموس رسالت ﷺ کے قانون پر

''اعتراضات'' کی بھر مار کر دیتے ہیں۔ یہاں افسوسناک امر یہ ہے کہ کچھ سادہ مزاج مسلمان بھی اپنی کم علمی اور سادگی میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ تو رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں اور انہوں نے اپنی ظاہری حیات طیبہ میں انہیں ایذا دینے والوں کو معاف فرما دیا تھا تو پھر ہم کیوں گستاخان رسول کو سزا دیتے ہیں۔ قانون توہین رسالت (ﷺ) کے مخالفین کا موقف ہے کہ گستاخ رسول کی سزا، سزائے موت قرآن مجید میں مذکور نہیں بلکہ یہ احادیث میں ہے اور (نعوذ باللہ) حدیث کی بنیاد پر کسی گستاخ کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ قانون بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہے۔ کبھی وہ اس قانون کے غلط استعمال کا خدشہ ظاہر کر کے اسے ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بعض کج فہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں اقلیتوں کے کوئی حقوق نہیں ہیں اور یہ کہ پاکستان میں اقلیتیں غیر محفوظ ہیں وغیرہ وغیرہ اور ایسے ہی درجنوں دیگر اعتراضات ہیں جن کے جوابات کی اشد ضرورت تھی تا کہ عامۃ الناس کو اس حوالے سے صحیح اسلامی عقیدے، شرعی قوانین اور ملکی قوانین کا پورا پورا علم ہو سکے۔

جناب محمد متین خالد میدان قلم و قرطاس کے ایسے مجاہد ہیں کہ امت مسلمہ ان پر جس قدر بھی ناز کرے، وہ کم ہے۔ ان کی ساری زندگی محبت رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ انہوں نے ختم نبوت اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں اپنے شب و روز اس طرح بسر کر دیئے ہیں کہ وہ اس محاذ پر سب سے مضبوط اور معتبر حوالہ ہیں۔ زیر نظر کتاب ''تحفظ ناموس رسالت ﷺ: اعتراضات اور جوابات'' وقت کی اہم ضرورت تھی کیونکہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون پر اعتراض کرنے والوں میں سیکولر، بے دین اور اسلام بیزار عناصر تو تھے ہی، خود بعض سادہ لوح مسلمانوں کے اندر اپنی لاعلمی اور حقائق تک رسائی نہ ہونے کے باعث بے چینی اور اضطراب تھا۔ ایک بڑی تعداد اس نکتہ نظر کی طرف دار تھی کہ گستاخانِ رسول کا معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر چھوڑ دینا چاہیے یا انھیں معاف کر دینا چاہیے۔ جناب محمد متین خالد نے ہزاروں صفحات کا عرق کشید کر کے ایسے کم و بیش تیس سے زائد اعتراضات کے مدلل اور جامع جوابات شرعی، فقہی، ملکی قانون اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کی روشنی میں بڑی صراحت اور مہارت کے ساتھ

اس طرح رقم کر دیئے ہیں کہ ’’تحفظ ناموس رسالت ﷺ‘‘ کے بارے میں غیر مسلموں، اقلیتوں اور خود مسلم امہ میں پائے جانے والے تمام تحفظات ختم ہو جاتے ہیں اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔معترضین کے ہر اعتراض کا جواب ان کی فکری بصیرت، وسیع مطالعاتی فہم اور دلی سوز و کرب کا آئینہ دار ہے کیونکہ وہ علمی اور منطقی استدلال کے ساتھ موضوع کے قلب میں اترتے ہیں۔

اتنی وقیع، قیمتی ، بامعنی اوراہم معلومات سے لبریز نیز محبت رسول ﷺ سے مزین یہ کتاب ہر اس شخص کو ضرور پڑھنی چاہیے جو اپنے دل میں تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا بے پایاں جذبہ رکھتا ہے اور اس شخص کو بھی جس کے دل و دماغ کی دیواروں پر غلط فہمیوں کے جالے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب انتہائی قابل مطالعہ اورفکر انگیز ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ امت کی بقا اور نجات تحفظ ناموس رسالت ﷺ میں ہی مضمر ہے اور اس سے انحراف، عذر خواہی اور چشم پوشی صرف اور صرف ہلاکت عظیم ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

میں جناب محمد متین خالد کو انتہائی عرق ریزی اور جذبہ ایمانی میں رچی بسی اس تحقیقی اور علمی کتاب کی اشاعت پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور رب کریم سے التجا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس کا عظیم الشان اجر عطا فرمائے اور آپ کو صحت کاملہ کے ساتھ ایمان والی لمبی زندگی عطا فرمائے تا کہ آپ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے محاذ پر مستقل مزاجی کے ساتھ ڈٹے رہیں۔

ملک خالد مسعود

خاکپائے مجاہدین تحفظ ختم نبوت

تلہ گنگ

دل کی بات

شافع محشر حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بے پناہ محبت و وارفتگی، والہانہ شیفتگی اور لامحدود عقیدت و احترام ہر مسلمان کے ایمان کی اساس اور اس کے امتی ہونے کی شناخت ہے۔ آپ ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کا جذبہ اہل اسلام کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے۔ یہ وہ ناقابل تسخیر ولولہ ہے جسے ہر مسلمان اپنے ایمان کی بنیاد سمجھتا ہے۔

دین کیا ہے آپ ﷺ کی الفت کے سوا
دین کا بس ایک یہی معیار ہے

مشہور بیوروکریٹ اور ادیب قدرت اللہ شہاب نے اس سلسلے میں مسلمانوں کے جذبات کا تجزیہ کرتے ہوئے کافی حد تک صحیح لکھا ہے: ’’حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق اگر کوئی بدزبانی کرے تو لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے کی بازی لگا بیٹھتے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے، برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں، بلکہ تجزیہ تو اسی کا شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسالت ﷺ پر اپنی جانِ عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عام مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت ﷺ کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدے سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے، خواص میں یہ عقیدت ایک جذبے اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے‘‘۔

ایک عام مسلمان کا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ ناموسِ رسالت ﷺ پر کٹ مرنے کو اپنے لیے دولت ناز اور سرمایۂ فخر سمجھتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ کی ایمانی غیرت و حمیت کی حرارت میں گوندھے ہوئے یہ آتشیں الفاظ

تقریباً ہر مسلمان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں: ’’جہاں تک خود میرا تعلق ہے، مجھے نہ قانون کی ضرورت ہے، نہ عدالتوں کی حاجت۔ حضور سرورِ کونین ﷺ اور باعثِ تکوین دوعالم ﷺ کا تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، اگر کوئی بدبخت اس کا اتنا پاس بھی نہیں کرتا کہ اس برگزیدہ ہستی کی توہین کر کے میرے قلب کو چور چور کرنے سے احتراز کرے تو مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا، کروں گا، جب صبر کا جام لبریز ہو جائے گا تو اٹھوں گا اور یا تو اس گندا دل، گندا دماغ، گندا ذہن کافر کی جان لے لوں گا یا اپنی جان اس کوشش میں کھو دوں گا۔‘‘

آزادی اظہار رائے کے لبادے میں انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیمیں، لبرلز، موم بتی مافیا اور بے دین لابی کے گماشتے جس طرح مسلمانوں کے رسول مکرم ﷺ جو کائنات میں ربِ کریم کے بعد عظمت وعزت وشان میں سب سے بڑی ہستی ہیں، کے خلاف ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی کرتے ہیں، توہین آمیز لٹریچر شائع کرتے ہیں، دل آزار خاکے تواتر وتسلسل کے ساتھ بنائے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر سب وشتم کیا جاتا ہے، ایسے میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان سمیت پوری امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی زبانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے تاکہ شاتم رسول کو کہیں جائے پناہ نہ ملے۔ وہ غلاف کعبہ سے بھی لپٹا ہو تو تب بھی گردن زدنی ہے۔ بھلے سے وہ آزادی اظہار رائے کے پرچارک لادینی ممالک کی آغوش بدتہذیبی کے حصار میں ہو، تب بھی اس کے لیے امان نہیں۔ مغرب اور سیکولر دنیا نے آزادی اظہار رائے اور خود ساختہ حقوق انسانی کی آڑ میں جو اصول وضوابط مرتب کیے ہیں، ان کا حرف حرف مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی حضور نبی کریم ﷺ سے بغض وعناد میں لتھڑا ہوا ہے۔ اسلام وہ مذہب نہیں جس کی بنیاد روسو، والٹیئر، لاک، ہابز یا مغربی دساتیر کے مصنفین نے رکھی ہے، یہ اللہ کا وہ پسندیدہ دین ہے جس کا اصل محور آپ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ حضرت امام مالک علیہ رحمہ کا قول ہے کہ ’’امت کے پاس اُس کے نبی ﷺ کو گالی کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے‘‘۔ یعنی (معاذاللہ) اگر نبی محتشم ﷺ پر سب وشتم کیا جائے (نعوذباللہ) تو پھر اس اُمت کے زندہ رہنے کا کوئی

جواز باقی نہیں رہ جاتا؟

جب کوئی بد بخت، مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی پیارے آقا و مولا حضور پُرنور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے تو امت کے ہر فرد کا جذباتی ہونا اور اشتعال میں آنا ایک فطری امر ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آزادی اظہار کے نام پر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین (جو نا قابل معافی اور سنگین ترین جرم ہے) کر کے مسلمانوں کو رواداری، تحمل اور برداشت کی تلقین کی جاتی ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کو اپنے بنیادی عقائد تج دینے اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق ختم کرنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مغرب کے ''مہذب معاشرے'' کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی روایات و رسومات تک سے اختلاف کرنے والوں کی رائے کو برداشت کرنے کے بجائے انہیں تضحیک و تنقید اور ظلم و تشدد کی بارودی کارروائیوں کا نشانہ بنانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ان پر قدامت پسند، تاریک خیال اور غیر مہذب ہونے کی پھبتیاں کستا ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ان کے پرنٹ، الیکٹرانک، سوشل اور ڈیجیٹل میڈیا ایسا کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ظلم کی حد تو یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے 'معلمین' کے لیے مسلمانوں کا ظاہری حلیہ تک بھی نا قابل برداشت ہے۔ مسلمانوں کے دلوں سے حضور نبی کریم ﷺ کی محبت ختم کرنے کے لیے مغرب نے جرمن نازی ڈکٹیٹر ہٹلر کے وزیر اطلاعات گوئیبلز کا نظریہ اپنا رکھا ہے کہ اتنا جھوٹ بولو، اتنا جھوٹ بولو، اتنی ڈھٹائی اور کثرت سے جھوٹ بولو کہ اس پر سچ کا گمان گزرنے لگے۔ گوئیبلز کا موقف تھا کہ جتنا جھوٹ بولا جائے، عوام اس پر اتنا ہی یقین کریں گے۔ اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ جھوٹ بڑے بڑے اداروں کا موثر ترین اور اہم ہتھیار ہے جس کا مخالفین کے خلاف پوری طاقت سے استعمال کرنا چاہیے۔ دور حاضر میں ناموس رسالت ﷺ کے خلاف پرنٹ اور سوشل میڈیا پر بعض اداروں کو گوئیبلز کا استاد کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

جب سے پاکستان کی پارلیمنٹ نے قانون ناموس رسالت ﷺ منظور کیا ہے، اس کے خلاف اسلام اور پاکستان کی نظریاتی اساس کے مخالفین اور سیکولر لابیوں کا اضطراب، شور وغوغا اور ژاژ خائی نا قابل فہم ہے۔ وہ آئے دن ایک طے شدہ منصوبے

کے تحت پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اس قانون پر بلاجواز اور سیاق وسباق سے ہٹ کر اعتراضات اور تاویلات کی آتش بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ممکنہ طور پر یہ تصور کر لینے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ عوامی حلقوں میں شکوک وشبہات کی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ یہ کتاب دین اسلام کی مبادیات سے بے خبر واڈکولائی دانشوروں کے جملہ بے بنیاد اعتراضات کے مسکت اور جامع جوابات پر مشتمل ہے۔

میں اپنی اس بے مایہ کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ آپ پوری کتاب پڑھنے کے بعد ہی کر سکیں گے۔ اس کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے میں آپ کی قیمتی تجاویز اور آرا کا منتظر رہوں گا۔

محمد متین خالد

لاہور

mateenkh@gmail.com

شکریہ!!

- سب سے پہلے میں اپنے مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہوں کہ اگر اس کی بے پایاں رحمت وعنایت نہ ہوتی تو یہ کتاب نہ وجود میں آتی اور نہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوتی۔
- اس کے بعد میں شکر گزار ہوں، بے پناہ علمی و ادبی صلاحیتوں کے مالک جناب محبوب الرحمٰن (اسلام آباد) کا جنھوں نے نہایت محنت اور ژرف نگاہی سے اس کتاب پر نظرِ ثانی فرمائی۔
- مجاہدِ ختمِ نبوت جناب ملک خالد مسعود کا جنھوں نے گرانقدر اور ایمان افروز تقریظ لکھ کر کتاب کی معنوی حیثیت کو چار چاند لگا دیئے۔
- علمی و ادبی حلقوں میں نہایت معتبر شخصیات پروفیسر جناب محمد اقبال جاوید، جناب محمد آصف بھلی، جناب حافظ شفیق الرحمٰن، حضرت مولانا غلام محی الدین (ایبٹ آباد)، جناب جبار مرزا، جناب محمد احمد ترازی (کراچی)، جناب پروفیسر جمیل احمد عدیل (لاہور)، جناب عبدالرؤف (اسلام آباد)، جناب محمد فرقان (لاہور)، جناب محمد ریاض (گوجرہ)، جناب محمد حسن رانا، جناب محمد فاروق عزمی اور جناب محمد ریاض قادری کا جنھوں نے کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے کئی مفید تجاویز دیں۔
- علم و عرفان پبلشرز کے مہتمم جناب گل فراز کا جنھوں نے اس کتاب کو باذوق رنگ دیا۔

محمد متین خالد

چند ضروری گزارشات

- اس کتاب کو تیار کرتے وقت بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔ اس لیے اس کی پروف ریڈنگ کو بہتر بنایا گیا ہے، پھر بھی غلطی کا امکان ہے۔ اگر کسی جگہ کسی قاری کو غلطی نظر آئے تو براہِ کرم مصنف کو ضرور مطلع کرے۔ ان شاء اللہ آئندہ کے ایڈیشن میں اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی حوالہ کے نقل واخذ میں سہو ہو گیا ہو تو قارئین کرام ناصحانہ اور ہمدردانہ طور پر نشان دہی فرما دیں تاکہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔ شکریہ!
- یہ کتاب مختلف سوالات و جوابات کا مجموعہ ہے۔ ہر جواب اپنی جگہ پر خاص اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ممکن ہے کتاب کے بعض مقامات پر حوالہ جات اور تشریحات کی تکرار پڑھنے کو ملے۔ قارئین کرام اسے متعلقہ جواب کا ضروری حصہ سمجھ کر مطالعہ کر لیں کیونکہ اس کے بغیر خدشہ تھا کہ جواب ادھورا رہ جاتا۔
- اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں کئی احباب نے اپنی بے پناہ محبتوں کا اظہار کیا، کتاب کی اشاعت کے بارے بار بار استفسار کرتے رہے۔ میں ان سب دوستوں کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔

محمد متین خالد

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

اعتراضات اور جوابات

اعتراض نمبر 1

قانونِ ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں گستاخِ رسول کی سزا کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا گستاخِ رسول کو سزا نہیں دی جا سکتی۔

جواب: حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس، تعظیم و تکریم اور آپ ﷺ کی بارگاہ کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہی اصل ایمان اور اس کی بنیاد ہے۔ آپ ﷺ کی عزت و تعظیم سے ذرا سا بھی انحراف ایک مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب سکھاتے ہیں۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں معمولی سی بے ادبی یا گستاخی خواہ یہ عمداً ہو یا سہواً، قصداً ہو یا غیر ارادی طور پر، کفر و ارتداد ہے۔ دین اسلام میں رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین و واضح ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اور ناراضی اللہ کی اطاعت و ناراضی ہے۔ اللہ رب العزت اس بات کو سخت ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کے حبیب مکرم حضور خاتم النبیین ﷺ کی گستاخی کرتے ہوئے انہیں ایذا دے۔ اگر کوئی بد بخت ایسا کرتا ہے تو اس کے متعلق قرآن مجید میں سخت ترین احکامات موجود ہیں جن کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

- **فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُواْ مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ O ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَمَن يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ.** (الانفال:12،13)

ترجمہ: ''سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی۔ اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

اس آیت میں جو لفظ ''یشاقق'' استعمال ہوا ہے، لغت میں اس کے معنی مخالفت کے علاوہ عداوت رکھنا اور تکلیف وایذا پہنچانا بھی آتے ہیں۔ (المنجد ص396) نیز مفسرین اس آیت میں **"یشاقق اللّٰہ و رسولہ"** سے مراد اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانے اور ان سے گستاخی کی جسارت کرنا لیتے ہیں اور ایسے گستاخوں کی اس دنیا میں سزا موت اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد2، ص325) جیسا کہ دوسری آیات میں بھی ذکر کیا گیا ہے:

- **وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً.** (النساء:115)

  ترجمہ: ''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا کسی اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے، ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

- **لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ O ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ.** (الحشر:4)

  ترجمہ: ''ان کو دنیا میں بھی عذاب دے دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے آگ کا عذاب (تیار) ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

دین اسلام اور رسول کریم ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں کے بارے میں یہ قرآنی احکام بالکل واضح ہیں اور اس بارے میں کسی نرمی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ جو کہ سراپا رحمت ہیں، انھوں نے بھی '' رحمۃ للعالمین'' ہونے کے باوجود قانون شکن عناصر اور گستاخوں سے کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتی۔ کیونکہ یہ محض آپ ﷺ کی ذات گرامی کی ناموس کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہ منصب نبوت کے تحفظ کے

حوالے سے شرعی تقاضا اور منشاء الٰہی تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

- **اِنِّیْ مَا اُبْعَثُ لِاُعَذِّبَ بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنَّمَا بُعِثْتُ بِضَرْبِ الرِّقَابِ اَیِ الْاَعْنَاقِ وَشَدِّ الْوَثَاقِ** (صحیح مسلم)

ترجمہ: ''میں اللہ کے عذاب کے ساتھ لوگوں کو عذاب دینے کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا لیکن میں بے حرمت باغیوں اور کافروں کی گردنیں قلم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

جب کافروں نے نبی کریم ﷺ کو بے اعتبار و مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کی اور آپ کو تکلیف وایذا پہنچانے کی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور آپ ﷺ کی شان میں ہر قسم کی گستاخی کی تو مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ وہ ان سردارانِ کفر سے جنگ کریں جو لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیغام حق کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے:

- **وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ اِنَّھُمْ لاَ اَیْمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ.** (توبہ:12)

ترجمہ: ''اور تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں کو قتل کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آ جائیں۔''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

- **وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ.** (الاحزاب:53)

ترجمہ: ''کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ کو ایذا پہنچائے۔''

- **اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَھُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً** (الاحزاب:57)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''دنیا میں لعنت کا مطلب ہے کہ انہیں قتل کروایا جائے گا اور آخرت میں جہنم میں ڈالا جائے گا''۔

(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، صفحہ 356)

قاضی عیاض مالکیؒ اپنی معروف کتاب **الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ** میں اس آیت سے یہی استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''لعنت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو کافر ہو، اور ایسے کافر کے لیے حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے''۔ (الشفاء جلد2، صفحہ 136)

مفسر قرآن علامہ عبدالرحمٰن السعدیؒ فرماتے ہیں:

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، یہ آیت ہر اذیت کو شامل ہے خواہ وہ قولی ہو یا فعلی، گستاخی ہو یا گالی گلوچ یا آپ ﷺ کے دین یا ہر اس چیز کی تنقیص کرے جس کا تعلق آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ہو، تو ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے یعنی ان کو مردود کر کے اپنی رحمت سے دور فرمایا ہے اور دنیا کی لعنت میں یہ بھی داخل ہے کہ اس آدمی کو قتل کیا جاتا ہے جو آپ ﷺ کی گستاخی کرے یا آپ کو اذیت دے''۔ (تیسر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان)

''اذی'' ایک ایسی لغوی اصل ہے جو توہین و تنقیص کی جمیع صورتوں کو شامل ہے۔ اس میں سب و شتم، خط، اشارہ، مزاحیہ خاکہ، قول و فعل کی قدیم و جدید صورتیں، یہاں تک کہ آج کل کے پرنٹ الیکٹرانک میڈیا کی وہ تمام شکلیں آ جاتی ہیں جو کوئی ملعون بغرضِ توہین استعمال کرسکتا ہے۔ علامہ سعدیؒ نے اسی لفظ کی تفسیر میں لکھا ہے:

"وهذا يشمل كل أذية، قولية أوفعلية ٥، من سب و شتم،

أو تنقص له، أو لدينه، أو ما يعود اليه بالأذى"

(تفسیر تیسیر الکریم الرحمان ص:681)

اور یہی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کے الفاظ میں جامعیت اور ابدیت ہوتی ہے۔ لفظ ''اذیٰ'' کی اسی جامعیت و ابدیت کی بنا پر یہ توہین رسالت کی سزا کے لیے ''مناط'' (علت) ٹھہرا ہے کیونکہ علت منضبط ہوتی ہے، چنانچہ کلام اللہ کی طرح کلام رسول اللہ ﷺ میں بھی یہی لفظ بطور علت حد شرعی صادر ہوا، جب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من لكعب بن الأشرف؟ فانه قد آذى اللّٰه ورسوله

(صحیح بخاری، رقم:4038، صحیح مسلم، رقم 1801)

- **وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ** (توبہ:61)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہ اور اس سے قبل تحریر کی گئی آیات اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ توہین دین و رسالت نا قابل معافی جرم ہے جس کی سزا موت ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے اس سزا کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے ایسے کافر، بے حرمت اور گستاخ افراد کی گردن مارنے کا حکم خود کئی بار صادر فرمایا ہے۔

قرآن حکیم نے اسلام اور نبی کریم ﷺ کے خلاف کافرانہ حرکتوں، بے حرمتی، شر اور غداری پر مصر افراد کے لیے سخت اور طویل سوہانِ روح عذاب کا اعلان کیا ہوا ہے:

- **سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيْمٍ** (توبہ:101)

ترجمہ: ''ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

قرآن حکیم کے یہ احکام واضح طور پر بتاتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے دشمن، شاتم، آپ ﷺ پر الزام لگانے والے اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں تنقید یا گستاخی کرنے والے کی برسر عام تحقیر کرنی چاہیے اور اس کو اس جرم کی حقیقی اور واحد سزا

موت (جو نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے) تک پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

جو شخص حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین کرتا ہے، دراصل وہ مفسد فی الارض ہوتا ہے اور اسلام فتنہ وفساد پھیلانے والوں کو قتل کا حکم دیتا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

(1) ''اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔'' (البقرہ:191)

(2) ''اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لیے۔'' (البقرہ:193)

(3) ''فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔'' (البقرہ:217)

قرآن حکیم میں کئی مزید آیات بھی ہیں جنہیں ماہرین فقہ، توہین رسالت ﷺ کی سزا کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیات 64 تا 66 ایسی صورت حال سے متعلق ہیں جن میں کفار کا ایک گروہ اپنی مجالس میں، جو ظاہر ہے ان کے نجی مقامات پر ہوں گی، حضور نبی کریم ﷺ کا تمسخر اُڑایا کرتا تھا۔ ایسا کوئی موقع نہ تھا کہ ان لوگوں کے عمل کے باعث مسلمانوں کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ توہین رسالت ﷺ یا حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم کے تعین کے لیے یہ ضرورت نہیں کہ اس جرم کے مرتکب شخص نے یہ جرم مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے، غصہ دلانے یا برانگیختہ کرنے کے ارادے سے ہی کیا ہو۔ جب توہین رسالت ﷺ ثابت ہو جائے تو اس جرم کے مرتکب کو، اس کے مقصد سے قطع نظر، سزا ضرور دی جائے گی۔ تاہم، کسی عمل کے متعلق یہ تعین کرنے کے لیے کہ یہ عمل توہین کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں، متعلقہ شخص کے عزائم کو بھی زیرِ غور لایا جائے گا۔ خصوصاً ایسی صورت میں، جب اس موقع پر استعمال کیے جانے والے الفاظ واضح نہ ہوں۔ البتہ صریح الفاظ میں نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرنے والا اپنے عقائد، گفتار اور کردار سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ اس حالت کو قرآن

مجید کی زبان میں مشاقہ کہتے ہیں۔ یہی حالت جب میدان عمل میں رونما ہوتی ہے تو محاربۃ کہلاتی ہے۔ قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محاربہ کرنے والوں کے لیے سورۃ مائدہ میں مندرجہ ذیل سزا تجویز کی ہے:

انما جزؤا الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم (المائدہ:33)

”بلاشبہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول ﷺ سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائے اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔ یہ تو اُن کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور اُن کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے۔

بقول حضرت مولانا احسن احمد عبدالشکور: ”**یقتلوا** کے لفظ پر توجہ فرمایئے کہ قرآن مجید، ملعون گستاخ رسول کو سوسائٹی کے لیے جس قدر خطرناک سمجھتا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ ملعون کے صرف قتل ہی کو نہیں کہتا بلکہ اس کا مطالبہ تقتیل کا ہے۔ مرتد اور شاتم رسول دونوں کے جرم کی نوعیت ایک ہے، فرق ہے، تو صرف یہ کہ ارتداد گو بڑا گھناؤنا جرم ہے۔ مگر پھر بھی یہ بغاوت کا پہلا قدم ہے اور توہین رسالت اور شتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو بغاوت کی آخری سرحد ہے جس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اس کی سزا بس تقتیل کر دینے کی ہے۔ اب دین یہی کہتا ہے کہ زمین کو اس نجس وجود سے پاک کر دیا جائے۔ جن لوگوں کو عربی زبان کے اسالیب سے تھوڑی سی واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ قتل اور تقتیل میں کیا جوہری فرق ہے۔“ (الاحزاب:61)

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، جون 2011ء)

بعض ملحدین اور استخفافِ حدیث کا مزاج رکھنے والے یہ کہتے پائے جاتے ہیں کہ قرآن میں شاتم رسول اور اس سے مربوط سزائے موت کا کوئی ذکر نہیں، حالانکہ خود کو نظم قرآنی اور امور بلاغت کا ماہر سمجھنے والے یہ حضرات اگر اسالیب قرآنیہ کے درست فہم کے ساتھ بیانِ رسول ﷺ، یعنی احادیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھتے تو یہ جرم اپنی نوعیت اور مرتکبین جرم کی اقسام کے اعتبار سے کم سے کم پانچ مختلف قرآنی اصطلاحات کے تحت مندرج نظر آ جاتا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

-1 **انتهاک الحرمات**۔ (سورۃ البقرہ)

-2 **الطعن فی الدین** (سورۃ التوبہ)

-3 **الاستهزاء باللّٰہ ورسوله** (سورۃ التوبہ)

-4 **ایذاء اللّٰہ ورسوله** (سورۃ الاحزاب)

-5 **محاربة اللّٰہ ورسوله والافساد فی الأرض** (سورۃ المائدہ)

ان پانچوں میں جرم سے متصل ہی سزائے موت کا حکم اُسی آیت یا اُسی مقام سیاق پر علت و معلول کے واضح ارتباط اور زیادہ تر منطوقِ صریح، یعنی کلمات ''**قتل، قتال**'' اور ''**تقتیل**'' کے ذریعے بیان ہوا ہے۔

پھر قرآن کا حسن بیان ملاحظہ کیجیے، متنوع تعبیرات کے ذریعے یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ توہین رسالت ﷺ کا جرم ایک کثیر الجہتی فساد ہے جس نے ادب باری تعالیٰ، حرمت انبیاء علیہم السلام، تقدس ادیان سماویہ اور حرمت بشر کے ساتھ ساتھ جمیع اہل زمین کے امن و استقرار کو گھیرا ہوا ہے۔ یہ بات ان پانچ تعبیرات پر ادنیٰ تامل سے معلوم کی جا سکتی ہے کیونکہ ان میں سے ہر اصطلاح ایک مستقل موضوع ہے جو ایک عظیم دینی، سیاسی یا معاشرتی شعبے کے حوالے سے اس جرم کا قانونی حکم بیان کر رہی ہے۔ تو گویا مذاہب و مقدسات کی توہین کرنے والے شیطانوں کے ہوتے ہوئے دنیا کے کسی خطے و شعبے میں بھی پرامن بقائے باہمی (Peaceful Coexistence) ممکن نہیں، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں بھی یہود اور مشرکین کی بدترین دشمنی (جس پر قرآن

شاہد ہے) اور اہل ایمان سے ان کی مسلسل جنگ کے باوجود ان میں سے اظہارِ تنقیص و توہین کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے شاتمین کا وجود ختم کرنا ہم پر واجب کیا، کیوں کہ یہ نہ صرف مسلمان، بلکہ جمیع انسانیت کے بدترین دشمن اور دہشت گرد ہیں جن کا مذہب ہی دیگر اقوام کی محترم شخصیات اور کائنات کی عظیم ترین ہستیوں کو گالی دینا اور زمین میں جنگ و فساد کی آگ بھڑکانا ہے۔

البتہ شاتم رسول ﷺ کے لیے دین اسلام نے صرف سزائے موت تجویز کی ہے۔ یہ ایک حد شرعی ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے اکثر نافذ فرمایا اور کبھی معاف بھی فرما دیا، لیکن آپ ﷺ کے بعد کسی خلیفۂ راشد، حاکم، یا والی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں۔

اعتراض نمبر 2

قانون ناموس رسالت ﷺ پر اعتراض کرنے والوں کا موقف ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی ظاہری زندگی میں کسی گستاخ رسول کو قتل یا کوئی دوسری سزا نہیں دی۔ گستاخانِ رسول ﷺ کو سزا دینے کا یہ سلسلہ بعد میں شروع ہوا۔

جواب: حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت جزو ایمان ہے۔ علمائے اسلام، دورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جس شخص کو پیار اور تعلق خاطر نہیں، وہ سرے سے مومن ہی نہیں ہے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا آخرت میں سخت عذاب کا سامنا کرنے کے علاوہ اس دنیا میں بھی قابل گردن زدنی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین.

(بخاری شریف، مسلم شریف)

- ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میری ذات اسے اس کے والدین، اولاد حتیٰ کہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے''۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''**حب الرسول من الایمان**'' ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے''۔ اس کے برعکس ہر وہ قول و عمل اور عقیدہ نواقض ایمان سے ہے جو رسالت اور صاحب رسالت ﷺ سے بغض اور ان کے متعلق طعن و تشنیع پر مشتمل ہو، کیونکہ اس سے کلمہ شہادت کے دوسرے جزو کا انکار لازم آتا ہے اور ایسا کرنے سے وہ گواہی کالعدم ہو جاتی ہے جس کے ذریعے انسان اسلام میں داخل ہوا تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی گستاخی پر غضبناک ہونا ایمان کا حصہ ہے۔ ایک سچا امتی اپنے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کو برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے حضرت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

ترجمہ: توہین رسالت ﷺ کرنے والے ملعون کو سزا دیئے بغیر مومن آدمی کا نفس آرام وچین نہیں پاتا''۔

(رسائل ابن عابدین جلد 1، صفحہ 348)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- **مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَ مَنْ سَبَّ أَصْحَابَهُ جُلِدَ.**

ترجمہ: ''جس نے کسی نبی کو گالی دی، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے کسی صحابی کو گالی دی، اسے کوڑے مارے جائیں گے۔''

(طبرانی جلد نمبر 1 صفحہ 236)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نبی کو گالی دینے والے کو قتل کرنا واجب ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے نیز یہ کہ قتل اس کے لیے حد شرعی ہے۔'' (الصارم المسلول علی شاتم الرسول از علامہ ابن تیمیہؒ)

اس سلسلے میں مختلف صحابہ کرامؓ کے فرامین حسبِ ذیل ہیں:
حضرت ابوبکرؓ کا فرمان ہے:

- لا واللّٰہ ما کانت لِبَشر بعد محمدٍ (سنن ابوداؤد:4363)

ترجمہ: ''اپنی توہین کرنے والے کو قتل کروا دینا حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے روا نہیں ہے۔''
حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا تو فرمایا:

- ''جس نے اللہ کو یا انبیاء کرامؑ میں سے کسی کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے۔'' (الصارم المسلول:ص419)
- حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی، اس کی گردن مار دی جائے۔'' (مصنف عبدالرزاق: ج5 ص308)
- حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے:

''جس مسلمان نے اللہ یا اس کے رسول ﷺ یا انبیا میں سے کسی کو گالی دی، اس نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی، وہ مرتد سمجھا جائے گا اور اس سے توبہ کروائی جائے گی، اگر وہ رجوع کر لے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا اور جو معاہدہ کرنے والا شخص خفیہ یا اعلانیہ، اللہ یا کسی نبی کو بُرا کہے تو اس نے وعدے کو توڑ دیا، اس لیے اسے قتل کر دو۔'' (زادالمعاد 60/5)

- حضرت ابوبرزہؓ فرماتے ہیں:

''میں حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپؓ کسی شخص سے ناراض ہوئے تو وہ شخص درشت کلامی پر اتر آیا۔ میں نے کہا: اے خلیفہ رسول ﷺ! آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں؟ میرے الفاظ سے ان کا سارا غصہ جاتا رہا اور وہ وہاں سے اُٹھ کر گھر چلے گئے اور مجھے بلا بھیجا۔ میں گیا تو مجھ سے فرمایا کہ ابھی تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا: یہ کہا تھا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس شخص کی گردن اُڑا دوں۔ فرمایا: اگر میں تم کو حکم دیتا تو تم یہ کام کرتے؟ عرض کی: آپ فرماتے تو ضرور

کرتا۔ فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم، یہ بات (کہ بدکلامی پر گردن اُڑا دی جائے) حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں۔" (سنن ابوداؤد: 4363)

مطلب یہ کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے والا سزائے موت کا مستوجب ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی انسان ایسا نہیں جس کی توہین کرنے والے کو سزائے موت دی جائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے گالی دینے والے کو قتل کرا دیں۔ آپ ﷺ کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیں جس کے بارے میں لوگوں کو کچھ علم نہ ہو کہ اسے کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ اس معاملہ میں لوگوں کو آپ ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے، اس لیے کہ آپ ﷺ اسی بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہو اور آپ ﷺ اللہ کی نافرمانی کا کبھی حکم نہیں دیتے۔ جو آپ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی دو خصوصیات ہیں:

(1) آپ ﷺ جس کو قتل کرنے کا حکم دیں، اس میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

(2) جو شخص آپ ﷺ کو گالیاں دے، آپ ﷺ اس کو قتل کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کو یہ دوسرا اختیار جو دیا گیا تھا، وہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی باقی ہے۔ لہٰذا جو شخص آپ ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی شان میں سخت الفاظ کہے تو اسے قتل کرنا جائز ہے بلکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ حکم مؤکد تر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا تقدس اور حرمت وصال کے بعد اور زیادہ کامل ہو جاتی ہے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ناموس و آبرو میں سہل انگاری اور تغافل شعاری ممکن نہیں۔ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو مطلقاً قلت و کثرت کو ملحوظ رکھے بغیر گالی دینے سے ایسے شخص کا قتل مباح ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں اس حدیث کے عموم سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے قطع نظر اس سے کہ وہ مسلم ہو یا کافر۔"

(الصارم المسلول: ص94)

علامہ ابن تیمیہؒ نے مسئلہ زیر بحث پر قرآن وسنت کے نصوص اور صحابہ وتابعین کا مسلسل تعامل ذکر کرتے ہوئے آخر میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے ان کو برا بھلا کہا اور ان کی ہتک عزت کی۔ غالباً اس علاقے کے گورنر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے استصواب کیا ہوگا کہ ایسے مفسد شخص کو قتل کر دیا جائے؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے گورنر کو لکھا کہ قتل صرف اس شخص کو کیا جاتا ہے جو شانِ رسالت ﷺ میں دریدہ دہنی کرے۔ لہٰذا اس شخص کو قتل تو نہ کیا جائے، البتہ سرزنش کے لیے اس کے سر پر کوڑے لگائے جائیں اور یہ کوڑے لگانا بھی محض اس شخص کی اصلاح اور بہتری کے لیے ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس کو کوڑے لگانے کا بھی حکم نہ دیتا۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ مشہور ہے جبکہ وہ خلیفہ راشد، قرآن و سنت کے عالم اور بے حد متبع سنت ہیں۔ پس شاتم رسول ﷺ کا واجب القتل ہونا صحابہؓ و تابعینؒ کا اجماعی فیصلہ ہے اور کسی ایک صحابیؓ اور ایک تابعیؒ سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں۔'' (الصارم المسلول: ص205)

خلاصہ یہ کہ اسلامی قانون کی رُو سے توہینِ رسالت ﷺ کا مرتکب سزائے موت کا مستحق ہے اور اس مسئلہ پر تمام صحابہؓ و تابعینؒ اور فقہائے اُمت متفق ہیں۔

اس حوالے سے دورِ نبوی کے واقعات اور ان پر نبی کریم ﷺ کا ردِّ عمل ملاحظہ کیجیے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے:

- ''ایک یہودی عورت، رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا تو آپ ﷺ نے اس عورت کے خون کو رائیگاں قرار دے دیا۔ یعنی اس عورت کے قتل کرنے والے سے قصاص لیا گیا اور نہ ہی دیت۔''

(ابوداؤد: 4362)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

- ''یہ حدیث اس مسئلہ میں واضح حکم رکھتی ہے کہ نبی ﷺ کو گالیاں دینے والے

کو قتل کرنا جائز ہے۔ نیز یہ کہ ایسے ذمی کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے، پھر مسلم مرد یا عورت اگر آپ ﷺ کو گالیاں دیں تو ان کو بطریق اولیٰ قتل کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ عورت بھی ان لوگوں میں سے تھی جن کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے تمام یہودیوں کے ساتھ مطلق معاہدہ کیا گیا تھا اور ان پر جزیہ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔ اہل علم کے مابین یہ مسئلہ متواتر کا درجہ رکھتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علمائے سیر میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو عام یہودیوں سے بلا جزیہ معاہدہ کیا گیا تھا۔ امام شافعیؒ کا یہ قول درست ہے۔" (الصارم المسلول: ص 62)

جب رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جزیہ کے بغیر معاہدہ کیا پھر ایک یہودی عورت کے خون کو اس لیے رائیگاں قرار دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی یا ایک یہودی عورت کے خون کو جس پر جزیہ عائد کیا گیا تھا اور وہ دینی احکام کے پابند بھی تھے، بے کار ٹھہرا دیں تو یہ اولیٰ و افضل ہے اور اگر اس عورت کا قتل جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس عورت کے قاتل کے فعل کی مذمت فرماتے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

- "جس نے کسی معاہد کو بلا وجہ قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔"

(ابن حبان: 291/11، رقم: 8382)

اور آپ ﷺ اس عورت کی ضمانت یا معصوم کو قتل کرنے کا کفارہ واجب کرتے۔ جب اس عورت کے خون کو آپ ﷺ نے رائیگاں قرار دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا خون مباح تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

- "ایک نابینا صحابیؓ کی ایک اُم ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیا کرتی تھی۔ وہ صحابی اسے روکتے مگر وہ باز نہ آتی، وہ ڈانٹتے مگر وہ رُکتی نہ تھی۔ ایک رات اس نے رسولِ کریم ﷺ کو گالیاں دینے کا آغاز کیا تو اس صحابی نے بھالا لے

کراس لونڈی کے شکم میں پیوست کر دیا اور اسے زور سے دبایا جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔ صبح کو اس کا تذکرہ رسول کریم ﷺ سے کیا گیا تو لوگوں کو جمع کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے یہ قتل کیا اور میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہوجائے۔ یہ سن کر ایک نابینا صحابیؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آئے اور بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! (اسے میں نے قتل کیا ہے) وہ آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، میں اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی تھی، میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا مگر وہ پروا نہ کرتی۔ اس کے بطن سے میرے دو موتیوں جیسے بیٹے ہیں، وہ میری رفیقہ حیات تھی۔ گزشتہ شب جب وہ آپ ﷺ کو گالیاں بکنے لگی تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبایا حتیٰ کہ وہ مرگئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔" (سنن ابوداؤد: 4361)

اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"مندرجہ بالا واقعہ میں اگر اس عورت کو قتل کرنا ناروا ہوتا تو رسول کریم ﷺ فرما دیتے کہ اس کو قتل کرنا حرام ہے اور اس کا خون معصوم ہے۔ معصوم کو قتل کرنے کی وجہ سے اس پر کفارے کو واجب قرار دیتے اور اگر وہ اس کی لونڈی نہ ہوتی تو اس پر دیت کو واجب قرار دیتے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا خون ہدر (رائیگاں) ہے اور ہدر وہ خون ہوتا ہے جس کا قصاص دیا جاتا ہے نہ دیت اور نہ کفارہ، تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ ذمی ہونے کے باوجود مباح الدم تھی۔ گویا گالیاں دینے کے مذموم فعل نے اس کے خون کو مباح کر دیا تھا۔ مزید برآں آپ ﷺ نے اس کے خون کو اس وقت ہدر قرار دیا جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ گالیاں دینے کی وجہ سے اس کو قتل کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا موجب و محرک یہی ہے اور اس واقعہ کی دلالت اس پر واضح ہے"۔

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ: ص68)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

- "حدیثِ ابن عباسؓ اور حدیثِ شعبیؒ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص

نبی ﷺ کو گالیاں دے، اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن منذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص صریحاً نبی کو گالیاں دے، اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ ابوبکر فارسی جو آئمہ شافعیہ میں سے ہیں، نے کتاب **الاجماع** میں نقل کیا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کو گالیاں دے تو وہ تمام ائمہ کے نزدیک کافر ہے۔ اگر وہ توبہ بھی کر لے تو پھر بھی اس سے سزائے قتل ساقط نہیں ہوسکتی، کیونکہ (نبی پر) قذف کی حد قتل ہے اور حدِ قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔'' (نیل الاوطار: **189/7**)

نسائی کے شارح امام سندھی فرماتے ہیں:

❑ ''حدیثِ ابن عباسؓ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی آدمی جب اللہ اور اس کے رسول کے خلاف زبان درازی سے باز نہ آئے تو اس کا معاہدہ ختم اور اس کا قتل جائز ہے۔'' (حاشیہ نسائی: **109/7**)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

❑ ''شاتمِ رسولؐ کے قتل کے واجب ہونے میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن جب شاتم ذمی ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ و احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہود و نصاریٰ میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کو گالیاں دے تو اسے قتل کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ مسلمان ہوجائے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذمی آدمی اگر آپ ﷺ کو گالی دے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے معاہدہ ختم ہو جائے گا اور وہ اس سلسلہ میں کعب بن اشرف کے قتل والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔''

(معالم السنن: **295/3**)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

❑ ''خطمة قبیلے کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس عورت سے کون نمٹے گا؟ اس کی قوم کے ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کام میں انجام دوں گا۔ چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا۔ (الصارم المسلول: ص**95**)

مشہور سیرت نگار واقدی نے اس واقعہ کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ عصما بن مروان، بنی اُمیہ بن زید کے خاندان سے تھی اور یزید بن حصن خطمی کی بیوی تھی۔ یہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی۔ اسلام میں عیب نکالتی اور آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتی تھی۔ عمیر بن عدی خطمی کو جب اس کی باتوں اور اشتعال بازی کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ اے اللہ! میں تیرے حضور نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے رسول اللہ ﷺ کو بخیر و عافیت مدینہ لوٹا دیا تو میں اس عورت کو قتل کر دوں گا۔ رسول کریم ﷺ اس وقت بدر میں تھے، جب آپ ﷺ بدر سے واپس آئے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس کے اردگرد اس کے بچے سوئے ہوئے تھے اور ایک بچہ اس کے سینے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ عمیر نے بچے کو الگ کیا پھر اپنی تلوار کو اس کے سینے پر رکھا اور اس کی پشت کے پار کر دیا۔ پھر صبح کی نماز رسولِ کریم ﷺ کے پیچھے ادا کی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو عمیر کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ کیا تو نے بنتِ مروان کو قتل کر دیا ہے؟ عرض کی: جی ہاں! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ عمیر اس بات سے ڈرے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی مرضی کے خلاف کام کیا ہو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا اس ضمن میں مجھ پر کوئی چیز واجب ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنیں! دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکراتیں۔ یہ فقرہ پہلی مرتبہ رسول کریم ﷺ سے سنا گیا۔ عمیر کہتے ہیں کہ پھر رسول کریم ﷺ نے اردگرد دیکھا اور فرمایا: اگر تم ایسا شخص دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدیؓ کو دیکھ لو۔

جب حضرت عمیرؓ، رسول اللہ ﷺ کے یہاں سے لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ اس عورت کے بیٹے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسے دفن کر رہے ہیں۔ جب سامنے آتے دیکھا تو وہ لوگ عمیرؓ کی طرف آئے اور کہا: اے عمیرؓ! اسے تو نے قتل کیا ہے؟ عمیرؓ نے کہا: ہاں تم نے جو کرنا ہے کر لو اور مجھے ڈھیل نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم سب وہ بات کہو جو وہ کہا کرتی تھی تو میں اپنی تلوار سے تم

پر وار کروں گا، یہاں تک کہ میں مارا جاؤں یا تمہیں قتل کردوں۔ اس دن سے اسلام بنی خطمہ میں پھیل گیا۔ قبل ازیں ان میں سے کچھ آدمی ڈر کے مارے اپنے اسلام لانے کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ (الصارم المسلول: ص94 ومجمع الزوائد: 460/6)

- واقدی نے لکھا ہے کہ بنوعمرو بن عوف میں ایک شیخ تھا جس کو ابوعفک کہتے تھے۔ نہایت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ یہ شخص مدینہ آ کر لوگوں کو رسولِ کریم ﷺ کی عداوت پر بھڑکایا کرتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب رسول کریم ﷺ بدر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح و کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا اور بغاوت پر اُتر آیا۔

ابوعفک نے رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کی مذمت میں ایک ہجویہ قصیدہ کہا۔ سالم بن عمیر نے نذر مانی کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا۔ سالم اس کی غفلت کی تلاش میں تھا۔ موسم گرما کی ایک رات تھی اور ابوعفک موسم گرما میں قبیلہ بنوعمرو بن عوف کے صحن میں سو رہا تھا۔ اندریں اثنا سالم بن عمیر آیا اور تلوار اس کے جگر پر رکھ کر اسے قتل کر دیا اور وہ بستر پر چیخنے لگا۔ اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے، پہلے اس کے گھر میں لے گئے اور پھر قبر میں دفن کر دیا۔ کہنے لگے اسے کس نے قتل کیا ہے؟ بخدا اگر ہمیں قاتل کا پتہ چل جائے تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔ (کتاب المغازی از علامہ واقدیؒ جلد 1، ص174)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

- ''اس واقعہ میں اس امر کی واضح دلیل موجود ہے کہ معاہد اگر اعلانیہ نبی کو گالیاں دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، اسے دھوکے سے قتل کیا جاسکتا ہے۔''

(الصارم المسلول: ص104)

معروف حدیث جس سے حضرت امام شافعیؒ نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ ذمی اگر رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اسے قتل کیا جائے۔ اس کا عہد و امان اس سے باقی نہیں رہتا، وہ کعب بن اشرف کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذمی اگر رسول

کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اسے قتل کیا جائے۔ اس فعل سے مسلمانوں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس پر انہوں نے کعب بن اشرف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔

❑ کعب بن اشرف ایک مالدار یہودی سردار تھا۔ یہ بدطینت اور شیطان صفت انسان لوگوں کو خاص طور پر قریشِ مکہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتا اور برانگیختہ کیا کرتا تھا۔ ہمیشہ اس ٹوہ میں لگا رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دھوکے سے پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کو قتل کرا دے۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ اس نے اس غرضِ فاسد کے تحت رسول اکرم ﷺ کو ایک دعوت پر بھی مدعو کیا تھا مگر رسول کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ بروقت آگاہ کر دیا اور آپ بال بال بچ گئے۔

اس پر مسلمانوں کی طرف سے کعب بن اشرف کے قتل کی کارروائی کی مفصل روداد سیدنا جابر بن عبداللہؓ یوں بیان کرتے ہیں:

❑ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: ''**من لكعب بن الاشرف، فانه قد آذى الله و رسوله؟**'' ''کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ ستا رہا ہے۔'' اس پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے یہ پسند ہے۔ انھوں نے عرض کی: کیا آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ بقدرِ ضرورت اس سے جو مناسب سمجھوں، بات کر لوں؟ (خواہ ظاہراً وہ بری اور ناجائز ہی ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس چیز کی اجازت مرحمت فرمائی۔ رات کے وقت جب یہ لوگ مدینہ منورہ سے کارروائی کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو سید الاوّلین والآخرین، امام الانبیا والمرسلین ﷺ نے بنفس نفیس ان کو جنت البقیع (اصل نام الغرقد) تک آکر الوداع کیا۔ یہ سن 3 ہجری تھا، ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ چاندنی رات تھی۔ مجاہدین کی اس مختصر چھاپہ مار گوریلا ٹیم کو رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ!

اللہ تمہاری مدد کرے۔‘‘

محمدؓ بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ شخص (اشارہ رسول اکرم ﷺ کی جانب تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں مشقت میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب بن اشرف کہنے لگا: ابھی آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا، اللہ کی قسم! تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: چونکہ ہم نے اب ان کی اطاعت کر لی ہے۔ اس لیے جب تک یہ معاملہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انھیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں، میں تم سے ایک وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے جو تقریباً ایک سوتیس کلو کے برابر بنتا ہے) غلہ بطور قرض لینے آیا ہوں۔

کعب بن اشرف نے کہا: ہاں! میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کونسی چیز تم گروی میں چاہتے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: تم عرب کے نہایت خوبصورت مرد ہو، ہم تمھارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کعب بن اشرف نے کہا: پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے جواب دیا: ہم اپنے بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کل کلاں انھیں اسی بات پر گالیاں اور طعنے دیے جائیں گے کہ یہ تو وہی ہے، جسے ایک وسق یا دو وسق غلے کے بدلے گروی رکھا گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے بہت بڑی ذلت ہوگی۔ البتہ ہم تمھارے پاس اپنے ’’لائمہ‘‘ گروی رکھ دیتے ہیں (حدیث کے ایک راوی سفیان کہتے ہیں: لائمہ سے مراد ہتھیار اور اسلحہ تھا)۔

محمدؓ بن مسلمہ نے دوبارہ ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ (کچھ دنوں کے بعد) وہ رات کے وقت کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ابو نائلہؓ بھی تھے اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر اس کے قلعہ کے پاس جا کر انھوں نے آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: اس وقت (اتنی رات گئے) باہر کہاں جا رہے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: باہر محمد بن مسلمہ اور میرا (رضاعی) بھائی ابو نائلہ

(مجھ سے ملنے آئے ہیں)...... حدیث کے ایک راوی عمرو بن دینار کے سوا دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ اس کی بیوی نے اس سے کہا تھا: مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔کعب نے جواب دیا: (نہیں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ وہ) میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔

عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ جب سیدنا محمدؓ بن مسلمہ اندر گئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔سفیان سے پوچھا گیا: کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ عمرو بن دینار نے بعض کا نام لیا تھا۔عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کے نام بتائے تھے۔تاہم عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمی اور لائے تھے۔اور انھیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب ہماری طرف آئے گا تو میں اس کے بال اپنے ہاتھوں میں لے لوں گا اور انھیں سونگھوں گا۔جب تمھیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا...... عمرو بن دینار نے ایک دفعہ یہ بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ نے فرمایا، پھر میں اس کا سر تمھیں بھی سنگھاؤں گا......

بالآخر کعب بن اشرف چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔اس کے سر سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: اس سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی۔ عمرو کے سوا دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا: کعب بن اشرف اس بات پر بولا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔عمرو بن دینار کہتے ہیں: محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کیا تمھارے سر کو سونگھنے کی مجھے اجازت ہے؟ اس نے کہا: سونگھ سکتے ہو۔محمدؓ بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سونگھا۔پھر دوسری دفعہ محمدؓ بن مسلمہ نے سر کو سونگھنے کی اجازت مانگی۔اس نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی۔ پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح اسے اپنے قبضہ میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا

کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اپنا خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ چند لمحے تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ انہوں نے سر کاٹ کر ساتھ لیا اور روانہ ہو گئے۔ بقیع پہنچ کر بلند آواز میں تکبیر کہی۔ حضور ﷺ مسجد میں اپنے رب کے حضور کھڑے تھے، تکبیر کی آواز سُن کر سمجھ گئے کہ مہم کامیاب رہی، اتنے میں یہ لوگ آ پہنچے۔ آپ ﷺ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا: ''**افلحت الوجوہ**'' ان چہروں نے فلاح پائی اور کامیاب ہوئے۔ ان لوگوں نے جواباً عرض کی: **ووجھک یا رسول اللّٰہ!** اور سب سے پہلے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک، اے اللہ کے رسول ﷺ۔ پھر کعب بن اشرف کا سر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے الحمدللہ کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ (فتح الباری: ج7 ص340)

اس معرکہ میں حضرت حارث بن اوسؓ شدید زخمی ہوئے۔ صحابۂ کرامؓ ان کو اٹھا کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے تو آپ ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگایا، جس سے زخم فوراً مندمل ہو گیا۔

شیخ الاسلام شارح بخاری حافظ ابن حجر مکیؒ ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ کعب بن اشرف کا ذمہ کون لیتا ہے؟ گستاخ رسول کے قتل کا جواز ہے، اگرچہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو''۔

امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:

❏ ''کسی شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کے واقعہ کو دھوکہ دہی قرار دے۔ سیدنا حضرت علی بن ابی طالبؓ کی مجلس میں کسی انسان نے ایسی بات کہہ ڈالی تھی تو سیدنا حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فوراً اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا تھا۔''

جب یہود کو اس واقعہ کا علم ہوا تو یک لخت مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا تھا اور لوگوں کو ہمارے خلاف قتال پر برانگیختہ کرتا اور آمادہ کرتا تھا۔ یہود دم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے اور بعد ازاں آپ ﷺ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ

یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا۔ (طبقات ابن سعد: ج 2 ص 34)

امام بخاریؒ نے **الجامع الصحیح** میں درج ذیل واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ ایک بہت بڑے اسلام دشمن اور رسولؐ دشمن ابو رافع یہودی کے بارے میں ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنے پر ابھارتا تھا۔ صحیح بخاری میں اس بارے میں جو واقعہ ہے، سیدنا براءؓ بن عازب اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

❑ ''رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی (کے قتل) کے لیے چند انصاری صحابہؓ کو بھیجا اور سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ ابو رافع یہودی رسول اکرم ﷺ کو تنگ کیا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا اور وہیں وہ سکونت پذیر تھا۔ جب وہ اس کے قلعہ کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے مویشی لے کر (اپنے گھروں کو) واپس ہو چکے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو! میں (اس قلعہ پر) جا رہا ہوں اور دربان پر کوئی تدبیر کروں گا تا کہ میں اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ (قلعہ کے پاس) آئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر انھوں نے خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا جیسے کوئی قضائے حاجت کر رہا ہو۔ قلعہ کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے آواز دی۔ اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلدی آ جا، میں اب دروازہ بند کر دوں گا۔ (سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ نے کہا:) چنانچہ میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اس کی حرکات وسکنات دیکھنے لگا۔

جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کیا اور کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ فرماتے ہیں: اب میں ان کنجیوں کی طرف بڑھا اور انھیں اٹھا لیا۔ پھر میں نے قلعہ کا دروازہ کھول لیا۔ ابو رافع کے پاس رات کے وقت داستانیں بیان کی جا رہی تھیں، اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب رات کے وقت قصہ گوئی کرنے والے (داستان گو) اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو میں

اس کے مخصوص کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔اس تک پہنچنے کے لیے اس دوران میں، مَیں جتنے دروازے کھولتا تھا، انھیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر قلعہ والوں کو میرے متعلق علم ہو بھی جائے تو اس وقت تک یہ لوگ میرے پاس نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کرلوں۔ آخر میں اس کے قریب پہنچ ہی گیا۔اس وقت وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ (سو رہا) تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے؟ اس لیے میں نے آواز دی: ابورافع! وہ بولا: کون ہے؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ اس وقت میرا دل دھک دھک کر رہا تھا، یہی وجہ ہوئی کہ میں اس کا کام تمام نہیں کر سکا۔ جب وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی ٹھہرا رہا۔ پھر دوسری مرتبہ اندر گیا۔ میں نے پھر آواز بدل کر پوچھا: ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولا: تیری ماں غارت ہو۔ ابھی ابھی مجھ پر کسی نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ (سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ فرماتے ہیں:) میں نے پھر (آواز کی طرف بڑھ کر) تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ اگرچہ میں اس کو خوب لہولہان تو کر چکا تھا مگر وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ مجھے اب یقین ہو گیا کہ میں اسے قتل کر چکا ہوں۔

چنانچہ میں نے ایک ایک کر کے دروازے کھولنے شروع کیے۔ بالآخر ایک زینے پر پہنچا۔ میں یہ سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ چکا ہوں۔ (لیکن ابھی میں پہنچا نہ تھا) اس لیے میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا اور نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی۔ اس طرح گر پڑنے سے میرے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی اور میں دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ نہ معلوم کرلوں کہ آیا میں اسے قتل کر چکا ہوں یا نہیں؟ جب مرغ نے اذان دی تو اسی وقت قلعہ کی فصیل (دیوار) پر ایک آواز دینے والے نے کھڑے ہو کر آواز دی: لوگو! میں اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ چلنے کی جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو (میرے ہاتھوں) قتل کرا دیا ہے (آپ نے اپنے

عمامہ سے پاؤں کی ہڈی کو باندھا اور ایک پاؤں پر اچھلتے ہوئے قلعہ سے باہر آ گئے)۔

پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کو ابو رافع کے قتل کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنا پاؤں آگے کرو۔'' میں نے اپنا پاؤں آگے کیا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا، میرا پاؤں فوراً ایسا اچھا ہو گیا جیسے کبھی اس میں مجھ کو کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔'' (صحیح بخاری جلد 2، ص 577)

جو مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرے، تو اس کو قتل کر دینے کا تذکرہ بھی زیر نظر حدیث میں ملتا ہے۔ یہاں ان واقعات کی تفصیلی بحث پیش نظر نہیں، اس لیے یہ واقعہ بلا تبصرہ ملاحظہ کیجیے:

- ''حضرت مکحول بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی (بشر نامی منافق) مسلمان اور یہودی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے منافق کے خلاف فیصلہ فرما دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کی طرف چلے گئے، انہوں نے کہا: جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو نہیں مانتے، میں اس کے درمیان فیصلہ نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میرے واپس آنے تک تم یہیں ٹھہرنا، حضرت عمرؓ گھر سے تلوار سونت کر آئے اور منافق کو قتل کر دیا اور کہا: جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا، اس کے لیے میں اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل کر دی: **فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ**۔ (النساء:65) اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کا لقب 'فاروق' پڑ گیا۔''

(تفسیر در منثور: 181/2، تفسیر ابن کثیر: 789/1)

بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے منافق سے پوچھا، کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ٹھہرو میں واپس آتا ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تلوار نکالی اور اس کی گردن پر مار کر اسے قتل کر دیا اور فرمایا:

- **ھکذا اقضی لمن لم یرض بقضاء اللّٰہ وقضاء رسولہ**

(مرقاۃ المفاتیح، زیر بحث حدیث نمبر 1، تفسیر بیضاوی، تفسیر در منثور، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر و دیگر تفاسیر زیر بحث آیت نمبر 60، سورۃ النساء)

ترجمہ: ”جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ نہیں مانتا، میں اس طرح اس کا فیصلہ کرتا ہوں“۔ چنانچہ اس قتل کو بھی رائیگاں قرار دیا گیا۔

امام سلیمان بن احمد طبرانی (التوفی:360ھ) نے امام کلبی کے حوالہ سے یہی واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ میرا فیصلہ ان لوگوں کے بارے میں اسی طرح ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت جبرائیل امین نے آ کر یہ اعلان کیا:

- **ان عمر فرق بین الحق والباطل فسمی الفاروق**

(تفسیر کبیر المؤلف: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی جلد2، ص256)

حضرت عمر فاروقؓ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں، اسی لیے ان کا نام ”فاروق“ رکھ دیا گیا ہے۔

معروف گستاخِ رسول عبدالعزی ابن خطل کا نام عبداللہ تھا۔ وہ پہلے مسلمان تھا، بعدازاں اسلام چھوڑ کر مشرک ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھ دو گانے والی لونڈیاں ارنب اور قریبہ رکھی ہوئی تھیں جن سے وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہجویہ اور توہین آمیز گیت کہلوایا کرتا تھا۔ شانِ رسالت ﷺ میں توہین کے ارتکاب پر اس کی جسارتیں بہت بڑھ چکی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو سب مخالفین حتیٰ کہ بدترین دشمنوں کو بھی معافی دے دی گئی۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ آپ کا گستاخ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُسے قتل کر دو۔ چنانچہ اس گستاخِ رسول کو قتل کرنے کی سعادت سیدنا ابوبرزہ اسلمیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن حریثؓ کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے اس گستاخ کو کعبۃ اللہ کے پردوں سے نکال کر زمزم کے کنویں اور مقام ابراہیم کے درمیان قتل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گستاخِ رسولؐ کو بیت اللہ شریف (جو امن کی جگہ ہے) میں بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے ابن خطل کی

دونوں لونڈیوں ارنب اور قریبہ کو بھی شانِ رسالتؐ میں گستاخی کے جرم میں قتل کر دیا گیا تھا۔

(سنن نسائی، کتاب المحاربہ، جلد2، ص169)

آخر میں عبداللہ بن ابی سرح کے اسلام لانے کا واقعہ نہایت غور کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس واقعہ سے بہت سے مسائل سمجھ آتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی سرح پہلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ بعد ازاں مرتد ہو کر کفار سے جا ملے اور حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں بے حد ہرزہ سرائی کرنے لگے۔ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمانؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ اس وقت بیعت لے رہے تھے۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! عبداللہ حاضر ہے، اس سے بھی بیعت لے لیجیے۔ آپ ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا، بالآخر حضرت عثمانؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار درخواست کرنے لگے تو نبی ﷺ نے عبداللہ بن ابی سرح سے بیعت لے لی اور ان کا اسلام قبول فرما لیا۔ اسی طرح ان کی جان بخشی ہو گئی۔

"پھر نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم میں سے کوئی بھی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا تو تم میں سے کوئی اُٹھ کر اس کو قتل کر ڈالتا۔ جواب میں کسی صحابیؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس وقت اپنی آنکھ سے کوئی اشارہ فرما دیتے، تو نبی ﷺ فرمانے لگے۔ نبی کے لیے اشارہ کرنا زیبا نہیں۔"

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول از علامہ ابن تیمیہؒ، کتاب المغازی از علامہ واقدی جلد2، ص860)

حضور نبی کریم ﷺ کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ آپ ﷺ جب صحابہؓ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے۔ **"راعنا یا رسول اللہ ﷺ"** اس کے یہ معنی تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے حال کی رعایت فرمائیے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہودیوں کی لغت میں اس لفظ کا غلط معنی ہوتا تھا تو انھوں نے اسی غلط معنی کی نیت سے حضور ﷺ کو یہ لفظ کہنا شروع

کر دیا۔ حضرت سعد بن معاذؓ جو یہودیوں کی اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا، اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن مار دوں گا۔ یہودیوں نے کہا، ہم پر تو آپ غصہ ہوتے ہیں جبکہ مسلمان بھی تو یہ لفظ کہتے ہیں۔ اس پر آپ رنجیدہ ہو کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی: **یایھا الذین امنوا لا تقولو راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم** (البقرہ:104) اے ایمان والو! تم لوگ ''**راعنا**'' نہ کہو بلکہ ''**انظرنا**'' کہو اور غور سے سنو اور کافروں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔ یعنی اس آیت کریمہ میں ''**راعنا**'' کہنے کی ممانعت فرما دی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ ''**انظرنا**'' کہنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیا کی تعظیم وتوقیر اور ان کی بارگاہ میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو، وہ زبان پر لانا ممنوع ہے۔

حضرات مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں کسی بھی طرح کی گستاخی اور توہین کی ناپاک جسارت کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ سید محمود آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں حضرت سعد بن عبادہؓ کا قول نقل کرتے ہیں: ترجمہ: مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہ لفظ ان یہودیوں سے سنا اور فرمایا: اے اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر میں نے تمہارے کسی شخص کو یہ لفظ کہتے ہوئے سنا کہ وہ یہ لفظ حضور نبی کریم ﷺ کو کہہ رہا ہے تو میں لازماً اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ (تفسیر روح المعانی جلد 1، صفحہ 348)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر گستاخ رسول کا قتل جائز نہ ہوتا تو کیا حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ اللہ کی قسم کھا کر گستاخ رسول کے قتل کا اعلان کر سکتے تھے؟ اور صرف یہی دو صحابہ نہیں بلکہ علامہ شوکانیؒ نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد تمام صحابہ کرامؓ کا

یہی عقیدہ ہو گیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مومنوں نے اس آیت کے نزول کے بعد کہا کہ جیسے ہی کوئی مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہودیوں سے یہ لفظ (راعنا) کہتے ہوئے سنے تو اُس کی گردن اُڑا دے، اس پر یہودی توہین سے باز آ گئے۔

(فتح القدیر، جلد 1، صفحہ 136)

حضرت ابن عمرؓ کے سامنے کسی آدمی نے ذکر کیا کہ میں نے ایک یہودی کو حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرتے ہوئے سنا ہے تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اگر میں سن لیتا تو اُسے ضرور قتل کر دیتا کیونکہ ہم نے آپ ﷺ کی توہین پر ان کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا۔ (فتح القدیر، جلد 5، صفحہ 303)

اس واقعے سے جہاں بہت سے دیگر مسائل سمجھ آتے ہیں، وہاں یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں اہانت کے مرتکب شخص کی سزا صرف موت ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ اس سلسلہ میں سزائے موت کے کیسز میں پاکستانی عدالتیں قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہیں۔ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 338 ایف میں صراحت کے ساتھ یہ لکھ دیا گیا ہے کہ اس باب میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں، ان کا اطلاق کرتے ہوئے عدالت قرآن وسنت سے راہنمائی لے گی۔

338-F. Interpretation: In the interpretation and application of the provisions of this Chapter, and in respect of matter ancillary or akin thereto, the Court shall be guided by the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Qur'an and Sunnah.

توضیح: اس بات کے احکام کی توضیح اور ان کا اطلاق کرتے ہوئے، اور ان سے وابستہ یا ان کے ضمن میں آنے والے امور کی بابت، عدالت احکام اسلام سے جس

طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، راہنمائی حاصل کرے گی۔

اب قرآن و سنت میں گستاخ مباح الدم کے قتل کے بارے میں کیا احکام ہیں، وہ بالکل واضح ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی مباح الدم کو قتل کر دیتا ہے تو شریعت میں قرآن و سنت کی روشنی میں قاتل کے لیے کیا حکم ہے اور صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک فقہا امت اور مسلمان قاضی قرآن و سنت کی راہنمائی میں کیا فیصلے کرتے رہے، یہ سب وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے قاضیوں، ججز حضرات کو بھی چاہیے کہ جب یہ سیکشن اس بات کی پابند کر رہی ہے کہ قتل کی سزا کے معاملے میں ''اس باب میں احکام کی توضیح اور ان کا اطلاق کرتے ہوئے عدالت احکام اسلام سے جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، راہنمائی حاصل کرے گی'' تو سزا دینے یا معاف کرنے میں قرآن و سنت کی پیروی کریں۔ اگر قرآن و سنت پر عمل نہیں ہوتا تو جہاں یہ اس کے خلاف ہے، وہیں اس سیکشن کے بھی خلاف ہے۔

اعتراض نمبر 3

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ گستاخ رسول کی سزا، سزائے موت قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ یہ احادیث میں ہے اور (نعوذ باللہ) حدیث کی بنیاد پر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔

جواب: ایسی کج فکر رکھنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث رسول کی اہمیت، فضیلت اور ضرورت قرون اولیٰ سے لے کر قیامت تک رہے گی۔ حدیث رسول ﷺ، قرآن اور مضامین قرآن کی تفسیر ہے، اس کے بغیر دین اسلام کی معرفت اور پہچان ممکن نہیں۔ حدیث کا انکار گویا اللہ تعالیٰ کی ذات، حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت اور صداقت، قرآن اور اس کی حقانیت کا انکار ہے۔ جو لوگ صرف اور صرف قرآن پاک سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور حدیث و سنت سے منہ موڑ لیتے ہیں، وہ در حقیقت کلام اللہ (قرآن

مجید) کے بھی منکر ہیں۔ یاد رہے کہ جس طرح قرآن، اسلام کا مصدر و ماخذ اور مرجع ہے، اسی طرح حدیث رسول، قرآن کے بعد دوسرا بڑا مصدر ہے۔ جیسے قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، اسی طرح صحیح حدیث بھی منزل من السماء وحی ہے۔

قرآن اور حدیث کو الگ الگ کر کے اسلام کو پہچاننا، احکام و مسائل کو جاننا، حلال وحرام میں فرق کرنا ممکن نہیں۔ منکرین حدیث کی یہ مکارانہ چال ہے کہ وہ پہلے قرآن وحدیث کو جدا جدا کرتے ہیں اور پھر صرف قرآن کی بات کرتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ کی وضاحت قرآن میں نہیں ملتی مثلاً: قرآن میں نماز کی فرضیت، زکوٰۃ کی فرضیت، روزے اور حج کی فرضیت کا تذکرہ تو موجود ہے مگر ان کی ادائیگی کی تفصیل نہیں۔ ان کی تفصیلات صرف احادیث میں ہیں، تو پھر یہ لوگ دوسرا بڑا حملہ اسلام پر یہ کرتے ہیں کہ جی! اسلام مکمل ضابطہ حیات اور کامل دین نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

شریعت مطہرہ (یا اسلامی قانون) کتاب وسنت، اجماع امت اور قیاس شرعی کے مجموعے کا نام ہے۔ شریعت کا کوئی حکم جب ان مآخذ میں کسی ایک سے ثابت ہو تو وہ (درجات کے تفاوت کے ساتھ) شریعت ہی کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق ہر جرم کی سزا کا قرآن کریم سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ تاہم توہین رسالت ﷺ کی سزا کو قرآن کریم میں کئی مقامات پر واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے ہم قرآن پاک سے حدیث کا وجود ثبوت پیش کرتے ہیں، پھر احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں گستاخان رسول کی شرعی سزا اور ان کا انجام بیان کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

- ”اس کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو، بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔“ (الاعراف:3)

اس آیت مبارکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام کی اتباع اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کی پیروی نہ کرنے کا حکم ہے۔ پیروی صرف نازل کردہ

احکامات ہی کی کرنی ہے۔ وہ نازل کردہ چیز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

- ❑ ’’اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت اتاری ہے۔‘‘ (النساء:113)

پوری امت کا اجماع ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن مجید اور الحکمت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن وسنت کو نازل فرمایا ہے۔

اہل ایمان اسی حق کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- ❑ ’’خبردار! مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔‘‘ (مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے ساتھ اس جیسی جو چیز دی گئی ہے، وہ چیز کیا ہے؟ وہ حدیث وسنت ہے۔ قرآن وسنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہیں اور دونوں کی اتباع ضروری ہے۔ حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے اپنے اوپر نازل ہونے والی تعلیمات اور ربانی ہدایات کے مطابق لوگوں کی راہنمائی فرمائی ہے، امت کی رشد و ہدایت کے لیے احکام دینیہ میں ہر وہ بات جو آپ کی زبان اقدس سے نکلی ہے، وہ وحی ہے اور وحی قرآن وسنت کا نام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

- ❑ ’’اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔‘‘ (النجم:4:3)

آپ ﷺ وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ خوش طبعی اور مزاح کے موقع پر بھی آپ ﷺ کی زبان سے حق ہی نکلا ہے۔

جن کی نیت بد اور خراب ہے، وہ حدیث وسنت سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

- ❑ ’’یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔‘‘ (محمد:16)

منکرین حدیث، باطل کی پیروی اور اپنی خواہشوں کی اتباع تو بڑی خوشی سے کرتے ہیں مگر! فرامین رسول سے دور بھاگتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں

پر مہر ثبت کر دی ہے۔ جب معلوم ہو گیا کہ حق کلام اللہ اور فرمان رسول اللہ کا نام ہے تو پھر اس کی پیروی کرنا لازمی اور ضروری ہے، اپنی خواہشات کی نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ(ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔'' (محمد:33)

بظاہر کوئی عمل کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرہ سے باہر اور خارج ہے تو برباد اور رائیگاں ہے۔ اعمال اور نیکیاں اسی انسان کی محفوظ و موجود، باقی و برقرار رہیں گی، جو اطاعت و فرمانبرداری کے لیے اپنے آپ کو مطیع کر لے گا اور جس سے انکار حدیث کی بدبو آتی رہی، اس کے اعمال غارت ہو گئے۔ مقدام بن معد یکرب الکندی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گدھا اور اس کے علاوہ کئی چیزوں کو حرام قرار دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

❑ ''قریب ہے کہ ایک آدمی چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا، جب میری کوئی حدیث اس سے بیان کی جائے گی تو وہ کہے گا: کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے، جس چیز کو ہم اس میں حلال پاتے ہیں اور اس کو حلال اور جس چیز کو اس میں حرام پاتے ہیں حرام کریں گے، خبردار! بے شک جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے، اسی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔'' (مسند احمد)

یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں کوئی ٹکراؤ اور کسی قسم کا کوئی اختلاف قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

''وہ (نبی کریم ﷺ) ان کو نیک باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔'' (الاعراف:108)

اس آیت مبارکہ کی روح سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ اگر حدیث و سنت کا انکار کیا جائے اور صرف قرآن کی بات کی جائے تو اس سے قرآن کا بھی انکار ہوتا ہے۔ نیز اچھائی و برائی میں فرق اور حلال و حرام کی تمیز بھی مٹ جاتی ہے۔

ہمارے بعض ٹی وی اینکر پرسن اپنے ٹاک شوز میں اکثر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ قرآن میں کہاں آیا ہے کہ ''توہین رسالت کے مجرم کی سزا قتل ہے''۔ ان میں سے بعض کا انداز انتہائی جارحانہ بلکہ گستاخانہ ہوتا ہے اور وہ اپنے مہمان سے اس سوال کا جواب ہاں یا ناں میں چاہتے ہیں اور اس سے زیادہ اسے بولنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہمیں یہ خدشہ پریشان کر رہا ہے کہ یہ خدشہ اتنا بے بنیاد بھی نہیں ہے کہ کل کلاں اگر یہ سوال اٹھا دیا گیا کہ صرف نفی یا اثبات میں جواب دیجیے کہ قرآن میں یکجا پانچ نمازوں، ان کی رکعات، فرائض اور واجبات کا ذکر ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ نصابِ زکوٰۃ اور مقدارِ زکوٰۃ کا کہیں ذکر آیا ہے؟ اگر جواب اثبات میں دیا گیا تو اس مضمون کی آیت پیش کرنا مشکل ہوگا اور اگر نفی میں دیا گیا تو سننے اور دیکھنے والے کو سطحیت پسند سمجھیں گے کہ جو چیز قرآن میں نہیں، وہ شریعت کا حصہ نہیں، یوں شریعت بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گی۔

اعتراض نمبر 4

قانون ناموس رسالت ﷺ کے معترضین کا کہنا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، آپ ﷺ سراپا رحمت و شفقت ہیں، آپ ﷺ نے اپنے دشمن کو ہمیشہ معاف کیا، لہٰذا گستاخ رسول کو بھی معاف کر دینا چاہیے۔

جواب: یاد رکھنا چاہیے! حضور نبی کریم ﷺ کی محبت تکمیلِ ایمان کی نشانی ہے۔ اگر اس میں ذرا سی بھی خامی ہوگی، تو ایمان نامکمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت، مومن کا گراں بہا سرمایہ ہے اور کسی مومن کا دل اس سے خالی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہی محبت مقصود حقیقی کے قرب اور اس کی ذات و صفات کے صحیح تصور کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضور نبی کریم ﷺ کا تعارف **وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** کی

سند جاری کرتے ہوئے کرواتے ہیں۔ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں، محسن انسانیت ہیں۔ جو شخص آپ ﷺ سے ذرا سا بھی بغض وعناد رکھتا ہے، آپ ﷺ کی شان میں معمولی سی بھی گستاخی کرتا ہے، وہ ازخود ''رحمت'' سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے۔ ایسا شخص کائنات کا بدترین اور بدقسمت ترین شخص ہے اور کسی رعایت اور ہمدردی کا مستحق نہیں۔ جو بدبخت شخص، حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین کا مرتکب ہوتا ہے، طعن و تشنیع کرتا ہے، تضحیک و استہزا کرتا ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا ہے، آپ ﷺ کے رتبہ کو گھٹاتا ہے...... اور پھر جب اسے اس جرم عظیم کی سزا ملتی ہے تو وہ اور اس کے حواری اس پر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں کہ حضور ﷺ تو رحمت للعالمین ہیں، آپ ﷺ نے تو کبھی دشمنوں سے بھی بدلہ نہیں لیا۔ طائف کے میدان میں آپ ﷺ پر بے حد ظلم و تشدد ہوا مگر آپ ﷺ نے ان کے لیے بددعا تک نہ کی۔ ایک عورت آپ ﷺ پر روزانہ کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی مگر آپ ﷺ نے کبھی اس کا برا نہیں مانا۔ (یہ واقعہ من گھڑت اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ شاید یہ واقعہ ہمارے کسی تعلیمی نصاب میں بھی شامل ہے۔ یہ واقعہ عوام الناس میں معروف اور زبان زد عام ہے۔ مگر احادیث یا سیرت النبی ﷺ یا تاریخ کی کسی مستند کتاب میں درج نہیں۔ نجانے یہ فرضی قصہ کس نے وضع کیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جس نے جھوٹی بات میری طرف منسوب کی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔) ان بدبختوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ عزیمت، ابتلا، برداشت، صبر اور آزمائشوں کا دور تھا جسے مکی دور کا نام دیا جاتا ہے...... مگر مدنی دور میں اسلامی سلطنت قائم ہوتے ہی نئے قوانین نافذ ہو گئے۔

بعض لوگ اسلامی تاریخ سے نابلد ہونے کی بنا پر رواداری کا غلط مفہوم بیان کرتے ہیں اور دانشوری کی آڑ میں ایسی بے بنیاد بات کرتے ہیں کہ ان کی لاعلمی یا بدنیتی پہ تعجب ہوتا ہے۔ ایسے کم فہم افراد کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے قبیح اور ظالمانہ فعل کو معاف کر دینا کوئی رواداری نہیں ہے جس سے معاشرتی امن و سکون برباد ہونے کا

اندیشہ ہو۔ انہیں حدیث میں مذکور حسب ذیل واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس عرینہ کی ایک جماعت وفد کی صورت میں آئی جس میں آٹھ آدمی تھے۔ یہ لوگ مسلمان کی حیثیت سے آئے اور انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ یہ لوگ بہت زیادہ لاغر اور کمزور تھے، ان کے رنگ زرد اور پیٹ بڑے بڑے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں ٹھکانہ دیجیے اور کچھ کھانے کا انتظام فرما دیجیے''۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کو اپنے پاس صفہ پر (یعنی مسجد سے ملحق اس چبوترے پر جہاں دوسرے بہت سے نادار صحابہؓ کا مسکن تھا) ٹھکانہ دیا، ایک روز انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: ''ہم لوگ دیہاتی یعنی کسان نہیں بلکہ مویشی پالنے اور ان کے دودھ پر گزر بسر کرنے کے عادی ہیں''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہتر ہو گا کہ تم لوگ (شہر سے باہر) ہماری دودھیاری اونٹنیوں کے ساتھ رہو''۔ غرض ان لوگوں نے مدینہ سے باہر جا کر رہائش اختیار کی اور اونٹوں کے پاس رہنا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت و شفا عطا فرمائی اور وہ تندرست ہو گئے۔ غرض جب یہ لوگ تندرست ہو گئے تو اسلام سے منحرف ہو کر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے اور اس چراگاہ میں (آپ ﷺ کا) جو چرواہا تھا، اس کو قتل کر دیا۔ یہ چرواہا نبی کریم ﷺ کا غلام یسار تھا، انہوں نے یسار کو قتل کر کے اس کے ناک، کان اور آنکھ کاٹ کر لاش کا مثلہ کر دیا۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ نبی رحمت ﷺ کی اونٹنیاں لے کر فرار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے بیس گھڑ سوار ان کے پیچھے روانہ فرمائے اور ان پر حضرت سعید ابن زیدؓ کو امیر مقرر فرمایا، ان سواروں کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے ایک ایسا شخص بھی بھیجا جو نشانِ قدم پر مجرموں کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر ان سواروں نے ان لوگوں کو جا لیا اور چاروں طرف سے گھیر کر ان سب کو گرفتار کر لیا۔ صحابہ کرامؓ ان کو لے کر مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ

کے حکم پر ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور آنکھوں میں گرم سلاخیں چبھائی گئیں، پھر ان لوگوں کو حرہ میں لے جا کر ڈال دیا گیا جو سیاہ پتھروں کا علاقہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے ان پتھروں کو آگ میں جلا دیا گیا ہے۔ یہاں یہ لوگ پیاس سے بے تاب مگر کہیں پانی نہیں تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیاس کی شدت سے زمین کو اپنے دانتوں سے کھود رہا تھا کہ مٹی کی نمی سے تسکین ہو مگر وہ نمی بھی نہ ملی، یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ (بخاری شریف)

ڈاکٹر اظہر وحید اپنے گرانقدر مضمون ''با خدا دیوانہ باش با محمد (ﷺ) ہوشیار'' میں لکھتے ہیں: ''بعض سادہ لوح لوگ سیرت پاک سے عفو و درگذر کی مثالیں دیتے ہیں اور امت مسلمہ کے اجتماعی ضمیر کو درگذر سے کام لینے کا ''حکیمانہ'' مشورہ دیتے ہیں۔ وہ سادہ دل ایک سادہ سا نکتہ بھول جاتے ہیں کہ علم جس مرکز سے ملتا ہے، اسی مرکز پر استعمال نہیں ہوتا۔ عفو و درگذر کا علم اس لیے دیا گیا ہے کہ اگر تم پر کوئی ظلم و زیادتی کرے تو اسے ذاتی سطح پر معاف کر دیا کرو۔ اس علم کا مدعا یہ ہرگز نہیں کہ اسے ہی علم دینے والے پر استعمال کرنا شروع کر دو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو معاف کرنے کی سند پوری اسلامی تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ جن اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر قلم کیے، کیا اُن پر کوئی حد جاری ہوئی؟ فتح مکہ کے موقع پر جب بدر اور اُحد کے قاتلوں کو بھی عام معافی دے دی گئی، دربار نبوی ﷺ سے گستاخانِ نبوتؐ کے بارے میں یہ حکم تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے بھی چھپے ہوں تو انہیں ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے۔ گویا اپنے دشمن کو معاف کرنے کی تعلیم ہے، دشمن خدا کو نہیں...... اور دشمن خدا کون ہے؟ جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دے...... رسول خدا ﷺ کو اذیت دینا اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ منجانب الٰہی تفویض شدہ منصبِ رسالت ﷺ کی توہین کی جائے۔ درحقیقت جب کوئی توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ براہ راست غیظ و غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ وہ خالق کائنات کی غایتِ تخلیق پر حملہ آور ہوتا ہے۔ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں، اس لیے یہاں توہین کا ارتکاب کرنے والا گویا مالکِ کائنات کے اس عظیم منصوبے کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس کے تحت اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ جو شہر علمؐ کے دو بدو ہو جائے، وہ ابوالحکم بھی ہو تو ابوجہل قرار پاتا ہے۔ یہ روزمرہ کی حقیقت ہے کہ اس شہر کے در کو پشت کرنے والے جہل اور گمان کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ شہر علم تو دور کی بات، شانِ رسالت ﷺ کی طرف بھی اگر کوئی اپنے گمان کی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے تو اس کی فہم میں ٹیڑھ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی عقل کو گرہن لگ جاتا ہے، اُس کے ادراک کو گرہ لگ جاتی ہے اور وہ دوست اور دشمن میں تمیز کرنے کی سادہ سی صلاحیت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ (روزنامہ نئی بات لاہور، 24 جنوری 2011ء)

معروف دانشور اور قانون دان جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ اپنی کتاب ''ناموس رسول ﷺ اور قانون ناموس رسالت'' میں لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات اور اپنے نفس کے لیے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا، جس کی شہادت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دی ہے اور خود تاریخ کا ایک ایک حرف اس پر گواہ ہے۔ شعب ابی طالب، بطحا کی وادیاں، طائف کی چٹانیں اور یثرب کے پہاڑ، سب آج بھی گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ طائف میں بے سرو سامانی کی حالت میں جب آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے اور آپ ﷺ سر سے پاؤں تک لہولہان ہو گئے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے لیے عذاب الٰہی اور قہر خداوندی کو دعوت نہیں دی بلکہ ان کے حق میں ان کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر اسی شہر میں جہاں اہل مکہ نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی، موت کی گھاٹی میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو محصور کر دیا تھا۔ تمام قبائل عرب نے ہم صلاح ہو کر آپ کو جان سے مار دینے کے لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا اور آپ کی ذات اقدس کو ایسی اذیتیں پہنچائی تھیں جو کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔ مگر جب آپ ﷺ ہزاروں جانثاران نبوت

کے لشکر جرار کو لیے ہوئے فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے خونخوار دشمن سرنگوں آپ کے سامنے منتظر مکافات کھڑے تھے، اس وقت آپ ﷺ نے ''**لا تثریب علیکم الیوم**'' (آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی) کہتے ہوئے معافی کا اعلان فرمایا اور اپنے بدترین دشمن ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا۔ آپ کے چہیتے اور محبوب چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ اور انہیں وحشیانہ طور پر قتل کرنے والے وحشی اور ان دشمنوں کو بھی جو آپ کے خون کے پیاسے تھے، اس وقت معاف فرمایا جبکہ آپ تمام اہل مکہ سے انتقام لینے کی پوری طاقت اور قدرت رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف فرمایا جس نے ایک بھنی ہوئی بکری سے آپ کی تواضع کی تھی لیکن پہلے لقمہ ہی نے آپ ﷺ کو بتلا دیا تھا کہ میں زہر آلود ہوں اور آپ ﷺ کے استفسار پر اس یہودی عورت نے اقرار جرم کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ میں نے یہ اہتمام اس لیے کیا تھا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو زہر آپ پر اثر انداز نہیں ہوگا اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہماری قوم کو آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی۔ ایسی دشمن جاں یہودیہ کو بھی آپ کے عفو کریمانہ کے دامن میں پناہ ملی۔

یہ ہے آپ ﷺ کی شان رحمتہ للعالمینی کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔ اسی وصف رحمتہ للعالمینی کی جھلک ان ہستیوں میں بھی صاف نظر آتی ہے جو آپ کے زیر تربیت رہی ہیں۔ آپ کے عم زاد حضرت علیؓ نے جب ایک شہ زور دشمن اسلام پہلوان کو زیر کر لیا اور ان کا خنجر آب دار اس کی رگ گردن پر تھا اور اس نے اس خیال سے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا کہ فوراً ہی اسے اس عالم جانکنی سے نجات مل جائے گی، مگر حضرت علیؓ نے مشتعل ہو کر اس کا سر کاٹنے کے بجائے اسی وقت اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور دریافت کرنے پر بتلایا کہ پہلے تو وہ رضائے الٰہی کی خاطر در پے قتل تھے مگر تھوکنے کے بعد جب خواہش نفس نے انہیں فوری آمادہ قتل کیا، تو انہوں نے اس کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔

حضور نبی کریم ﷺ تو اس دنیا میں انسان کو انسان کی اور ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر کے زمین پر آسمانی بادشاہت قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اس لیے جو شیاطین آپ کو ہدف طعن و تشنیع اور نشانہ تضحیک بنا کر آپ ﷺ کے عالمگیر انقلاب کی راہ میں سنگ گراں بنے ہوئے تھے، انہیں ہٹانا ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر انسانیت آپ ﷺ کے بے کراں فیوض و برکات سے محروم رہ جاتی۔ انسان، انسان کا غلام بن کر رہ جاتا بلکہ شجر، حجر کی پرستش کر کے ہمیشہ کے لیے شرف انسانیت کھو بیٹھتا اور تسخیر کائنات کی جانب اس کا قدم کبھی نہ اٹھتا۔ اس لیے آپ ﷺ کے بعد یہ ذمہ داری آپ کی امت کے سپرد ہوئی کہ وہ ایسے شیاطین سے براہ راست نمٹ لے۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ اس کائنات ارضی میں رب ذوالجلال کے جلیل القدر سفیر بھی ہیں۔ عام دنیوی پروٹوکول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس ملک کے شایان شان اس کے سفیر کا بھی احترام کیا جائے، تو پھر خالق کائنات کے اس جہان ہست و بود میں بھیجے ہوئے عالی مقام سفیر گرامی کی جتنی بھی عزت و توقیر کی جائے، کم ہے۔ سورہ المجادلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا''۔ (المجادلہ:8)

اس سے حضور ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں علو مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کی توہین و تنقیص دراصل شہنشاہ ارض و سماوات کی جناب میں گستاخی ہے اور اس قانون فطرت کے خلاف بغاوت ہے، جو اللہ کے فرستادہ آخری پیغمبر ﷺ اس دنیا میں برپا کرنے آئے تھے۔ اس لیے ان گستاخان رسالت کو جو سزا دی گئی، وہ عین شریعت الٰہی کے مطابق ہے، جس کو یہ امت قائم کیے ہوئے ہے اور تا قیامت یہ قائم رہے گی......

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف حضور خاتم النبیین علیہ التحیۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی حد تک محدود نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں وہ تمام پیغمبر اور رسول، جن میں سارے انبیائے بنی اسرائیل اور جناب یسوع

مسیح بھی شامل ہیں، کی توہین اور تنقیص کی بھی وہی سزا مقرر ہے جو شاتم رسول کریم ﷺ کی ہے۔ اہل کتاب کو یقیناً اس بات کا علم ہوگا کہ بائبل میں نہ صرف رسولوں کی شان میں گستاخی کی سزا، سزائے موت ہے بلکہ نائبین رسول ﷺ کے گستاخوں کو بھی موت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ پیروان مسیح اس صریح حکم کا کس طرح انکار کر سکتے ہیں، اگر اپنی کتاب مقدس پر ان کا اعتقاد ہے!

(تفصیل کے لیے دیکھیے: بائبل کتاب استثناء، باب 12:17)

مسیحی برادری کو تو قانون ناموس رسالت کا خوش دلی سے خیر مقدم کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس قانون کی رو سے جناب مسیح اور دیگر انبیائے کرام جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر برحق مانتے ہیں، کی شان میں گستاخی اور اہانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان ان تمام پیغمبران کرام کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسا کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ ان کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان پیغمبروں کے علاوہ اسلام کے احکام کے مطابق مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے خلاف بھی اہانت کی اجازت نہیں اور نہ ہی انہوں نے آج تک ایسی شرارت کی ہے۔

ایک اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اگر عدالت کے کسی جج کی توہین کا ارتکاب کسی فرد کی جانب سے ہو تو توہین عدالت کے اس مقدمے کی سماعت صرف اور صرف وہی جج کرتا ہے، دوسرا کوئی جج توہین کے مقدمے کی سماعت نہیں کرتا۔ جس عدالت کے جج کی توہین ہوئی ہو، صرف اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ توہین کے مرتکب فرد کو معاف کر دے۔ ایک عام دنیاوی عدالت کی یہ شان ہے تو تاجدار کائنات ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرنے والوں کو معاف کرنے کا اختیار عدالت یا حکمرانوں کے پاس کیوں ہو؟ توہین کے مجرم کی معافی پر مشتمل ایسا ہر قانون اسلامی عدل کے اصولوں کے منافی ہے۔ ویسے بھی رسالت مآب ﷺ امتناع نظیر ہیں، لہٰذا توہین کے مرتکب کو اس

مقدمے میں سزا دینا اس لیے ضروری ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے اپنی زندگی میں کئی مواقع پر توہین کے مرتکب کے لیے اس سزا کا اطلاق کیا اور اگر کسی صحابیؓ نے از خود توہین رسالت ﷺ پر کسی کو قتل کر دیا تو رسالت مآب ﷺ نے اس واقعے کی تحقیق کرنے کے بعد اس عمل کی تصدیق، تائید اور تصویب فرمادی۔

مسیحی برادری اور اقلیتی فرقوں کے راہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے۔ کیا قانون بلاوجہ ان کے خلاف حرکت میں آجائے گا یا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو، جو توہین رسالت کے مجرم نہیں، پھانسی کی سزا سنائے گی یا کیا وہ پاکستان میں حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف گستاخی اور توہین کے لیے کھلا لائسنس طلب کر رہے ہیں۔ ان میں جب کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس کی منسوخی کے مطالبہ کا آخر کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟''

(ناموس رسول ﷺ اور قانون ناموس رسالت ﷺ، از محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ صفحہ 49 تا 54)

اعتراض نمبر 5

قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر اعتراض کرنے والوں کا کہنا ہے کہ سہل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی سلول نے بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی تھی لیکن ان کو کچھ نہیں کہا گیا بلکہ عبداللہ ابن ابی سلول کا جنازہ بھی حضور نبی کریم ﷺ نے بذات خود پڑھایا، تو ان سب کو کیوں قتل نہیں کیا گیا؟

جواب: اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے ایک مشہور قاعدہ بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی کو بے گناہ قتل کر دیا۔ اب قاتل کے لیے

سزائے موت ہے اور اس کا خون مباح ہے۔قتل ثابت ہونے پر اس کو ضرور قتل کیا جائے گا۔لیکن مقتول کے وارث کے پاس یہ حق ہے کہ وہ اس قاتل کو معاف کر دے اور مقتول کے وارث کے معاف کرنے کے بعد اس قاتل کو سزائے موت دینا جائز نہیں ہے۔لیکن یہ حق صرف مقتول کے وارث کے پاس ہے، کسی اور کے پاس نہیں۔ لہٰذا اگر مقتول کے وارث موجود نہ ہوں تو کوئی دوسرا آدمی اس قاتل کی سزائے موت کو نہیں بدل سکتا۔ بالکل ایسے ہی چونکہ شاتم رسول نے حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کی ہوتی ہے تو یہ گستاخ، سزائے موت کا حقدار بن گیا ہے۔لیکن اگر نبی کسی حکمت کے سبب اس گستاخ کو معاف کر دیں تو ظاہر ہے کہ اس شاتم رسول کو سزائے موت نہیں ہوگی اور جس طرح صرف مقتول کے وارث کے پاس قاتل کو معاف کرنے کا حق ہوتا ہے، بالکل ایسے ہی گستاخ رسول کو معافی کا حق صرف رسول کو ہی ہوتا ہے۔ نبی کے علاوہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اہانت رسول کے مرتکب شخص کو معاف کر دے۔ظاہر ہے نبی کی عزت کو اس نے مجروح کیا ہوتا ہے تو معافی کا اختیار بھی صرف نبی کو حاصل ہوگا اور یہی امت مسلمہ کا معمول ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر آج کے دور تک، امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے کہ گستاخ رسول کو سزائے موت دی جائے گی اور اسی قاعدے کی بنیاد پر علمائے کرام متفقہ طور پر گستاخ رسول کی سزائے موت کو توبہ کے بعد بھی بحال رکھتے ہیں۔ نیز نبی پاک ﷺ صاحب شریعت تھے اور صاحب حکمت و دانائی تھے۔آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ کس کے قتل کرنے میں حکمت ہے اور کس کے قتل نہ کرنے میں۔ لہٰذا ابن خطل اور حویرث کی سزائے موت کو نبی ﷺ نے بحال رکھا اور سہل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کیا اور بعد میں یہ دونوں سچے دل سے اسلام لائے تھے۔رہا یہ سوال کہ عبداللہ ابن ابی سلول کا جنازہ نبی ﷺ نے خود پڑھایا تھا، تو یہ بات درست ہے اور عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی منافقت کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی بخوبی تھا۔ چونکہ عبداللہ ابن ابی سلول مدینہ میں ایک قبیلہ کا سردار تھا اور مدینہ میں اگر نبی کریم ﷺ تشریف نہ لاتے تو اس کی سرداری یقینی تھی۔لیکن نبی پاک ﷺ کی تشریف آوری سے اس کو سرداری نہ مل سکی اور

حضور ﷺ اس کوشش میں ہوتے تھے کہ کسی طرح عبداللہ ابن ابی ابن سلول سچے دل سے مسلمان ہو جائے اور منافقت کی چادر اتار پھینکے۔ اس کی گستاخیوں کو بھی محض اس لیے معاف کیا کہ معافی کا اختیار نبی ﷺ کو حاصل تھا۔ نیز حضور نبی کریم ﷺ امت پر مہربان تھے اور چاہتے تھے کہ یہ لوگ جہنم کی آگ سے بچ جائیں، لہٰذا اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی سلول کا جنازہ پڑھا۔ لیکن اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین کے جنازے پڑھنے سے منع کر دیا اور یہ حکم نازل ہوا کہ نہ تو ان منافقین کے لیے مغفرت کی دعا کی جائے اور نہ ہی ان کا جنازہ پڑھا جائے۔ (توبہ:80،84) اور یہ حکم آج تک قائم و دائم ہے۔

علامہ محمد بن شہاب الدین بزازیؒ لکھتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حق العبد توبہ سے یا کسی دوسرے کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوتا۔“ (فتاویٰ بزازیہ)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

- ”آپ ﷺ کو حق حاصل تھا کہ اپنے گستاخ کو معاف کر سکتے تھے لیکن امت کو یہ حق حاصل نہیں کہ گستاخ رسول کو معاف کرے۔“

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص180)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

- ”گستاخان و شاتمین کو سزا دینا آپ ﷺ کا حق تھا تو آپ ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اگر چاہتے تو اپنا حق وصول کر کے انہیں سزا دے دیتے اور اگر چاہتے تو انہیں چھوڑ دیتے لیکن امت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آپ ﷺ کے حق کو لینا چھوڑ دے (یعنی گستاخ کو معاف کر دیں)۔ ان شاتمین کو معاف کرنا شروع اور ابتدائی دور کی بات ہے جس وقت آپ ﷺ کو حکم تھا کہ ابھی معاف کیا کریں اور درگزر فرمایا کریں“۔

(زادالمعاد: جلد5، صفحہ 54)

یہ جتنے بھی واقعات پیش کیے جاتے ہیں ان سب کا تعلق مکی دور سے ہے اور مکی دور اسلام کا ابتدائی دور تھا جب **کفوا ایدیکم، اصبر، فاصبروا** کا حکم زبانی تھا، عقیدے کی پختگی اور بے مثل استقامت کا دور تھا، ابھی حدود و قصاص کے احکامات (جرائم پر سزاؤں کے احکامات) نازل نہیں ہوئے تھے۔

……۞……

اعتراض نمبر 6

بعض سیکولر حضرات کا کہنا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے گمنام لوگ ہوتے ہیں جنہیں بعض جاہل اور جذباتی لوگ مقبول بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ جو گستاخ رسولؐ بھی ایسی حرکت کرے، اس سے منہ پھیر لینا چاہیے تا کہ وہ شہرت حاصل نہ کر پائے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ جناب اوریا مقبول جان کہتے ہیں: ''سیکولر حضرات کی اس ''خوبصورت'' دلیل پر اس دنیا میں ایک مذہب یعنی عیسائیت کے پیروکاروں نے ایک سو سال عمل کیا اور آج بھی عمل پیرا ہیں۔ جس زمانے میں عیسائیت کا پورے یورپ پر غلبہ تھا، عیسائی مذہب کی معمولی سی توہین کرنے والے کو جلتی ہوئی آگ کے الاؤ میں پھینک دیا جاتا اور ہجوم یہ تماشا دیکھتا۔ آخری آدمی جسے عیسائیت کا تمسخر اُڑانے پر زندہ جلایا گیا، وہ ''ایڈورڈ وائٹ مین'' (Edward Wightman) تھا۔ اس پر الزام تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے سے انکار کرتا ہے۔ مقدمہ سننے کے لیے ایک ہجوم اکٹھا ہوا۔ اسے زندہ جلانے کی سزا سنائی گئی اور 11 اپریل 1612ء کو اسے آگ کے سپرد کر دیا گیا۔

اس کے بعد توہین مذہب کی سزا میں کسی کو زندہ نہیں جلایا گیا، لیکن پھانسی کی سزا عام طور پر نافذ العمل رہی۔ توہین عیسائیت کے حوالے سے آخری شخص جسے پھانسی پر

لٹکایا گیا، وہ ''ٹامس ریکن ہیڈ'' تھا۔ یہ ایڈنبرا کا ایک طالب علم تھا جسے 8 جنوری 1697ء کوایک ہجوم کے سامنے پھانسی دے دی گئی۔اس نے آسمانی کتابوں کو پاگل پن کہا تھا اور کہتا پھرتا تھا کہ وہ اسلام کوعیسائیت سے بہتر مذہب تصور کرتا ہے۔اس آخری پھانسی کے بعد مقدمات تو چلتے رہے،مگر توہین عیسائیت کی سزا کم ہوتی گئی۔ جان ولیم گوٹ آخری آدمی تھا جسے توہین عیسائیت کے جرم میں 1911ء میں جیل بھیجا گیا۔ اسے چار ماہ قید کی سزا ہوئی۔ اس کی قید کے ساتھ ہی توہین مذہب کے قانون کے خلاف لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور پارلیمنٹ میں بحثیں شروع ہوگئیں۔اس زمانے میں ''ہربرٹ السیکوتھ'' وزیر اعظم تھا۔ اس نے توہین عیسائیت کا قانون بدلنے نہ دیا اور ''جان ولیم گوٹ'' کو 1921ء میں دوبارہ 9 ماہ کی سزا ہوگئی۔ یہ یورپ میں توہین رسالت پر آخری سزا تھی۔ پھراس کے بعد انہوں نے وہی رویہ اختیار کرلیا جس کی سیکولر حضرات مسلمانوں سے توقع رکھتے ہیں۔ یورپ کے سیکولروں نے بھی لوگوں اورحکومت کو یہی کہا کہ اس طرح یہ چھوٹے چھوٹے توہین کرنے والے لوگ مقبول ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ بھی کوئی کہے، بولے،کسی کو پروانہیں کرنی چاہیے۔

اس کے بعد کے 90 سال عیسائیت کی مقدس ترین ہستیوں حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت جبرئیلؑ اورسینٹ پیٹر کی توہین اور تمسخر کے سال ہیں۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں ایسی ویب سائٹس ہیں جن پر حضرت مریمؑ اورحضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلیظ ترین لطیفے ملتے ہیں۔ ان لطیفوں کی کتابوں کی سیل لاکھوں میں ہے۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں گندے سے گندا کارٹون آپ کو رسالوں میں مل جائے گا۔ مزاحیہ فلمیں ہوں یا تھیٹر...... سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کردار کشی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ ہے اس خاموشی کا نتیجہ، جسے اختیار کرنے کا درس سیکولر حضرات مسلمانوں کو دے رہے ہیں۔''

یہ بھی یاد رہے کہ بدنام زمانہ گستاخ رسول ملعون سلمان رشدی ایک گمنام آدمی تھا جس نے محض دولت اورشہرت کے لیے انتہائی متنازع اور دل آزار کتاب

The Satanic Verses لکھی جس میں مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں بدترین توہین کی گئی۔ یہ کتاب کسی صورت اس قابل نہ تھی کہ اس کی پذیرائی کی جاتی مگر مغربی میڈیا نے اس کتاب کو ہر گھر کی ضرورت بنا کر پیش کیا۔ عدالتوں نے مسلمانوں کی طرف سے کتاب پر پابندی کے خلاف دائر کردہ تمام درخواستوں کو آزادی اظہار کے نام پر مسترد کیا۔ امریکی صدر بل کلنٹن، برطانوی وزیراعظم جان میجر سمیت تمام یورپی ممالک کے صدور نے اس ملعون سے خصوصی ملاقاتیں کیں اور اسے ہر ممکن حمایت و مدد کا یقین دلایا۔ برطانوی ملکہ نے اسے خصوصی طور پر عشائیہ پر مدعو کیا اور سر کا خطاب دیا۔ امریکہ کی کئی یونیورسٹیوں نے اسے اعزازی پروفیسر کا اعزاز دیا۔ پوچھنا چاہیے کہ یہ سارے انعام و اکرام کس خدمت کے صلہ میں عطا کیے گئے، صرف یہ کہ اس نے دنیا کی عظیم ترین مقدس شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس میں توہین کی اور یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اس گمنام اور غیر معروف مصنف کو شہرت کی بلندیوں پر کس نے پہنچایا۔ مسلمانوں نے یا اسلام دشمن سیکولر ممالک نے۔

اعتراض نمبر 7

ناقدین کا کہنا ہے کہ جب اقلیتیں دائرہ اسلام سے باہر ہیں تو پھر ان پر اسلامی شرعی قوانین کا نفاذ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ لہٰذا غیر مسلموں کو قانون ناموس رسالت ﷺ (تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C) سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ پاکستان میں جس طرح غیر مسلم اقلیتوں کو زکوٰۃ اور شراب نوشی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح انہیں توہین رسالت ﷺ کے قانون سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ جس ملک کی 97 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو، وہاں ناموس رسالت ﷺ کے

قانون کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

جواب: ناقدین کو معلوم ہونا چاہیے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ سب پر لاگو ہے۔ اقلیتوں کو قانون ناموس رسالت ﷺ سے مستثنیٰ قرار دینے کا مطالبہ جہاں اسلامی تاریخ، اسلام کے فلسفہ جرم وسزا اور قانون ناموس رسالت ﷺ کے وجوب اور دلائل شرعیہ کے متعلق مطلق لاعلمی پر مبنی ہے، وہاں یہ بے جا مطالبہ بعض شکوک وشبہات کو بھی جنم دیتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کو غیر مشروط لائسنس دے دیا جائے کہ وہ حضور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے خلاف سب وشتم اور زبان درازیاں کرتے پھریں، ناموس رسالت ﷺ کی دھجیاں بکھیرتے رہیں، لیکن ان سے جواب طلبی محض اس بنا پر نہ کی جا سکے کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب محض وہ شخص کرتا ہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ ایک شخص اگر مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا، لیکن بعد میں رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا تو اس گستاخانہ حرکت کے ارتکاب سے وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے۔ ایک شخص مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ گستاخ رسول بھی ہو تو اس کے جرم کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

مخالفین اگر اپنے خود ساختہ مزعومہ حقائق اور مذہبی تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو ان کے لیے بھی یہ جاننا مشکل نہیں ہوگا کہ قانون ناموس رسالت ﷺ محض اقلیتوں کے لیے ''ہی'' نہیں بلکہ ان نام نہاد مسلمانوں کے لیے ''بھی'' ہے جو گستاخان رسول کی فہرست میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مخالفین نے اقلیتوں کو قانون ناموس رسالت ﷺ سے مستثنیٰ قرار دینے کے لیے زکوٰۃ اور شراب کے قوانین کا حوالہ دیا ہے۔ اگر اسلامی تاریخ کے اولین روشن باب پر وہ نگاہ ڈالتے تو اس طرح کا غیر منطقی استنباط ہرگز نہ کرتے۔ یہ درست ہے کہ غیر مسلموں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا لیکن اسلامی ریاست میں انہیں ذمی کا درجہ

حاصل تھا اور ذمیوں سے خاص نوعیت کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ پاکستان آئینی اعتبار سے ایک اسلامی ریاست ہے لیکن یہاں کوئی بھی اقلیتی رکن ذمی کی حیثیت قبول نہیں کرے گا بلکہ اسے توہین آمیز اور امتیازی سلوک کا نام دیا جائے گا۔ اس ضمن میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے قرونِ اولیٰ اور ازمنہ وسطیٰ میں جب اقلیتوں کو زکوٰۃ اور شراب کی پابندی کے اسلامی قوانین سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا، اس زمانے میں بھی عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں پر خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ، بنو اُمیہ، بنو عباس اور اسپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے زمانے میں توہین رسالت ﷺ کا قانون نافذ رہا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف، ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں قرآن وسنت، آثارِ صحابہ کرامؓ اور مسلمانوں کے مذاہب اربعہ کے اقوال جمع کرنے کے بعد یہ رائے دی ہے کہ ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت اور اکرام و احترام واجب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشنام طراز کو قتل کرنا واجب ہے۔'' ابوالفضل قاضی عیاضؒ اندلس میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے اپنی معروف تصنیف ''کتاب الشفاء'' میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر کئی ابواب قلم بند کیے ہیں۔ اس کتاب میں ایک مقام پر وہ فرماتے ہیں ''تمام علمائے اُمت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نقص نکالے، کافر اور مستوجب وعید و عذاب ہے اور پوری امت کے نزدیک سزائے موت کا مستحق ہے۔'' امام مالکؒ نے فرمایا کہ ''جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی اور نبی کو گالی دے، اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر''۔

مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں پاکستان کے مسیحی راہنماؤں کا مندرجہ بالا مطالبہ منظور کرنا شریعت اسلامیہ کی سنگین خلاف ورزی میں شمار ہوگا جس کی مسلم اکثریت کبھی بھی اجازت نہیں دے گی۔

اعتراض نمبر 8

مخالفین قانون ناموس رسالت ﷺ کا کہنا ہے کہ یہ قانون بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہے۔لہٰذا اس قانون کو ختم ہونا چاہیے۔

جواب: اسلام میں انسانی حقوق کا تصور مغرب سے بہت پہلے تقریباً ساڑھے **14** سو سال سے موجود ہے اور اس کا خلاصہ حضور نبی کریم ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع ہے۔ اسلام بلا امتیاز مذہب و ملت تمام انسانوں کے حقوق کی نہ صرف ضمانت دیتا ہے، بلکہ قوتِ نافذہ رکھتا ہے اور قانونی چارہ جوئی کا حق بھی دیتا ہے۔ اسلام نے جہاں رنگ و نسل کے فرق کی بنیاد پر انسانی تفاوت کو مٹایا ہے، وہاں تمام انسانوں کو اولادِ آدم ہونے پر برابر قرار دیا اور نیکی اور تقویٰ کو وجہ امتیاز ٹھہرایا ہے۔

دراصل انسانی حقوق کی آڑ میں امت مسلمہ کے خلاف مذموم سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ قانون ناموس رسالت ﷺ کسی بھی اعتبار سے انسانی حقوق کے منافی نہیں۔ یہ انسانی حقوق کی روح اور فلسفے کے عین مطابق ہے۔ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر جو **30** صفحات پر مشتمل ہے، اس کا آغاز ہی ان تمہیدی الفاظ سے ہوتا ہے:

- ''ہر گاہ کہ نوع انسانی کے جملہ افراد کی فطری تکریم اور ان کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق، دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہیں۔''

اس چارٹر کی پہلی شق کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

- ''تمام انسان آزاد اور تکریم و حقوق کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ انہیں پیدائشی طور پر عقل اور ضمیر عطا کیا جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے برادرانہ سلوک کرنا چاہیے۔''

اگر مندرجہ بالا جملوں کے پس پشت کارفرما مقصد کی روح کو سامنے رکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ ''نوع انسانی کے جملہ افراد کی تکریم'' میں محسن انسانیت ﷺ کی تکریم کو اولین درجہ عطا کیا جانا چاہیے۔ انسانی تاریخ میں کوئی انسان شرف تخلیق،

فضیلت، بزرگی، رتبہ اور عزت و منزلت میں حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر نہ گزرا ہے نہ قیامت تک آئے گا۔ مسلمانوں کے علاوہ انصاف پسند اور غیر متعصب غیر مسلم مورخین نے بھی حضور رسالت مآب ﷺ کو افضل ترین انسان قرار دیا ہے۔ ماضی قریب میں برطانوی مصنف مائیکل ہارٹ نے اپنی عالمی شہرت یافتہ تالیف (The Hundred) میں انسانی تاریخ کی سو اہم ترین ہستیوں کے احوال جمع کیے ہیں جس میں اس نے ان سو شخصیات کو انسانیت پر ان کے احسانات کے حوالے سے ترتیب دے کر جگہ دی ہے۔ اس نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ ایک ہندو مسٹر آر سی داس نوع انسانی پر بانی اسلام کے احسانات کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

- ''شری رام چندر جی مہاراج، بھگوان کرشن، گورونانک جی، حضرت موسیٰ علیہ السلام، یہ سب روحانی بادشاہ ہیں، لیکن میں کہتا ہوں ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی ہے جس کا مقدس نام حضرت محمد (ﷺ) ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ریفارمر نے آ کر دنیا میں بہت کچھ کیا ہے، مگر حضرت محمد (ﷺ) نے دنیا پر اس قدر احسان کیے ہیں، جن کی مثال نہیں ملتی۔''

(رسول اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، از مولانا عبدالرحمٰن کیانی، صفحہ نمبر 325)

جس طرح حضور اکرم ﷺ کی تکریم بنی نوع انسان کی تکریم ہے، اسی طرح ان کی توہین (معاذ اللہ) انسانیت کی توہین ہے۔ انسانیت کے عظیم ترین محسن کے حقوق کی ضمانت کے بغیر انسانی حقوق کا کوئی بھی چارٹر ایک مہمل دستاویز سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے ''آزادیٔ ضمیر''، ''آزادیٔ عقیدہ'' اور ''آزادیٔ اظہار رائے'' جیسی اصطلاحات کا بہت کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان خوش کن تراکیب کے ذریعے اسلام اور شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ناروا تنقید کے جواز مہیا کیے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کے مذکورہ چارٹر کی دفعہ 18 اور 19 میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

- ''ہر شخص کو آزادیٔ خیال، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا حق حاصل ہے۔

اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی واجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے، اپنا مذہب یا عقیدے کی تعلیم، اس پر عمل کرنے اور اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے۔'' (شق نمبر 18)

❑ ''ہر شخص کو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔ (شق نمبر 19)

مندرجہ بالا شقات بہت واضح ہیں۔ ان کا کوئی بھی جملہ قانون ناموس رسالت ﷺ سے متصادم یا متعارض نہیں ہے۔ پاکستان میں تمام اقلیتوں کو اپنے ضمیر اور مذاہب کے اظہار کی مکمل آزادی ہے۔ آزادیٔ رائے میں جہاں معقول اور سائب طریقے سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی مکمل آزادی ہے، وہاں اس اصطلاح کے دائرہ کار میں کسی دوسرے انسان کی کردار کشی، گالی گلوچ، توہین، دل آزاری یا سب وشتم ہرگز شامل نہیں ہے۔ جب ''آزادیٔ رائے'' کے حق کو کسی دوسرے انسان کی تذلیل تک توسیع نہیں دی جاسکتی، تو پھر اس کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ''توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم'' کے استحقاق کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ انسانی حقوق کے انتھک منادوں کے لیے یہ ایک کھلا چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ قانون ناموس رسالت ﷺ انسانی حقوق کے منافی آخر کس طرح ہے؟

انسانی حقوق کا چارٹر 1948ء میں پیش کیا گیا۔ بعد میں جنیوا کنونشن وغیرہ بھی سامنے آئے۔ کسی بھی دستاویز میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سزا کو انسانی حقوق کے منافی قرار نہیں دیا گیا۔ درحقیقت **Blasphemy** (توہین رسالت ﷺ) اور انسانی حقوق کا ربط اس وقت جوڑا گیا، جب شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سلمان رشدی ملعون کی ''شیطانی آیات'' پر دنیا بھر کے علما کرام نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلمان رشدی نے اس سے پہلے بھی دو ناول تحریر کیے تھے، لیکن اس کو وہ

پذیرائی نہ ملی تھی، لیکن اس کے شیطانی ناول میں ملعون رشدی کی ناپاک تھوتھنی سے خیرالبشر کے منزہ و پاکیزہ گھرانے پر زہر افشانی کرائی گئی تھی۔ مغرب کی ایک مخصوص صیہونی اور عیسائی لابی آج بھی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقدس گھرانے کے خلاف گستاخانہ جسارتوں پر مریضانہ حظ اٹھاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اپنی تمام تر روشن خیالی اور سیکولرازم سے وابستگی کے باوجود مسلمان کے خلاف صلیبی دور کا بغض اور کینہ اب تک پال رہا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف توہین آمیز سازشوں کی نئی تحریک ننگ اسلام بے دین ''مسلمانوں'' کے ذریعے سے برپا کی جارہی ہے، جس کے مہرے سلمان رشدی اور بنگلہ دیشی تسلیمہ نسرین جیسے لوگ ہیں۔

امریکہ اور اس کی اکثر ریاستوں میں قانون توہین مسیح کو امریکی آئین کے بنیادی حقوق کے منافی قرار نہیں دیا گیا۔ امریکی سپریم کورٹ نے ایک معروف مقدمے اسٹیٹ بنام موکس (State Vs. Mokas) میں آزادی مذہب اور آزادی پریس کے بنیادی حقوق سے بحث کرتے ہوئے متفقہ فیصلہ دیا، جس میں عدالت کے الفاظ ہیں:

❑ ''اگرچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں چرچ اور اسٹیٹ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان میں باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں، لیکن اسلام، بدھ مت اور دیگر مذاہب کے مقابلے میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ حکومت کی زمام کار بھی ان ہی کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ان کا اثر ورسوخ ہے اور عیسائیت ریاست اور ملک کی اکثریت کا مذہب ہے۔...... یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں تہذیب وتمدن کے آغاز ہی سے کسی ملک کے طرزِ حکومت کی تشکیل میں دین و مذہب کا نہایت اہم رول رہا ہے اور اس ملک کے استحکام اور بقا کا انحصار بڑی حد تک اس مذہب کے احترام اور تکریم سے وابستہ ہے، جو وہاں کی غالب اکثریت کے دینی شعائر سے علیحدہ نہ ہونے والا لازمی حصہ ہے۔ ......لہٰذا آزادی مذہب اور آزادی پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی حقوق توہین مسیح کے قانون اور اس کے بابت قانون سازی کی راہ میں مزاحم نہیں ہیں۔''

(ناموس رسول ﷺ اور قانون ناموس رسالت ﷺ، از محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ صفحہ 241)

یہ سب آزادیٔ اظہار رائے پر وہ قدغنیں ہیں جو مغرب کے نام نہاد مہذب ممالک میں نہ صرف کتابِ قانون کی زینت ہیں بلکہ ان کی خلاف ورزی کی صورت میں متعدد محققین، اہل علم، صحافیوں اور سیاسی شخصیات کو سزائیں ہو چکی ہیں اور ان کی اعلیٰ عدلیہ نے ان سزاؤں کے نفاذ کے وقت بھی یہ جواز پیش کیا ہے کہ یہاں اکثریت عیسائیوں کی ہے اور آزادی کا حق غیر مشروط نہیں ہے۔ لیکن وہاں حقوق انسانی کے کسی علمبردار ادارے یا ملک نے توہین مسیحؑ کے مرتکب ملزم کی رہائی کے لیے نہ احتجاج کیا اور نہ انہیں سیاسی پناہ دی۔ نہ کسی نے اسے کالا قانون یا غیر مہذب قانون قرار دے کر ملزم کو عدالتی عمل سے نکالنے کی کوشش کی، کیونکہ مہذب معاشروں میں حق شہرت یا حق عزت پامال کرنے کو انسانی حقوق کے منافی تصور نہیں کیا جاتا، اس کے برعکس یہاں انسانی حقوق کے نام پر ایک طوفان برپا ہے اور یورپی یونین بھی اس کے ہم آواز ہے۔

امریکی سپریم کورٹ نے امریکہ کی مسیحی اکثریت کے دینی شعائر کے احترام اور حقوق توہین مسیح کے قانون کو آزادیٔ اظہار اور آزادیٔ صحافت جیسے جدید جمہوری ریاستوں میں تسلیم شدہ حقوق کے منافی قرار نہیں دیا۔ بے حد افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان میں جہاں مسلم آبادی 97 فیصد ہے، وہاں انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار قانون ناموس رسالت ﷺ کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانی حقوق کی آڑ میں مسلمانوں کے محبوب پیغمبر کی شان میں گستاخی (نعوذ باللہ) کے فریب انگیز جواز پیدا کرتے ہیں۔ ان کی اس ساری مہم سازی کا مقصد مسلمانوں کے دلوں سے محبت و عقیدت رسول ﷺ ختم کر کے انہیں الحاد اور سیکولرازم کی طرف راغب کرنا ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں میں سارے انبیا کی توہین کو توہین قرار دیا جاتا ہے اور مسیحی ملکوں میں صرف مسیحیت کی توہین جرم ہے۔ پاکستان میں اس قانون کے تحت آج تک کسی کو سزا نہیں ہوئی اور عیسائی دنیا میں ان سزاؤں کا تناسب کیا ہے؟ اس کو صرف ایک چھوٹے سے ملک مالٹا سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں

2008ء میں صرف ایک برس میں 621 افراد کو مسیحیت کی توہین پر سزا سنائی گئی۔

گمراہ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان واحد ملک ہے جہاں توہین رسالت پر سزا دی جاتی ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں بلکہ دنیا کے 56 مما لک میں توہین رسالت پر سزا دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ پاکستان اور دیگر اسلامی مما لک میں تمام انبیا کی توہین پر سزا ہے کہ اسلام تو سب کو ماننے کا نام ہے۔ مگر مسیحی مما لک میں صرف مسیحیت کی توہین پر سزا دی جاتی ہے۔ پوچھنا چاہیے کہ اگر مسلمانوں کے نبی کی توہین پر سزا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے تو پھر مسیحی عقائد کی توہین پر سزا انسانی حقوق کی خلاف ورزی کیوں نہیں؟

بلاشبہ ریاست کا بنیادی فریضہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ہے۔ لیکن ملکی قوانین کا احترام اور ان کی پابندی سب کے لیے ہے۔ مذکورہ اعتراض کی حقیقت مختلف عدالتوں میں درج مقدمات سے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ 1988ء کے بعد قائم کیے گئے مقدمات میں سے 480 کا تعلق مسلمانوں سے، 340 کا قادیانیوں سے، صرف 119 کا تعلق عیسائیوں سے اور 14 کا ہندوؤں سے۔ ان مقدمات میں کسی کو بھی سزائے موت نہیں ہوئی۔ نام نہاد سیکولر لابی اور اقلیتوں کے چیمپئن ہر ملزم کو مظلوم بنا کر ایک طوفان کھڑا کر دیتے ہیں۔ حیرانی ہے کہ اگر کوئی بدبخت حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ کرتا ہے تو یہ بات ان کے نزدیک ''حقوق انسانی'' کی خلاف ورزی نہیں، لیکن اگر ایسے گستاخ رسول پر قانون گرفت کرتا ہے تو یہ حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یورپ میں توہین رسالت (Blasphemy) کی کوئی سزا نہیں ہے، حقائق سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ جناب محمد اسماعیل قریشی اپنی کتاب میں ''یورپ اور قانون توہین انبیا علیہم السلام'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''پاپائے روم یا چرچ کے اقتدار میں آنے سے قبل یورپ میں رومن لا (Roman Law) کی عمل داری تھی۔ چونکہ انجیل میں کوئی قانونی احکام موجود نہ تھے لیکن جب کلیسا نے اسٹیٹ (State) پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا تو پوپ کے منہ سے

نکلے ہوئے ہر حکم کو قانون کی بالادستی حاصل ہو گئی۔ تورات کے برعکس انجیل صرف پندونصائح کا مجموعہ تھا، اس لیے یورپ اور ایشیا میں جہاں جہاں عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں، وہاں کاروبار حکومت چلانے کے لیے اہل کلیسا کو رومی قانون اور یہودیوں کے تالمودی قانون ہی پر انحصار کرنا پڑا۔

موسوی قانون کے تحت قبل مسیحؑ کے انبیاءؑ کی اہانت اور تورات کی بے حرمتی کی سزا سنگسار مقرر تھی۔ رومن امپائر کے شہنشاہ جسٹینین (Justinian) کا دور حکومت طلوع اسلام سے چند سال قبل 528 تا 565 صدی عیسوی پر محیط ہے۔ رومن لا کی تدوین کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل و انصاف (Justice) کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جب دین مسیحی قبول کر لیا تو قانون موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کے بجائے صرف یسوع مسیحؑ کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا، سزائے موت مقرر کی گئی۔ اس کے دور سے قانون توہین مسیحؑ سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور سکاٹ لینڈ میں اٹھارویں صدی تک اس جرم کی سزا، سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کمیونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نے دین و مذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتاً خارج کر دیا۔ اس کے بعد یہاں سزائے موت برقرار رہی لیکن اہانت مسیحؑ کے جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ مسیحؑ کی جگہ اشتراکی امپیریلزم کے سربراہ نے لے لی۔ اسٹالن جو رشین امپائر کا سربراہ بن بیٹھا تھا، اس کی اہانت تو بڑی بات تھی، اس سے اختلاف رائے رکھنا بھی سنگین جرم بن گیا تھا۔ ایسے سر پھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھی ٹراٹسکی کی جان کاہ موت کی صورت میں موجود ہے، جو اپنی جان بچانے کی خاطر روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبیریا کے بیگار کیمپوں میں موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ایسی اذیت ناک سزاؤں اور موت کی گرم بازاری نے زار روس کے دور سیاہ کی عقوبتوں کو بھی بھلا دیا۔

برطانیہ میں بھی اگرچہ توہین مسیحؑ کی جسمانی سزائے موت موقوف کر دی گئی تھی، لیکن وہاں بھی اس جرم کی سزا کا قانون کامن لا کے علاوہ بلاس فیمی ایکٹ (Blasphemy Act) کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔ مناسب ہوگا کہ یہاں بلاس فیمی کے معنی کے ساتھ اس کی تعریف (Definition) کی بھی وضاحت کر دی جائے تا کہ اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو سکے۔

بلاس فیمی لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اہانت کے ہیں۔ لاطینی اصطلاح میں خداوند خدا کے وجود اور دین مسیحؑ کی صداقت سے انکار یا نجات دہندۂ عالم یسوع مسیحؑ کی شان میں اہانت اور انجیل مقدس کی تحقیر اور تضحیک کو بلاس فیمو کہا جاتا ہے۔ انگریزی زبان کی مستند قانونی لغت بلیکز لا ڈکشنری (Black's Law Dictionary) کی رو سے بلاس فیمی ایسی تحریر یا تقریر ہے جو خدا، یسوع مسیحؑ انجیل یا دعائے عام کے خلاف ہو اور جس سے انسانی جذبات مجروح ہوں یا اس کے ذریعہ قانون کے تحت قائم شدہ چرچ کے خلاف جذبات کو مشتعل کیا جائے اور اس سے بدکرداری کو فروغ حاصل ہو۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں بلاس فیمی کی تعریف ذرا کچھ مختلف ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ مسیحی مذہب کی رو سے بلاس فیمی گناہ ہے اور علمائے اخلاقیات بھی اس کی تائید کرتے ہیں، جبکہ اسلام میں نہ صرف خدا کی شان میں بلکہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی بھی بلاس فیمی کی تعریف میں آتی ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، ج2، ص74)

برطانیہ میں توہین مسیحؑ (Blasphemy) کامن لا کے تحت قابل تعزیر جرم ہے، جبکہ بلاس فیمی ایکٹ (Blasphemy Act) میں مجرم کے لیے جسمانی موت کے بجائے شہری موت (Civil Death) کی سزا مقرر ہے جس کی رو سے حکومت ایسے مجرم کے سارے شہری حقوق سلب کرنے کی مجاز ہے۔ بلاس فیمی اگر تقریری ہو تو دو معتبر گواہوں کی شہادت لازمی ہوگی اور اگر تحریری ہو تو ایسی تحریر ثبوت جرم میں پیش کی جائے گی۔

معروف جج پولاک کے خیال میں بلاس فیمی ایکٹ کے تحت کسی شخص کو تادیبی موت (Civil Death) کی سزا نہیں دی گئی مگر برطانیہ ہی کے ایک دوسرے ممتاز جج

برام ویل نے صحیح طور پر جج پولاک (Pollock) کی تردید کی ہے۔ ہم برام ویل جج کی تائید میں ڈینس لی مون (Denis Lemon) ایڈیٹر گے نیوز (Gay News) کے ایک اہم مقدمہ کا حوالہ دیں گے۔ لی مون پر 1978ء میں توہین مسیحؑ کے الزام میں برطانیہ کی عدالت میں کیس دائر ہوا۔ ایڈیٹر لی مون پر الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیحؑ پر ایک مزاحیہ نظم لکھی ہے جس میں اس نے ان کو ہم جنس پرستی کی طرف مائل دکھلایا تھا۔ اس مقدمہ کی اہم ترین بات یہ ہے کہ صفائی کے وکلاء نے ملزم کی طرف سے دفاع میں یہ نکتہ اٹھایا کہ ملزم نے بلاس فیمی کا ارتکاب ارادتاً (Wilfully) یا قصداً (Motive) نہیں کیا تھا۔ یہ بات اس نے بطور تفریح کہی ہے جس سے اہانت یا توہین مقصود نہیں۔ یہ وہی عذر ہے جو گستاخان رسالت شروع سے کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کا ذکر کلام الٰہی میں آج سے چودہ سو سال قبل ہی کر دیا گیا تھا اور انہیں یہ بھی جتلایا تھا کہ یہ عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ دیکھئے قرآن حکیم کا یہ ارشاد:

- **قل ابا للّٰہ و آیتہٖ و رسولہٖ کنتم تستھزؤنO لا تعتذروا قد کفر تم بعد ایمانکم** (التوبہ:65)

  ترجمہ: ''تم اللہ کے ساتھ، اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزا (ہنسی مذاق) کرتے ہو۔ تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ بلاشبہ تم نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے''۔

لی مون (Lemon) کے مقدمہ میں صفائی کے وکلاء کا تمام تر زور اسی نکتہ پر تھا کہ گے نیوز (Gay News) میں ملزم نے مسیحؑ کے بارے میں ایسی بات تفریحاً یا دل لگی کے طور پر کی ہے جس میں اس کی نیت یا ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات بدنیتی سے کہی گئی ہے لیکن جیوری نے متفقہ طور پر قرآن مجید کے بیان کردہ فیصلہ کے مطابق ملزم کے اس عذر کو مسترد کر دیا اور یہ قرار دیا کہ بلاس فیمی یا توہین مسیحؑ کے کیس میں 'نیت' یا ''ارادہ'' غیر متعلق (Irrelevant) ہیں۔ کیونکہ جو بات جناب مسیحؑ کے بارے میں کہی گئی ہے، اس کا براہ راست تعلق ایک واضح حقیقت (Fact) سے ہے جس

کی وجہ سے پیروان مسیح کے جذبات مشتعل ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وہ بات اور ہر وہ چیز جو خدا، یسوع مسیحؑ اور بائبل کی تضحیک، استہزا، توہین اور تنقیص کا باعث ہو، وہ بلاس فیمی یا قانون توہین مسیح کے تحت لائق تعزیر جرم ہے۔ اس لیے لی مون کو بلاس فیمی لا کے تحت جیوری نے سزا سنائی۔ فیصلہ میں مزید کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں قانون تو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مذہب کا انکار کر دیا جائے، وہ قابل گرفت جرم نہیں لیکن مذہب کے خلاف ناشائستہ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اس طرح اہانت رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی یہ وعید کہ استہزا کرنے والوں کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ بیسویں صدی میں خود منکرین ہی کے ذریعہ پوری کر کے دکھلا دی گئی۔ فیصلہ کا اقتباس جو (Blasphemy and Bigotry) کے عنوان سے برطانیہ کے کثیر الاشاعت روزنامہ The Times London میں 27 اگست 1988ء کو ڈیوڈ ہالو وائی (David Hollow Y) نے رپورٹ کیا ہے درج ذیل ہے:

Blasphemy and Bigotry

"Sincerity" and an "atmosphere of reverence" are not a sufficient defence against blasphemy. The 1978 conviction of Denis Lemon, editor of "Gay News", for publishing a poem suggesting that Jesus was a promiscuous homosexual established that the intention, or motive, of an artist is irrelevant. It is a question of fact: Is Christian religious feeling "outraged and insulted"?

The law is clear: "Every publication is said to be blasphemous which contains any contemptuous, reviling, scurrilous or ludicrous matter relating to God, Jesus Christ, or the Bible". The law allows you to attack, subvert or deny the Christian religion, but not in a way that is "indecent" of intemperate".

راقم کے قیام انگلستان کے دوران یا اس کے بعد مندرجہ بالا فیصلہ کی کوئی تردید نظر سے نہیں گزری۔

امریکہ اور اس کی اکثر سیکولر ریاستوں میں قانون توہین مسیحؑ کو امریکی آئین کے بنیادی انسانی حقوق کے منافی نہیں قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے بڑے دوررس فیصلے دیے ہیں جو ملک عزیز پاکستان کے معروضی حالات میں بھی نہایت اہم ہیں۔ یہاں ہم امریکی سپریم کورٹ کے ایک معرکۃ الآراء فیصلے سٹیٹ بنام موکس (State Vs. Mokas) سے ضروری اقتباس پیش کریں گے، جس میں آزادی مذہب اور آزادی پریس کے بنیادی حقوق سے بحث کرتے ہوئے فاضل عدالت عظمیٰ نے جو متفقہ فیصلہ دیا ہے، اس کی تلخیص حسب ذیل ہے:

- ''اگرچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں چرچ اور اسٹیٹ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان میں باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں لیکن اسلام، بدھ مت اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں پیروان مسیحؑ کی تعداد زیادہ ہے۔ حکومت کی زمام کار بھی ان ہی کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ان کا اثر و رسوخ ہے اور عیسائیت ریاست اور ملک کی غالب اکثریت کا مذہب ہے''۔ فاضل عدالت نے اپنے بصیرت افروز فیصلہ میں تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے ''اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں تہذیب و تمدن کے آغاز ہی سے کسی ملک کے طرز حکومت کی تشکیل میں دین و مذہب کا نہایت اہم رول رہا ہے اور اس ملک کے استحکام اور بقا کا انحصار بڑی حد تک اس مذہب کے احترام اور تکریم سے وابستہ ہے جو وہاں کی غالب اکثریت کے دینی شعائر سے علیحدہ نہ ہونے والا لازمی حصہ ہے''۔

فاضل عدالت نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''صدر امریکہ کی تقریب حلف وفاداری، اس کے علاوہ کانگریس اور مقنّنہ کی افتتاحی تقاریب اور عدالتوں کی کارروائی شہادت کا انجیل مقدس پر حلف سے آغاز سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مملکت کے تکون یعنی عدلیہ، مقنّنہ اور انتظامیہ کا بھی مذہب سے یک گونہ بالواسطہ تعلق ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ریفرنس کا جواب دیتے ہوئے حتمی طور پر یہ قرار دیا ہے کہ آزادی مذہب اور آزادی پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی

حقوق، توہین مسیحؑ کے قانون اوراس کی بابت قانون سازی کی راہ میں مزاحم نہیں ہیں۔"

امریکہ کی سپریم کورٹ کے اس معرکۃ الآرا اور تاریخی فیصلہ کا حوالہ ہم نے اپنی سپریم کورٹ کے تاریخ ساز فیصلہ ظہیرالدین بنام سرکار والی اپیل میں آزادی مذہب اور بنیادی حقوق کے ایشو پر دوران بحث دیا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں فیصلہ کے اصل متن کا متعلقہ حصہ انگریزی ہی میں درج کررہے ہیں۔

The Relevant portion reads as under:

"It is farthest from our thought to claim superiority for any religious sect, society, or denomination, or even to admit that there exists any distinct, avowed connection between church and state in these United States or in any individual state, but, as distinguished from the religions of Confucius, Gautama, Muhammad, or even Abraham, it may be truly said that, by reason of the number, influence, and station of its devotees within our territorial boundaries, the religion of Christ is the prevailing religion of this country and of this state. With equal truth may it be said that from the dawn of civilization, the religion of a country is a most important factor in determining its form of government, and that stability of government in no small measure depends upon the reverence and respect which a nation maintains towards its prevalent religion.

Within the limits of an opinion it would not be expected that all the tenets of the Christian religion could be expounded, or even enumerated, but for our purpose it will be enough to say that this religion teaches acknowledgement of the existence, presence, knowledge and power of God, as related to human beings in all their walks of life; this religion teaches dependence upon God, this religion teaches reverence toward God and respect for Holy Scripture. Even as we are writing these words the man who is about to assume the duties of the high and

responsible station of President of these United States, following the unbroken custom of more than a century, and to the end that his official vow may be more impressive and binding reverently says, "So help me God" and then pausing, with a kiss. Congress and state Legislatures open their sessions with prayer addressed to the God of the Christian religion. Judicial tribunals, anxious to discover and apply the truth, the whole truth, and nothing but the truth, require justice to be sworn by an oath which recognizes deity. Thus it will be seen that there is acknowledgement of God in each co-ordinate branch of government. Lest any argument in support of the recognition of God in the fundamental law of our state should be overlooked, we point to the very preamble of our Constitution: "We, the people of Maine, in order to establish justice, insure tranquility, provide for our mutual defence, promote our common welfare, and secure to ourselves and our posterity the blessings of liberty, acknowledging with grateful hearts the goodness of the Sovereign Rule of the Universe in affording us an opportunity so favourable to the design; and imploring His aid and direction in its accomplishment to ordain and establish the follow in Constitution". In view of all these things, shall we say that any word or deed which would express the God of the Christian religion, or the Holy Scriptures, "to contempt and ridicule", or which would rob official oaths of any of their sanctity, thus undermining the foundations of their binding force, would be protected by a constitutional religious freedom whose constitutional limitation is non-disturbance of the public peace? We register a most emphatic negative". State V. Mockus, 113 A, 39, 42, 120 ME. 84,14-A.L.R 871.

No more argument is required after the irrefutable reasoning of American Supreme Court to prove the law of

contempt of the Holy Prophet (PBUH) to be justifiable in Pakistan.

یورپ کے قانون دان بلاس فیمی کے قانون کی توجیہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ اس قانون کا محرک بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب پر حملہ دراصل ریاست پر حملہ کے مترادف ہے۔ اس کی رائے میں اس وجہ سے اکثر سیکولر ریاستوں میں بھی بلاس فیمی کو قابل تعزیر جرم بنا دیا گیا۔

مقننین کی اس منطقی توجیہ اور امریکہ کی سپریم کورٹ کے ان ناقابل تردید دلائل کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ مملکت خداداد پاکستان، جسے غلامان محمد عربی ﷺ نے علیحدہ قومیت کی بنیاد پر حاصل کیا تھا، جہاں ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہے، جہاں پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ شرح محمد ﷺ کے خلاف کوئی قانون سازی کرے، نہ ہی عدلیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرے اور نہ ہی انتظامیہ کو شرع پیغمبر ﷺ سے سرمو اختلاف کی جسارت ہوسکتی ہے، تو ایسے میں کیا جمہوریہ اسلامیہ پاکستان میں ہر کسی کو یہ کھلی اجازت ہے کہ وہ مسلمانوں کے آقا و مولا سرکار ختمی مرتبت ﷺ جن کے نام و ناموس پر مسلمان اپنی جان و مال اور ہر چیز قربان کرنے کو حاصل حیات سمجھتا ہے، کی شان میں گستاخی کرے اور قانون کی گرفت سے آزاد رہے۔

تاریخ کی یہ ایک معروضی حقیقت ہے کہ ماضی میں برطانیہ، امریکہ، روس اور یورپ کے کسی ملک میں بھی جب تک چرچ اور سٹیٹ، دین اور ریاست ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ان سارے ملکوں میں چرچ کو مملکت پر برتری حاصل تھی اور وہاں یسوع مسیحؑ کی پرستش ہوتی رہی اور اس کے در پردہ کلیسا کو ملک کے سیاہ و سفید پر اقتدار کلی حاصل تھا، جس نے نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر انسانیت پر لرزہ خیز مظالم کیے، جس کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں چرچ اور مملکت، دین اور سیاست کی تفریق عمل میں آئی۔ اس لیے ان ملکوں نے سیکولر یعنی لادینی طرز حکومت کو اپنا لیا۔ اس کے باوجود ذوق پرستش ختم نہ ہوسکا اور اس نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ اب یسوع

مسیحؑ کے بجائے ریاست کو فیٹش (Fetish) یعنی پوجمان شے بنا لیا گیا، اس لیے دنیا میں جہاں جہاں بھی سیکولر حکومتیں قائم ہوئیں، وہاں ریاست کی مخالفت کو سنگین جرم بغاوت اور غداری قرار دیا گیا۔ آج دنیا کے تمام ملکوں میں خواہ وہ سیکولر ہوں یا غیر سیکولر، جرم بغاوت کا قانون موجود ہے، جس کی سزا، سزائے موت مقرر ہے۔ جو لوگ اس جرم کے الزام میں ماخوذ ہوں، انہیں گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے یا پھر انہیں تختہ دار پر کھینچا جاتا ہے۔ امریکہ جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں بھی انہیں گیس چیمبرز، الیکٹرک چیئر میں بٹھا کر اذیت ناک طریقہ سے مار دیا جاتا رہا ہے اور جس ملک میں اس جرم کی سزا، عمر قید ہے، وہاں ایسے ملزموں کو عقوبت خانوں میں تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے بند کر دیا جاتا ہے، مگر اس قانون کے خلاف آج تک کسی نے لب کشائی نہیں کی، تو پھر کیا پاکستان ہی میں، جو اس محسن انسانیت ﷺ کی نسبت غلامی کی وجہ سے معرض وجود میں آیا اور جس کا نام نامی ہی اس ملک کے قیام اور بقا کا ضامن ہے، اس کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف قانون ناموس رسالت ﷺ، قابل اعتراض قانون ہے! قانون ناموس رسالت ﷺ پر اعتراض دراصل دین و مذہب بلکہ خود اپنی عقل و دانش اور فہم و فراست سے یکسر انکار ہے''۔

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، از محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

اعتراض نمبر 9

معترضین کا کہنا ہے کہ قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا غلط استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اسے ختم کر دینا چاہیے۔

جواب: ہمارے خیال میں معترضین کا یہ موقف نہایت احمقانہ ہے۔ اگر اس اعتراض کو درست مان لیا جائے تو ''جرم و سزا'' کی دنیا میں کسی بھی تعزیری ضابطے یا قانون کے وجود کا جواز باقی نہیں رہے گا۔ آج تک کسی بھی قانون کو محض اس بنا پر ختم نہیں کیا گیا کہ

اس کا غلط استعمال ہوتا ہے۔قتل، زنا، ڈکیتی اور چوری جیسے سنگین جرائم کے متعلق قوانین کے غلط استعمال کی خبریں پاکستان اور دیگر ممالک کے حوالے سے آئے روز چھپتی رہتی ہیں۔

''قانون کا غلط استعمال'' اگر ایسی وجہ ہے جس کی بنیاد پر قانون میں ترمیم ناگزیر ہوتو اس ''منطق'' سے تو دنیا کے سارے ہی قوانین میں ترمیم لازمی ٹھہرتی ہے۔ دنیا کا کون سا ایسا قانون ہے جس کا غلط استعمال نہ ہو رہا ہو؟ آج ایک طرف قتل، چوری، ڈکیتی، عصمت دری، اغوا برائے تاوان اور زمینوں پر ناجائز قبضے میں ملوث ملزمان قانون کے غلط استعمال کی وجہ سے صاف بچ نکلتے ہیں تو دوسری طرف ہزاروں معصوم اور بے گناہ انسان قانون کے غلط استعمال کی وجہ سے ہی جیل کی کال کوٹھریوں میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے پر مجبور ہیں۔ آپ کس کس قانون کو بدلیں گے؟ قانون کے غلط استعمال کی وجہ سے قانون بدلا نہیں جاتا بلکہ اس کو مؤثر رکھتے ہوئے غلط استعمال کو روکنے کے اقدامات کیے جاتے ہیں۔

بقول شخصے: ''اگر قانون کا غلط استعمال کسی فرد یا پولیس کے غلط کردار کی وجہ سے ہے، تو اس کا علاج قانون کی منسوخی نہیں ہے۔ اس وجہ سے تو ہر قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ قیامِ امن، انسداد دہشت گردی، لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانیوں کی روک تھام کے قوانین، حکومتیں بے دردی کے ساتھ اپنے سیاسی مخالفین کو کچلنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں، کیا اس وجہ سے ان سب کو منسوخ کر دیا جائے؟ قتل کے قانون کے تحت پولیس اور بااثر لوگ بے گناہوں کو پھانستے ہیں، ان کو لوٹا جاتا ہے، بعض پھانسی پر بھی چڑھ جاتے ہیں، کیا ان کو بھی منسوخ کر دیا جائے؟ کوئی بھی معقول آدمی یہ بات نہیں کہے گا۔''

ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کا قانون ایک غیر متنازع اور متفق علیہ معاملہ ہے۔اسے اختلافی مسئلہ بنا کر پیش کرنا یا اس کے غلط استعمال کا واویلا کر کے اسے منسوخ کرنے کا مطالبہ کرنا اہل ایمان کے جذبات مجروح کرنے کی ناپاک سازش ہے۔

مزید یہ اعتراض کہ قانون ناموس رسالت کا غلط استعمال مذہبی راہنماؤں کے

اکسانے پر ہوتا ہے، جھوٹ اور غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ہمارے ہاں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302 (قتل) کا عموماً غلط استعمال ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی قتل کرتا ہے مگر ذاتی انتقام اور خاندانی دشمنیوں کے نتیجہ میں قاتل کے کئی رشتہ داروں کو مقدمہ میں غلط طور پر نامزد کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ لوگ اس سارے وقوعہ سے بالکل بے خبر اور لاتعلق ہوتے ہیں۔ اس مقدمہ میں نامزد کیے جانے کے بعد وہ سالہا سال تک تھانہ اور عدالتوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات انہیں اس مقدمہ میں سزا بھی ہو جاتی ہے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ کسی خاندان کے واحد کفیل یا چند پیاروں کو قتل کر دیا گیا اور اُلٹا مقدمہ بھی ورثا پر بنا دیا گیا۔ پوچھنا چاہیے کہ کیا یہ بھی مذہبی راہنماؤں کے اکسانے پر ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک معاشرتی رویہ ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ کہیں قانون ناموس رسالت کا غلط استعمال ہو، لیکن اس میں مذہبی راہنماؤں کو قصوروار ٹھہرانا غلط اور انصاف کے خلاف ہے۔

مستند اعداد وشمار کے مطابق قانون ناموس رسالت ﷺ کے تحت 2018ء تک جن لوگوں کے خلاف مقدمات درج ہوئے۔ ان میں سے 51 فیصد مسلمان، 26 فیصد قادیانی، 21 فیصدی عیسائی اور 2 فیصد دیگر عقائد کے لوگ ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون ناموس رسالت کے تحت سب سے زیادہ متاثر مسلمانوں ہوئے ہیں۔ اس لیے مذکورہ قانون کو کسی ایک خاص اقلیت کے حوالے سے دیکھنا درست نہیں۔ قانون ناموس رسالت ﷺ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گستاخان رسول کو توہین رسالت کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔

معروف قانون دان جناب راؤ عبدالرحیم ایڈووکیٹ اپنی کتاب ''قانون ناموسِ رسالت ﷺ، قومی امن واتحاد'' کا ضامن میں لکھتے ہیں:

''جب مخالفین قانون ناموس رسالت ﷺ کی مذہبی اور معاشرتی حیثیت پر لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر وہ ایک انوکھی توجیہہ پیش کرتے ہیں کہ ہم 295-C کے خلاف نہیں بلکہ ہم اس کے غلط استعمال کے خلاف ہیں۔ اس کو تبدیل اس لیے کرنا

چاہتے ہیں کہ اس کا غلط استعمال روکا جاسکے۔ بدقسمتی سے وطن عزیز میں کسی بھی فوجداری مقدمہ کی تفتیش کا معیار انتہائی ناقص ہونے کی وجہ سے اکثر ملزمان جرم کرنے کے باوجود سزاؤں سے بچ جاتے ہیں جبکہ بعض اوقات بے گناہ، قانون کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں مگر یہ صرف 295-C کے مقدمات میں ہی نہیں ہوتا بلکہ تمام فوجداری قانون اس مرض میں مبتلا ہیں۔ علاوہ ازیں تمام لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ پاکستان میں قانون کی ہر شق جہاں جرم کو روکتی ہے، وہاں اس کا غلط استعمال بھی ہو رہا ہے۔ وکالت کے پیشہ سے منسلک ہونے کے ناتے میں یہ بات مکمل ذمہ داری سے لکھ رہا ہوں کہ پاکستان میں سب سے زیادہ غلط استعمال ہونے والا قانون ہرگز 295-C نہیں ہے بلکہ 337-Fii، 337-Aii ہیں۔ سرکاری ہسپتال کا MLO دو ہزار کے عوض اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے ہر ماہ ہزاروں MLCs بنا کر یا روک کر قانون کی ان دوشقوں کا غلط استعمال کرتا ہے مگر کیا کیا جائے، ان ڈالروں کے مردار پر پلنے والے ان گدھ نما دانشوروں کا جنہوں نے کبھی ان دو دفعات کے غلط استعمال کی طرف اشارہ کیا ہو یا ان کی تبدیلی کا مطالبہ کیا ہو۔ جبکہ 295-C جس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی تعداد 25 سالوں میں ایک ہزار تک نہیں پہنچی اور جس کی کسی ایک سزا پر بھی انہوں نے عمل درآمد نہیں ہونے دیا، اس میں نہ جانے کیسے اور کہاں سے انہیں غلط استعمال نظر آتا ہے۔ یہ وہ بہانہ ہے جو لوگوں کی آنکھیں میں دھول جھونکنے کے لیے انہوں نے تیار کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر صرف غلط استعمال کی وجہ سے قانون کی تبدیلی کا آغاز کیا گیا تو پھر تمام ملکی قوانین تبدیل کرنا پڑیں گے جس کے نتیجے میں ایک بڑا بحران جنم لے سکتا ہے۔ قانون کا غلط استعمال تو امریکہ میں بھی ہو رہا ہے جس کی مثالیں یہ عظیم دانشور دیتے ہوئے نہیں تھکتے۔ عافیہ صدیقی کی تازہ ترین مثال آپ کے سامنے ہے۔ کیا ان کے قوانین میں بھی تبدیلی کا شور یہ دانشور بلند کریں گے؟

تمام بڑے مذاہب کے مطابق رسالت کا گستاخ واجب القتل ہے اور اگر یہ حکم تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے تو یہ حکم خداوندی کے علاوہ اور کیا ہے۔ کیا یہ حکم

قرآنی آیات کی روشنی میں قرآنی حکم نہیں ہے؟ احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ حکم نبی رحمت للعالمین ﷺ کا فرمان نہیں ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ کا اجماع عملی طور پر نظر نہیں آ رہا؟ کیا فقہا کے اجتہاد و اتفاق میں نظر نہیں آ رہا؟ کیا ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی اس حقیقت کو واضح نہیں کر پایا؟ کیا یہ حکم انسانی ہے یا اللہ رب العزت کا حکم ہے؟

یقیناً یہ قانون انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ خدائی قانون ہے البتہ پاکستان کی عوام نے متفقہ طور پر اس خدائی قانون کو ایک نام ضرور دیا ہے اور اس قانون کا نام 295-C/PPC رکھ دیا ہے۔ یہ نام رکھنے سے یہ قانون انسانی نہیں بن گیا۔ اس اہم معاملہ کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی انسان قرآن پاک کے مصحف پر لفظ بلفظ سچی کتاب لکھ دے اور اس کے بعد یہ کہا جائے کہ یہ انسان کا فقرہ ہے تو یقیناً ایسے انسان کی عقل اور مذہب کے بارے میں آپ سب کی رائے واضح ہوگی۔ یہی معاملہ قانون ناموس رسالت ﷺ کا ہے۔ کیونکہ 295-C/PPC نام ہے، ان چار لائنوں کا جو تعزیرات پاکستان میں 1986ء میں پوری قوم کے نمائندگان نے متفقہ طور پر شامل کیں اور جنہیں اعلیٰ عدلیہ نے اسلام کے عین مطابق قرار دیا، وہ چار لائنیں کیا ہیں؟

حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

> ''اگر کوئی شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں، تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے بہتان تراشی کرے یا اشارتاً یا کنایتاً، بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی توہین کرے، تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔''

[''دفعہ 295 سی میں ''یا عمر قید'' کا لفظ چونکہ اسلامی سزا کے خلاف تھا، اس لیے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر 1990ء میں اپنے ایک فیصلے میں صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ 30 اپریل 1991ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور ''یا عمر قید'' کے الفاظ ختم کریں، اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور ہوں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا، چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت

کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے۔'']

ذرا غور کیجیے کہ کیا یہ چار لائنیں مذکورہ بالا مذہبی کتب کے فیصلے، قرآن پاک کی آیات، احادیث نبویہعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور فقہا اسلام کے فتاویٰ جات کی بریف سمری کے علاوہ کچھ اور ہیں؟ اس میں کون سی بات کسی انسان نے خود کہی ہے؟ کون سی ایسی چیز ہے جسے یہ کہا جائے کہ یہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کی تخلیق ہے؟ یقیناً ان تمام سوالات کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ قرآنی آیات کے نتیجہ میں کیے گئے اجماع صحابہؓ کا ایک مختصر اور جامع حکم ہے''۔

جناب محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اپنے ایک مضمون ''رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کی سزا پر بے جا اعتراض'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''اصل حقیقت یہ ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ غیر مسلموں کی زندگیوں کے تحفظ کی ضمانت ہے ورنہ سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد 1860ء میں جب برٹش گورنمنٹ نے توہین رسالت کے قانون کو منسوخ کیا تو مسلمان سرفروشوں نے اس قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور گستاخان رسول کو قتل کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچاتے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس وقت ہندوستان میں یہ اسلامی قانون منسوخ کیا گیا، اس وقت انگلستان میں قانون توہین مسیح، ملک کا قانون عام اور وضعی قانون تھا اور آج بھی وہاں کے کامن لاء کا حصہ اور مجموعہ قوانین میں شامل ہے...... کیا انہیں نہیں معلوم کہ برطانیہ، امریکہ اور بعض سیکولر ریاستوں میں بھی قانون توہین مسیحؑ موجود ہے۔ تورات کے قانون موسوی کی رو سے تو پیغمبران قبل مسیحؑ کی توہین کی سزا سنگسار مقرر ہے۔ انجیل اور کلیسائی قانون کے مطابق بھی یسوع مسیحؑ کی اہانت کی سزا سزائے موت ہی مقرر ہے۔ شہنشاہ جسیمیسن کے دور حکومت میں اہانت مسیحؑ کے جرم کی سزا، سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔ اسکاٹ لینڈ اور روس میں اٹھارویں صدی عیسوی تک توہین مسیحؑ کے جرم پر یہی سزا دی گئی۔ روس میں کیمونزم آنے کے بعد گو توہین مسیحؑ کا قانون ختم کر دیا گیا لیکن مسیحؑ کے بجائے سربراہ حکومت سے مخالفت کرنے والوں

کو ہی نہیں بلکہ اس سے اختلاف رکھنے والوں کو، خواہ وہ امریکہ ہی میں کیوں نہ ہوں، موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اسٹالن نے اپنے مخالفین کو جس بیدردی سے قتل کروایا، اس کی مثال زار روس کی مذہبی حکومت میں بھی نہیں ملتی۔ انگلستان میں اہانت مسیحؑ ملک کا کامن لاء اور وضعی قانون کی صورت میں آج بھی موجود ہے اور بلاس فیمی ایکٹ کے تحت حکومت اپنی رعایا سے ان کے سارے شہری حقوق سلب کر لینے کی مجاز ہے"۔

بقول شخصے کسی بھی قانون کا غلط استعمال غلط ہوتا ہے مگر اس کا حل یہ ہے کہ قانون کے غلط استعمال کرنے والے کو سزا دی جائے، نہ کہ قانون ہی بدل دیا جائے۔ ناک پر اگر مکھی بیٹھی ہے تو مکھی کو اڑانا چاہے نہ کہ ناک ہی اڑا دی جائے۔ کتا اگر مسجد میں گھس گیا تو اسے باہر نکالیں گے، نہ کہ مسجد ہی گرا دیں۔ پھر پاکستان میں بدقسمتی کی متعدد وجوہ کی بنا پر واقعاتی حقیقت یہ ہے کہ کون سا قانون ایسا ہے، جس کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی؟ کیا ہماری جیلوں میں جھوٹے مقدمات میں پھنسائے گئے کثیر تعداد میں بے گناہ عورتوں اور بچوں سمیت بہت سے قیدی موجود نہیں ہیں؟ تو پھر تبدیلی صرف اور صرف تحفظ ناموس رسالت کے قانون میں کیوں؟ تعزیراتِ پاکستان کی کئی شقوں (193، 194، 195 وغیرہ) میں من گھڑت جھوٹا الزام لگانے والے اور جھوٹی شہادت دینے والوں کے لیے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سات سال قید، دس سال قید بامشقت، مالی جرمانہ، عمر قید سے لے کر سزائے موت تک کا قانون موجود ہے تو پھر صرف تحفظ ناموس رسالت کو ڈیل کرنے والی دفعہ ہی کیوں تبدیل یا غیر مؤثر کی جائے؟

لاہور ہائی کورٹ کے عزت مآب جناب جسٹس میاں نذیر اختر اپنے ایک فیصلہ میں لکھتے ہیں:

"مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی کے احکامات نے یہ بات ممکن بنا دی ہے کہ ملزموں کا عدالتی طریقہ کار سے مواخذہ کیا جا سکے اور معاشرہ میں یہ رجحان پیدا کر دیا ہے کہ قانونی کارروائی کا سہارا لیا جائے۔ تعزیرات پاکستان کی مذکورہ بالا دفعہ کے تحت مقدمے کے اندراج سے ملزم کو ایک عرصہ حیات میسر آ جاتا ہے۔ اس امر کے

پورے مواقع کے ساتھ کہ وہ اپنی پسند کے وکیل کے ذریعے عدالت میں اپنا دفاع کرے اور سزایابی کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں اپیل، نگرانی وغیرہ جیسی داد رسی کا فائدہ اٹھائے۔ کوئی بھی شخص، کجا ایک مسلمان، ممکنہ طور پر اس قانون کی مخالفت نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ من مانی کا سدباب کرتا ہے اور قانون کی حکمرانی کو فروغ دیتا ہے۔ اگر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی کے احکام کی تنسیخ کردی جائے یا انہیں دستور سے متصادم قرار دے دیا جائے تو معاشرہ میں ملزموں کو جائے واردات پر ہی ختم کرنے کا پرانا دستور بحال ہو جائے گا۔'' (پی ایل ڈی 1994ء لاہور 485)

اس قانون سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ یہ قانون ملزم کو عوام کے غیظ وغضب سے نکال کر تحفظ فراہم کرتا ہے اور ملزم کو صفائی کا موقع دیتا ہے۔ اگر ملزم کو عوام کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے تو شاید ایک بھی زندہ نہ بچ سکے۔ یہ اس قانون کے جواز اور ضرورت کا اہم پہلو ہے۔ قانون ناموس رسالت ختم ہونے سے یا غیر مؤثر کرنے سے ایک نئے فتنے کا دروازہ کھل جائے گا اور لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر خود کارروائی کریں گے جو قابل افسوس ہوگا اور جسے روکنا ناممکن ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر حکمران طبقہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ قانون ہاتھ میں نہ لیں تو ضروری ہے کہ لوگوں کا عدالتوں پر اعتماد بحال کریں اور یہ تاثر زائل کریں کہ عدالتیں دباؤ کے تحت گستاخوں کو رہا کر دیتی ہیں اور حکمران امریکہ و یورپ کی خوشنودی کے لیے گستاخان رسول کو فرار کروا دیتے ہیں۔

گستاخی رسول کا معاملہ انتہائی حساس ہے۔ اس میں نہ گستاخ کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی بے گناہ کو قانون ہاتھ میں لے کر قتل کیا جا سکتا ہے۔ ماورائے عدالت قتل کرنے میں بے گناہ کی جان چلے جانے کا خدشہ موجود ہے۔ ممکن ہے ایک عام آدمی جس کو گستاخ سمجھ رہا ہو، اس نے حقیقت میں گستاخی نہ کی ہو یا جس کلام کو گستاخی سمجھ رہا ہے وہ شرعاً گستاخی نہ ہو تو اس کا وبال اس کے سر آ جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من دعا رجلا بالکفر أو قال: عدو اللہ ولیس**

کذلک الا حار علیه (متفق علیہ) جو کسی شخص کے کافر ہونے کا دعویٰ کرے یا کہے اللہ کا دشمن اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ (کفر) اس پر لوٹتا ہے۔ لہٰذا حکم لگانے کے لیے مکمل علم ہونا ضروری ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں تو ذاتی مخالف کو گستاخ و مرتد کہہ دینا عام ہے۔ لہٰذا کسی کو صرف شک یا بے بنیاد پروپیگنڈا کی وجہ سے بے گناہ قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بلکہ شرعاً تو جہاں شک آ جائے اس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے جو اسلامی عدالتوں کے لیے بھی مسلمہ اصول ہے: "**اذرء وا الحدود بالشبهات**" شک کی وجہ سے حد کو چھوڑ دو۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی سے بہتر ہے۔

اعتراض نمبر 10

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ قانون ایک "کالا قانون" ہے، لہٰذا اسے ختم ہونا چاہیے۔ اسی طرح بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کو "کالا قانون" کہنا کوئی جرم نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اسے کالا قانون کہتا ہے تو اسے برداشت کرنا چاہیے۔

جواب: ان کج فہم حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کو "کالا قانون" کہنا بذات خود توہین رسالت ﷺ کے مترادف ہے کیونکہ کالا قانون کا مطلب ہے کہ غلط قانون، غیر منصفانہ قانون، امتیازی قانون، جبری قانون، غیر انسانی قانون، ظالمانہ قانون وغیرہ۔ اس قانون کو "کالا قانون" کہنے والے ایسا حقارت و نفرت سے کہتے ہیں۔ قانون ناموس رسالت ﷺ کی عبارت کو ہم چند صفحات قبل نقل کر چکے ہیں۔ یہاں اسے دوبارہ ملاحظہ کیجیے:

قانون ناموس رسالت ﷺ

دفعہ-295 سی تعزیرات پاکستان

حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

''اگر کوئی شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں، تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے بہتان تراشی کرے یا اشارتاً یا کنایتاً، بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی توہین کرے، تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔''

[''دفعہ 295 سی میں ''یا عمر قید'' کا لفظ چونکہ اسلامی سزا کے خلاف تھا، اس لیے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر 1990ء میں اپنے ایک فیصلے میں صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ 30 اپریل 1991ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور ''یا عمر قید'' کے الفاظ ختم کریں، اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور ہوں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا، چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے۔'']

یہ قانون قرآن وسنت سے اخذ کردہ ہے۔ اسے کالا قانون کہنا قرآن وسنت کی تضحیک کے مترادف ہے۔ بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اس قانون کو ''کالا قانون'' کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، نہایت دل آزار اور اشتعال انگیز ہے۔ قانون تحفظ ناموس رسالتؐ کو ''کالا قانون'' کہنے والوں سے پوچھنا چاہیے کہ کیا آپ (نعوذ باللہ) کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کالے قوانین کا مجموعہ ہے یا اسلام کالی تعلیمات کا مجموعہ ہے یا مسلمان کالے دین کے پیروکار ہیں۔ یقیناً وہ ایسا ہی کہتے اور سوچتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے ایسے اشتعال انگیز بیانات سے معاشرے میں فتنہ وفساد پھیلتا ہے اور اسلام فتنہ وفساد پھیلانے والوں کو قتل کا حکم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

(1) ''اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔'' (البقرہ:191)

(2) ''اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو

جائے دین صرف اللہ کے لیے۔'' (البقرہ:193)

(3) ''فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔'' (البقرہ:217)

(4) بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی، یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، مختلف طرفوں سے یا جلا وطن کر دیئے جائیں، یہ تو ان لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے۔ (المائدہ:33)

قانون ناموس رسالت ﷺ کو کالا قانون، امتیازی قانون، غیر انسانی قانون یا ظالمانہ قانون کہنا زمین پر فتنہ وفساد پھیلانے کے مترادف ہے اور اس کے مرتکبین کی سزا موت ہے۔

اعتراض نمبر 11

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین سیکولر اور بے دین عناصر کا کہنا ہے کہ توہین رسالت کے سلسلہ میں آئندہ جو بھی شکایت آئے، ایک قانون کے ذریعے مدعی کو پابند کیا جائے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت سے رابطہ کرے، وفاقی شرعی عدالت اس درخواست پر غور کرے۔ عدالت کے نزدیک اگر واقعی توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا گیا ہے تو مقدمہ درج ہونا چاہیے ورنہ مقدمہ درج نہ کیا جائے۔

جواب: اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ سیکولر اور بے دین عناصر کا وفاقی شرعی عدالت پر اعتماد نہایت حیران کن اور تعجب خیز ہے۔ صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں

جب یہ عدالت قائم ہوئی تھی تو انہی عناصر نے اس کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر زبردست احتجاج کیا گیا۔ آج یہی عناصر توہین رسالت ﷺ کے کسی بھی واقعہ کو وفاقی شرعی عدالت میں لے جانے کا کہہ رہے ہیں تو ہمیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔ دراصل یہ گروہ نہایت جھوٹا اور منافقت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ آپ یقین کریں کہ اگر ملک بھر میں کسی بھی جگہ (نعوذ باللہ) توہین رسالت ﷺ کے ارتکاب کا کوئی واقعہ ہو اور مدعی اس کیس کو وفاقی شرعی عدالت کے پاس لے جائے اور یہ عدالت شفاف طریقے سے تحقیقات کے بعد فیصلہ دے دے کہ واقعی توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب ہوا ہے اور گستاخ رسول کے خلاف مقدمہ درج ہونا چاہیے تو یہی گروہ اس کی مخالفت کرے گا اور وفاقی شرعی عدالت کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لے گا۔ دراصل یہ گروہ پاکستان میں اسلامائیزیشن کے خلاف ہے۔ وہ پاکستان میں اسلام کا نام ونشان تک مٹا دینا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ قرارداد مقاصد، حدود قوانین، قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والی آئینی ترمیم، شراب پر پابندی، تعلیمی نصاب میں اسلامیات کے مضمون اور جہاد کے بارے میں قرآنی آیات کے خلاف وقفے وقفے سے احتجاج بلند کرتا رہتا ہے۔ ماضی قریب میں یہ گروہ شریعت بل، شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ، نظریہ پاکستان، (پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ)، قومی اسمبلی کی پیشانی پر کلمہ طیبہ، وفاقی دارالحکومت کا نام اسلام آباد، ہوائی سفر میں سفر کی دعا، حدود آرڈیننس اور اسلامی سزاؤں وغیرہ پر شدید تنقید کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کہنے پر اعتراض ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو قرآنی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں قرار دے چکے ہیں۔ یہ گروہ پاکستان کی سالمیت کے بھی خلاف ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے ایٹمی قوت بننے پر بھی سخت نالاں ہیں۔ یہ لوگ اپنے جلسوں اور جلوسوں میں "We Come Israeel" کے نعرے لگاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے فارن فنڈڈ اور ڈالرائزڈ لوگ کس طرح قانون ناموس رسالت ﷺ کی حمایت کر سکتے ہیں؟ اس ملعون گروہ نے اسلام آباد میں اگست 1996ء پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے خالق جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خلاف

احتجاجی جلوس نکالا اوران کی فرضی قبر بنا کراس پر جوتے مارے۔

اعتراض نمبر 12

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔اس لیے مسلمانوں میں برداشت کا مادہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔مسلمانوں کے اس رویے سے معاشرے میں بے چینی پھیل رہی ہے،لہٰذا مسلمانوں کو اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی چاہیے؟

جواب: قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا یہ اعتراض نہایت بودا اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام امن کا دین ہے جواپنے ماننے والوں کو محبت، اخلاق، رواداری اور برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام نے دشمنوں کے ساتھ بھی محبت کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ اگر کوئی ایسا کر سکے تو یہ نیکی وسعادت مندی کا اونچا مقام ہے۔ [دیکھیے: (حم السجدہ: 34،35)، (الشوریٰ:40)۔ پھر فرمایا کہ دین اسلام میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ (البقرہ: 256)، (الشوریٰ:48)، (یونس: 99)۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں جو غصے کو پی جاتے ہیں: (آل عمران:134)۔ اسلام ہر شخص سے نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (اعراف:199)۔قرآن اپنے ماننے والوں کو تبلیغ کرنے کا احسن طریقہ سکھلاتا ہے۔ (النحل:125)، (الانعام:108)۔ اسلام میں عفو ودرگزر اور مرحمت ومغفرت کا بڑا درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا اجر ہے۔ (الشوریٰ: 40)]

خود حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ مذکورہ بالا آیات مبارکہ کی عملی تفسیر ہے۔ دشمنوں نے آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ (نعوذ باللہ) آپ کو بُرا بھلا کہا، آپ کو دیوانہ ومجنوں کہا، آپ کا مذاق اُڑایا، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے، آپ کی پیشانی انور کو زخمی کیا، آپ کے قتل کی سازش کی اور آخر کار محض اس جرم میں کہ آپ اللہ کے گھر میں اللہ کا نام کیوں لیتے ہیں، آپ کو راتوں رات مکہ سے نکل کر مدینہ جانے پر

مجبور کر دیا اور پھر وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ بار بار قتل کی سازشیں کی گئیں، عہد نامے توڑے گئے، بدر، اُحد اور خندق کے معرکے برپا کیے گئے لیکن جب قدرت کے امتحان کی مدت ختم ہوئی اور رب العزت کے دستِ انتقام کو جنبش ہوئی، یہی مجبور و مقہور، ستم دیدہ و جفا کشیدہ ''مہاجر'' اسی کعبہ میں جہاں سے انہیں رب کعبہ کا نام لینے اور اس کی بارگاہِ نیاز میں سر جھکانے کی بھی اجازت نہ تھی، اس شان سے مجلس آراء ہوا کہ ہزار ہا گردنیں ان کے سامنے عاجزانہ جھکی ہوئی تھیں، ہزار ہا زبانیں ان کی عظمت و سطوت کا اعتراف کر رہی تھیں اور ہزار ہا کان اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے ان کی جنبش لب پر لگے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے مختصر خطبے کے بعد قریش سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے، آج میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ وہ اب تک کے رویے کو سمجھ چکے تھے اور کہہ اٹھے: آپ بھلائی کرنے والے ہیں، اس لیے کہ آپ کریم ہیں۔ ہم اس کے سوا آپ سے اور کوئی امید نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، مجھے تم سے وہی کہنا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: **لاتثریب علیکم الیوم. اذھبوا فانتم الطلقاء** آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

استیلاء کامل کے بعد یہ پہلا پیغام امن وسلام تھا۔ پھر حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں جو اُمت کے نام آپ ﷺ کا آخری پیغام تھا، آپ نے جنگ کے دیوتا اور انتقام کے بھوت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پابہ زنجیر کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

- **الا ان کل شئ من امر الجاھلیة تحت قدمی موضوع و دماء الجاھلیة موضوعة و اول دم اضعه من دماء قدم ابن ربیعه.**

سُنو، میں جاہلیت کی تمام رسمیں اپنے پاؤں تلے کچل دیتا ہوں اور انتقام خون کی رسم بھی اپنے پاؤں تلے کچلتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے بھائی ربیعہ ہی کے خون کے مطالبہ کو ختم کرتا ہوں۔

رسول کریم ﷺ کا یہ خلق عظیم اور ذکر جمیل آج ساڑھے چودہ سو سال گزرنے

کے بعد بھی دنیا کی امن پسند اور صلح جو قوموں کے لیے ایک منارۂ روشنی ہے۔ ہر قوم و ملت کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی اس روشنی میں اخلاق و انسانیت اور صلح و امن کی گم شدہ منزل کا سراغ پا سکتا ہے۔ تاریخ کی کامل روشنی میں اس عفو و کرم کی نظیر زمین و آسمان نے انسانوں کے بیچ میں کبھی دیکھی اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ کہنے لگا: مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (**لَاتَغْضَبْ**) ''غصہ نہ کر'' اس نے پھر کہا (**اَوْصِنِی**) ''آقا مجھے وصیت فرمائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: (**لَاتَغْضَب**) ''غصہ نہ کر''۔ (**فَرَدَّ مِرَارًا**) ''وہ بار بار کہتا رہا آقا وصیت فرمائیں۔'' آپ ﷺ فرماتے رہے (**لَا تَغْضَبْ لَا تَغْضَبْ**) ''غصہ نہ کر، غصہ نہ کر'' (صحیح البخاری)

یہاں ایک بات نہایت قابل غور ہے کہ اسلام کی اس بلند پایہ اخلاقی تعلیم کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوئی بدبخت اس کی آڑ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ان کی پاک تعلیمات کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دے۔ اگر کوئی شخص اس ناپاک حرکت کا مرتکب ہوگا تو اسلام اس کے فوری قلع قمع کا حکم دیتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے رحم و عفو کے کئی واقعات کے بعد مسلم علما نے توہین رسالت ﷺ کے مرتکب افراد کے لیے عفو و درگزر کے امکانات پر خوب غور و خوض کیا ہے۔ فقہا کے اس نقطہ نظر کے باعث اسلامی تاریخ میں توہین رسالت ﷺ کے کسی مجرم کو معافی نہیں دی گئی۔ ان علما و فقہاء کا اس بات پر اتفاق رائے اور اجماع ہے کہ آپ ﷺ کی توہین کرنے والے کو معاف کرنا صرف اور صرف حضور نبی کریم ﷺ کا ہی استحقاق ہے۔ اپنی ظاہری حیات طیبہ کے دوران نبی کریم ﷺ کسی کو بھی معاف فرما سکتے تھے۔ کیونکہ توہین تو خود ان کی ہی ہوئی تھی، لیکن نبی ﷺ کے پیروکار ہونے کے ناتے ہم نبی پاک ﷺ کی طرف سے کسی (مرتکب توہین رسالتؐ) کو معاف نہیں کر سکتے۔

جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کے رحمت للعالمین ہونے کا تعلق ہے تو جاننا چاہیے کہ مسلمان کسی ناصاف، ملاوٹ شدہ شریعت کے پیروکار نہیں، جیسی کہ یہود سے

منسوب کی جاتی ہے جو انسانی رویہ کے صرف ایک رخ پر ہی زور دیتی ہے بلکہ آپ ﷺ ایک متوازن اور جامع نظام حیات لائے ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ جہاں ایک طرف رحمت ہیں، وہاں دوسری طرف وہ ایک مجاہد بھی ہیں۔ ان کا اپنا فرمان ہے کہ ''میں نبی **الملحمه** اور **نبی المرحمه** ہوں'' میں جہاد (اللہ کی راہ میں جنگ) کا نبی ﷺ ہوں اور میں رحمت والا نبی ﷺ ہوں۔ چنانچہ رحمت اور جنگ ساتھ ساتھ چلیں گے۔ جب رحم کی ضرورت ہوگی تو رحم ضرور کیا جائے گا اور جب اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کا موقع ہوگا تو جنگ کا عزم ہی روبہ کار آئے گا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

خیال رہے کہ جہاں مذہبی دلآزاری اور توہین آمیز طرز عمل سے منع کیا گیا ہے، وہاں برہان، دلیل اور معقول طریقے سے اختلاف کرنا آزادئ اظہار کے حق میں شامل ہے۔ خود مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اہل کتاب اور دیگر مذاہب کے حاملین سے اگر گفتگو کی جائے تو تحمل اور رواداری کا مظاہرہ کیا جائے اور احسن انداز اپنایا جائے۔

- **ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتى هى احسن** (العنکبوت:46)

ترجمہ: اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر احسن طریقے سے۔

اسلام میں رواداری کا تصور یہ نہیں ہے کہ مختلف اور متضاد خیالات کو درست قرار دیا جائے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: ''رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں، ان کو ہم برداشت کریں، ان کے جذبات کا لحاظ کر کے ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو، اور انہیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل سے روکنے کے لیے زبردستی کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ اس قسم کے تحمل اور اس طریقے سے لوگوں کو اعتقاد وعمل کی آزادی دینا نہ صرف ایک مستحسن فعل ہے بلکہ مختلف الخیال جماعتوں میں امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اگر ہم خود ایک عقیدہ رکھنے کے باوجود محض دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے مختلف عقائد کی تصدیق کریں اور خود ایک دستور العمل کے پیرو

ہوتے ہوئے دوسرے مختلف دستوروں کا اتباع کرنے والوں سے کہیں کہ آپ سب حضرات برحق ہیں، تو اس منافقانہ اظہار رائے کو کسی طرح رواداری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ مصلحتاً سکوت اختیار کرنے اور عمداً جھوٹ بولنے میں آخر کچھ تو فرق ہونا چاہیے"۔

(تفہیمات، جلد اوّل ص114،115)

علامہ محمد اقبالؒ مذہبی رواداری اور برداشت کے بارے میں لکھتے ہیں:

❑ "اگر قوم کی وحدت و سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اس کے لیے صرف ایک ہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ وہ انتشار انگیز قوتوں کے خلاف اپنا دفاع کرے اور اپنے دفاع کے کیا طریقے ہیں؟ مدلل تحریریں اور ایسے شخص کے دعووں کا ابطال جو اپنی اصل جماعت کی نگاہوں میں "مذہبی مہم جو" ہو۔ تو کیا یہ مناسب ہے کہ جس اصل جماعت کی سالمیت خطرے میں ہو اسے برداشت کی تلقین کی جائے اور باغی گروہ کو تحفظ کے ساتھ اپنی تبلیغ جاری رکھنے کی اجازت دی جائے خواہ یہ تبلیغ سخت جھوٹ اور گستاخانہ عبارات سے بھی لبریز ہو۔"

(قادیانی اور جمہور مسلمان از علامہ محمد اقبالؒ مطبوعہ اسٹیٹسمین (دہلی) 14 مئی 1935ء مطبوعہ حرف اقبالؒ مرتبہ لطیف احمد خان شروانی صفحہ 108)

یہ کہاں کی منطق ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو نعوذ باللہ گالیاں دی جائیں، آپ کے بے عیب اور اجلے کردار (جس کی پورے عرب نے گواہی دی تھی) پر کیچڑ اچھالا جائے۔ آپ پر اقربا پروری، عیش کوشی اور خونریزی کے بے سروپا الزامات لگائے جائیں، اس کے جواب میں اگر کوئی مسلمان اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ کرے تو کہا جائے کہ مسلمانوں میں برداشت نہیں۔ شراب خانوں کا نام مکہ کلب رکھنے، جوتوں پر کلمہ طیبہ لکھنے اور لباس پر قرآنی آیات لکھنے کے بعد ان دانشوروں کو اگر ہم سے عدم برداشت کی شکایت ہے تو ان کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی مسلسل توہین کے ردعمل میں صرف برداشت برداشت کی رٹ لگاتے رہنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟

اگر آپ پاکستانی سیاست دانوں کے پارلیمنٹ کے اندر یا پارلیمنٹ کے

باہر خصوصاً ٹی وی ٹاک شوز میں مخالف جماعتوں کے خلاف گفتگو، بیانات، تقاریر اور طرز عمل ملاحظہ کریں تو حیران ہوں گے کہ ان کے ہاں برداشت، رواداری اور اخلاق تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ ہم روزانہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہی حال ٹی وی اینکروں، تجزیہ کاروں اور دیگر طبقات کے نمائندوں کا ہے۔ ایک چھوٹا سا واقعہ ملاحظہ فرمائیں: 27 دسمبر 2007ء کو بے نظیر بھٹو کی ہلاکت پر پورے ملک میں مشتعل ہجوموں نے جو کچھ کیا، پاکستانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ تین دن تک ملک کے شہروں اور قصبوں میں وہ کچھ ہوتا رہا، جو پاکستان کی تاریخ میں نہیں ہوا۔ طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو ہلکی سی جھلک دکھائی جا سکتی ہے۔ صرف کراچی شہر میں تین دنوں کے دوران 45 قیمتی جانوں کا نقصان ہوا تھا۔ اربوں کی املاک نذر آتش کر دی گئی۔ 1120 سے زائد چھوٹی بڑی گاڑیاں جلی تھیں۔ شالیمار ایکسپریس کے مسافروں کو لوٹ لیا گیا۔ کئی ریلوے پٹریوں کو اکھاڑ دیا گیا۔ 32 فیکٹریوں کو نذر آتش کیا گیا۔ 58 بینک، 28 سرکاری دفاتر اور 21 پولیس اسٹیشن آگ کی نذر ہوئے۔ 60 قیدی فرار ہوئے۔ کورنگی میں مشتعل افراد نے فیکٹری کو آگ لگائی۔ اس فیکٹری میں 7 افراد بھی شعلوں کی لپیٹ میں آ کر زندہ جل گئے۔ ہمیں بہت اچھی طرح یاد ہے کہ انہی چینلوں پر کہا جاتا تھا: ''یہ مشتعل لوگ ہیں۔ ان کے دل چھلنی ہیں۔ انہیں روکنا نہیں چاہیے۔ ان کے دلوں میں اُٹھنے والے لاوے کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو مزید نقصان ہوگا''۔ صرف کراچی کی سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ نے جو اعداد و شمار جاری کیے، ان میں بتایا گیا تھا کہ گلشن اقبال میں 5 بینک، 196 گاڑیاں، 2 سرکاری دفاتر، 2 پولیس اسٹیشن، 3 دکانیں، 3 پیٹرول پمپ آگ کی نذر ہوئے۔ اورنگی کے علاقوں میں 6 بینک، 58 گاڑیاں، ایک پولیس اسٹیشن، 5 پیٹرول پمپس اور 3 فیکٹریوں کو آگ لگائی گئی۔ لیاقت آباد ٹاؤن میں 40 گاڑیاں جلائی گئیں، گلبرگ میں 8 گاڑیاں اور ایک پولیس اسٹیشن جلا۔ نارتھ ناظم آباد میں 28 گاڑیاں جلیں۔ نیو کراچی میں 17 گاڑیاں، ایک پیٹرول پمپ اور 6 ملوں کو لوٹا اور جلایا گیا۔ لیاری میں 3 بینک، 45 گاڑیاں، 3 سرکاری دفاتر

اور 3 پولیس اسٹیشن نذر آتش کیے گئے۔سائٹ میں 6 بینک، 83 گاڑیاں، ایک سرکاری دفتر، 4 دکانیں اور 2 فیکٹریاں جلیں۔ کورنگی میں 10 گاڑیاں، 2 دکانیں اور 4 فیکٹریاں آگ کی نذر ہوئیں۔ بلدیہ میں 9 گاڑیاں، ایک سرکاری دفتر، ایک پولیس اسٹیشن، 2 پیٹرول پمپ اور ایک سیاسی جماعت کا دفتر نذر آتش ہوا۔ 2007ء میں ہونے والے نقصانات میں کتنے ایسے مطلوب تھے، جنہیں پکڑا گیا؟ کتنے ایسے لوگوں کو سزائیں ہوئیں جنہوں نے ملیر میں 73 گاڑیاں اور 18 دکانیں جلائیں؟ گڈاپ ٹاؤن میں 3 بینک، 27 گاڑیاں، 8 سرکاری دفاتر، 2 پولیس اسٹیشن اور سیاسی جماعتوں کے 2 دفاتر جلائے۔ بن قاسم کے علاقوں میں کس پارٹی کا غلبہ ہے جہاں سب سے زیادہ نقصان ہوا؟ جہاں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق تقریباً 290 گاڑیاں جلائی گئیں اور 5 بینک لوٹے گئے۔حقائق تلخ ہیں، لیکن مبنی برحقیقت۔ بہت سوں کو یاد ہوگا کہ 27 دسمبر کے بعد ٹرین کے 13 انجن ناکارہ بنا دیئے گئے۔ایک انجن کی قیمت 25 کروڑ روپے تھی۔اس طرح 13 انجنوں کی قیمت سوا 3 ارب روپے بنتی ہے۔اندرون سندھ جیلوں کو توڑا گیا۔ وہاں سے سزا یافتہ مجرمان فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ایسے نقصانات بھی ہوئے جنہیں اعداد وشمار میں لانا ممکن نہیں۔

یہ ہے ان لوگوں کا اصل چہرہ جو ہمہ وقت رواداری، برداشت اور امن ومحبت کا درس دیتے نہیں تھکتے۔

اعتراض نمبر 13

بعض اقلیتی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ اسلام میں اقلیتوں کے کوئی حقوق وغیرہ نہیں، اس لیے اکثریتی اسلامی ملک میں اقلیتیں غیر محفوظ اور پریشان زندگی گزارتی ہیں۔

جواب: اقلیتی راہنماؤں کا یہ اعتراض لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اقلیتوں کے بارے کسی قسم کی تنگ نظری، تنگ دلی یا کج اخلاقی کے سخت مخالف ہے۔ اسلام اقلیتوں کے بارے نہایت فراخ دلی، رواداری اور خوش اخلاقی کا داعی ہے۔ حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی منفرد اور فقید المثال عظمت یہی ہے کہ انہیں انسانوں کے کسی خاص قبیلے، طبقے، گروہ یا قوم کے لیے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اسلام انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری ضابطہ ہے۔ اسلام نے انسانیت کو اللہ تعالیٰ کا تعارف رب العالمین کے نام سے کرایا اور نبی الانبیا اور محسن انسانیت خاتم الانبیا والرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تعارف رحمۃ للعالمین کے نام سے کرایا اور قرآن مجید کا تعارف ذکر للعالمین سے کرایا۔ ایک دوسرے مقام پر غریبوں کے ماویٰ و ملجا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے متعلق فرمایا:

- "ومآ ارسلنک الا کافۃ للناس" (سبا:28)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف"۔

قرآن مجید نے اور ایک مقام پر فرمایا:

- "یایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا" (الاعراف:158)

اے انسانو! میں اللہ کی طرف سے تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

انفرادی، اجتماعی، قومی، ملی اور انسانی غرضیکہ ہر سطح پر دین اسلام، آدمی اور آدمیت کے احترام و تقدیس کا قائل ہے اور اپنے پیروکاروں کو بلاامتیاز رنگ و نسل اور مذہب و عقیدۂ ہر کسی سے انصاف کرتے رہنے اور اس سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے
گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں
کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو یہی

زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک
اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (المائدہ:8)

قرآن حکیم کی ساری کی ساری تعلیمات احترام آدمیت اور احترام مذاہب پر مبنی ہیں۔ اس کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ حکم دیا گیا کہ دوسرے مذاہب کے معبودوں کو برا نہ کہا کرو۔

اے مسلمانو! تم ان کے ان معبودوں کو برا بھلا مت کہو جن کو وہ
اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ (الانعام:109)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام میں کسی دوسرے مذہب کو برا بھلا کہنا یا طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا بالکل منع ہے اور یہ وحی مکہ میں نازل ہوئی۔ گویا ابتدائے اسلام سے ہی یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ تمام مذاہب خواہ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، سب کو اسلام کے ساتھ زندہ رہنا ہے اور زندہ رہنے کا حق ہے۔ کسی بھی مذہب کے پیرو شخص کے مذہبی رجحانات اور جذبات پر کسی قسم کا لعن طعن کر کے انہیں مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ فاتح قوم نے کبھی بھی مفتوح اقوام کو اپنے برابر کے حقوق نہیں دیئے۔ زمانہ قبل از تاریخ سے لے کر آج تک کی تاریخ میں ہزارہا واقعات مل جائیں گے کہ فاتح قوم نے نہ صرف یہ کہ مفتوح قوم کو غلام بنایا بلکہ ان کے مذہب، ثقافت اور معیشت تک کو برباد کیا۔ انسانی فطرت سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی کہ مسلمان جب غالب ہو گئے تھے اور جزیرۃ العرب میں بسنے والے دیگر مذاہب کے پیرو لوگ جو ان کے رسول اور دین کو نہیں مان رہے تھے اور ہمیشہ سے ان سے برسر پیکار رہے تھے، ایسے میں مسلمان ان سے کم از کم بہت نرم برتاؤ بھی کرتے تو ان کو اپنا آبائی دین چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کر سکتے تھے، اس لیے کہ وہ غالب تھے۔ یہاں پر بھی قرآن حکیم نے صاف صاف بتا دیا کہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، ان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے مذہب کے پیرو کو مجبوراً مسلمان بنائیں۔ ارشاد ہوا **لاا کراہ فی الدین** (البقرہ:256) دین میں کوئی جبر نہیں۔ یہ ایک بنیادی اصول بتا دیا

گیا ہے کہ دین کے قبول کرنے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی حکومت کی رعایا مشرک رہنا چاہتی ہو تو رہے۔ اہل کتاب (عیسائی یا یہودی) یا صابی یا مجوسی کوئی بھی مذہب اس کا ہو، وہ رکھے۔ اسلامی حکومت یا اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا مذہب اس کی حدود میں زندہ نہ رہے بلکہ اگر کسی بھی حد تک اشتراک عمل ممکن ہو تو اسلام اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے، مثلاً اہل کتاب اور اہل توحید میں جہاں تک اشتراک عقائد ہے یا اشتراک عمل کی راہیں نکل سکتی ہیں، اسلام ان میں مل جل کر رہنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

ترجمہ: یعنی اے اہل کتاب جو بات ہم دونوں میں متفق علیہ ہے، آؤ اس پر تو مل کر عمل کریں۔ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو اللہ کے سوا پالن ہار نہ سمجھیں گے۔ (آل عمران:64)

اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر کبھی غیر مسلموں کے ساتھ بحث و مباحثہ کی نوبت آ جائے یا انہیں تبلیغ کرنا مقصود ہو تو نہایت خوبصورتی، حکمت و دانائی اور پند و موعظت کے ذریعے کرنی چاہیے۔ ارشاد خداوندی ہے:

- ترجمہ: (اے محبوب ﷺ!) بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (و مناظرہ) اس انداز سے کیجیے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ (النحل:125)

حضور نبی کریم ﷺ کا غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک معلوم کرنے کے لیے یہ ایک فرمان ہی کافی ہے جو ابو داؤد شریف میں نقل ہوا ہے:

- ترجمہ: خبردار کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق

مارا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کوئی
چیز اس کی مرضی کے بغیر لی تو میں بروز قیامت اس کی طرف سے
(مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔ (ابوداؤدشریف)

یہ صرف ایک تنبیہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک قانون ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اسلامی ریاست میں جاری تھا اور جس پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے اور اس وقت بھی اسلامی دستور مملکت کا ایک حصہ ہے۔ یحیٰی بن آدم القرشی، الخراج میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

- ترجمہ: ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ ذمیوں کے بارے میں مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے۔
چنانچہ ایک دن آپ ﷺ نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ (بخاری شریف)

قانونی اعتبار سے غیر مسلم رعایا یعنی اقلیتوں کی 3 قسمیں ہیں:

(1) معاہد (2) ذمی (3) اہل ذمہ

اسلام ان سب کو معاشی، معاشرتی، سیاسی، شخصی اور قانونی حقوق مہیا کرتا ہے۔
حضرت عمرؓ کو آخری وقت تک اقلیتوں کا خیال تھا۔ آخری وقت ارشاد فرمایا:

ترجمہ: میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اہل ذمہ (اقلیت) کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان سے کئے ہوئے وعدے پورے کرے اور ان کی حفاظت کے لیے لڑے اور ان کو ان کی طاقت

سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ (کتاب الخراج، از یحییٰ بن آدم)

اسلام ایک ایسا دین ہے جو کسی بھی مذہب کو عدم برداشت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ تمام آسمانی مذاہب کی تصدیق کرتا ہے اور ان کے پیروکاروں کو مکمل آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ لیکن اسلام، یہودیت اور عیسائیت کی طرح وہ اپنا دروازہ طالب ہدایت کے لیے بند نہیں کرتا بلکہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے مگر کسی بھی غیر مسلم کو جو مسلم حکومت کے زیر نگین زندگی گزار رہا ہو، مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسلام قبول کرلے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی ذمی مسلمان نہ ہو اور کسی کو اسلام کی دعوت ہی نہ دی جائے۔ اسلام کی دعوت دینا ایک چیز ہے اور مجبوراً مسلمان بنانا دوسری چیز ہے۔ اس لیے بر بنائے دعوت اگر کوئی ذمی اسلام قبول کرلے تو اہل ذمہ اس کو مجبوراً واپس اپنے مذہب میں لوٹانے کے مجاز نہ ہوں گے۔ اہل ذمہ اپنے عقائد کے مطابق اپنے عبادت خانوں میں اپنی مذہبی رسومات آزادی سے ادا کر سکتے ہیں۔ مذہبی اجتماعات اور مذہبی تہواروں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ مفاد عامہ کے خلاف نہ ہوں۔ مثلاً کسی ایسے شہر میں کہ جہاں کوئی جلسہ جلوس نکلنے سے فساد کا اندیشہ ہو یا کسی مذہب کے تہوار سے وہاں کی آبادی میں اشتعال پیدا ہو کر نقض امن کا خطرہ ہو تو حکومت مناسب تدابیر اختیار کرسکتی ہے لیکن یہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم ہیں بلکہ اس وجہ سے ہوگا کہ اندیشہ نقض امن ہے اور امن وامان قائم رکھنا کسی بھی حکومت کا فرض اولین ہے اور اگر یہی صورت مسلمانوں کے اپنے اجتماع سے پیدا ہوتی ہو تو حکومت وہاں بھی مناسب تدابیر اختیار کرنے کی مجاز ہے۔ دارالاسلام میں اہل ذمہ کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے عبادت خانے بنائیں لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ان علاقوں میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کریں جہاں ان کی اکثریت ہوتا کہ کسی قسم کے مذہبی اشتعال سے اندیشہ نقض امن پیدا ہی نہ ہو۔

اسلامی مآخذ کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلموں سے نہ صرف رواداارنہ سلوک روا رکھا بلکہ فیاضانہ برتاؤ سے ان کے حقوق کی پاسداری بھی کی۔ عہد نبوی ﷺ کے واقعات اور خلفائے راشدین

کی فقید المثال روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں غیر مسلموں کو کبھی کوئی گزند نہ پہنچایا بلکہ ہمیشہ انہی غیر مسلم رعایا کے مذہبی تشخص کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور کسی قسم کی دخل اندازی یا دل آزادی نہ کی۔

اسلام دین رحمت ہے اور اس کی شفقت و رافعت کا دائرہ کار کسی خاص قوم، کسی مخصوص ملت یا گروہ کے لیے وقف نہیں ہے بلکہ اسلام میں تمام بنی نوع انسان کے لیے خیر و عافیت کے بے پناہ خزائن موجود ہیں۔ اسلام میں تمام بنی نوع انسان کو اللہ کا کنبہ قرار دیا گیا ہے اور اللہ نے اپنے کنبے کے ساتھ بلاتفریق نیکی و بھلائی کا درس دیا ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے بہترین انسان وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے بلکہ یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ رب کریم تمہارے ساتھ پیار کریں تو تم اس کے کنبے کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آؤ۔ قرآن کریم میں تمام معاملات کو عدل و انصاف اور احسان و مروت سے طے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا گیا کہ دوسروں کے ساتھ اس طرح بھلائی کرو جس طرح اللہ تمہارے ساتھ بھلائی کا سلوک فرماتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنی غیر مسلم اقلیتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں اور مسلم ریاستوں نے کہاں تک ان پر عمل کیا ہے؟ تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بین ثبوتوں کے ساتھ اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ غیر مسلم اقلیتوں کے لیے اسلام سراسر ایک رحمت، امن اور بھائی چارے کا مذہب ثابت ہوا ہے۔ ان کے دورِ حکومت میں ان اقلیتوں کو جو حقوق و اختیارات اسلام نے دیئے ہیں، ایسے حقوق و اختیارات تو ان کی اپنی قوم اور اپنے ہم مذہب حکومتوں میں بھی میسر نہ تھے۔ ان کی حیثیت تو غلاموں سے بھی بدتر تھی اور ان کا کام تو اپنا خون پسینہ بہا کر اپنے حاکموں اور جاگیرداروں کے لیے سامان تعیش فراہم کرنا ہوتا تھا۔ ان کو ادنیٰ ادنیٰ غلطیوں پر انتہائی وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں۔ وہ قومیں جو آج خود کو بڑا مہذب اور اخلاق کے اعلیٰ اقدار کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، ان کی تاریخ خود ان کی لائبریریوں میں ان کا

منہ چڑا رہی ہیں۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال سمجھنے کے لیے ایک یہی واقعہ کافی ہوگا۔ شیفرڈ بش (Shepherd's Bush) مغربی لندن برطانیہ کا ایک بہت مشہور علاقہ ہے جو ''بش چرواہے'' کے نام سے آج بھی موسوم ہے۔ اس چرواہے سے غلطی سے چلائے ہوئے ایک تیر سے اس کاؤنٹی کے شہزادے کے محبوب ہرن کی آنکھ پھوٹ گئی جس کی پاداش میں اس شہزادے نے اس قبیلے کے تمام افراد کی آنکھیں نکلوا دیں۔

اسلام میں مذہبی رواداری اور آزادی پر دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جن علاقوں میں صدہا برس تک اسلامی حکومتیں قائم رہیں اور وہ بڑی ہی مضبوط اور مستحکم حکومتیں تھیں۔ اگر جبری تبدیلی کا کوئی بھی پروگرام روبعمل لانا چاہتیں تو ضرور کامیاب ہوسکتی تھیں۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ سپین میں مسلمان تقریباً آٹھ سو برس تک حکمران رہے لیکن کیا وہاں عیسائیت ختم ہوگئی ہے۔ بلکہ پروفیسر ڈوزی اپنی تصنیف تاریخ سپین میں لکھتا ہے کہ اسلامی حکمرانوں نے اس تمام عرصے میں اصول حکمرانی کے ذریعے غیر مسلموں کو اپنے اخلاق و اطوار سے گرویدہ بنائے رکھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت صدہا برس رہی لیکن کیا وہاں ہندو سب کے سب مسلمان بن گئے ہیں؟ یہاں تک کہ دارالحکومت دہلی میں بھی ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ رہی۔ دنیا جانتی ہے کہ آج تک کسی بھی مسلمان ملک میں کبھی کسی غیر مسلم کو ناحق نہ تو ستایا گیا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی محرومی کا شکار بنایا گیا ہے۔

جناب مفتی محمد نعیم ''اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''اسلامی تاریخ میں یہ حقائق موجود ہیں کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو تمام بنیادی حقوق عطا کیے گئے۔ دنیا کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ فاتح قوم نے کبھی بھی مفتوح اقوام کو اپنے برابر کے حقوق نہیں دیئے۔ زمانہ قبل از تاریخ سے آج تک کی تاریخ میں ایسے ہزارہا واقعات مل جائیں گے کہ فاتح قوم نے نہ صرف یہ کہ مفتوح قوم کو غلام بنایا، بلکہ ان کے مذہب، ثقافت اور معیشت تک کو برباد کیا۔

انسانی فطرت سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی کہ مسلمان جب غالب ہو گئے تھے اور جزیرۃ العرب میں بسنے والے دیگر مذاہب کے پیروکار جو ان کے رسول ﷺ اور دین کو نہیں مان رہے تھے اور ہمیشہ سے ان سے برسر پیکار رہے تھے، ایسے میں مسلمان ان سے کم از کم بہت نرم برتاؤ بھی کرتے تو ان کو اپنا آبائی دین چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کر سکتے تھے، اس لیے کہ وہ غالب تھے۔ یہاں پر بھی قرآن حکیم نے صاف صاف بتا دیا کہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار کو جبراً مسلمان بنائیں، ارشاد ہوا ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے''۔ (البقرہ:256) یہ ایک بنیادی اصول بتا دیا گیا ہے کہ دین کے قبول کرنے میں یا کسی دین کو رد کرنے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی حکومت کی رعایا مشرک رہنا چاہتی ہو تو رہے۔ عیسائی یا یہودی کوئی بھی مذہب اس کا ہو، وہ رکھے، اسلامی حکومت یا اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا مذہب اس کی حدود میں زندہ نہ رہے، بلکہ اگر کسی بھی حد تک اشتراک عمل ممکن ہو تو اسلام اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے، مثلاً اہل کتاب اور اہل توحید میں جہاں تک اشتراک عقائد ہے یا اشتراک عمل کی راہیں نکل سکتی ہیں، اسلام ان میں مل جل کر رہنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: (ترجمہ) یعنی اے اہل کتاب، جو بات ہم دونوں میں متفق علیہ ہے آؤ، اس پر تو مل کر عمل کریں۔ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کچھ لوگ کچھ دوسرے لوگوں کو اللہ کے سوا پالن ہار نہ سمجھیں گے''۔ (آل عمران:64)

اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا اور ان کا کتنا پاس ولحاظ رکھا، اگر انہوں نے اسلامی ریاست میں رہنا قبول کر لیا اور ان سے عہد و پیمان ہو چکا تو اب ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے داری قرار پائی۔ کسی طرح کی ظلم وزیادتی کا ان کو شکار نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کا اندازہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک سے ہوتا ہے۔ ''خبردار جس کسی نے معاہد (غیر مسلم) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا

اس کی استطاعت سے زیادہ اس سے کام لیا۔ اس کی رضا کے بغیر اس کی کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جھگڑوں گا۔

(قرطبی، الجامع لاحکام، القرآن جلد 8، ص115)

دین و مذہب کے سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ دوسری اقوام نے کیا سلوک اور برتاؤ کیا، کس طرح سے انہیں مذہبی جبر واکراہ کا شکار بنایا، اس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں آج تک محفوظ ہے کہ اندلس کی سرزمین پر مسلمانوں نے کئی سو سال تک حکومت کی اور وہاں کے چپے چپے پر اسلامی تہذیب وثقافت کی یادگاریں قائم کیں، لیکن جب حکومت و اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور دشمنوں نے انہیں آ گھیرا تو غیر مسلموں نے ان کے ساتھ کیسی سفاکی و درندگی کا مظاہرکیا، سنگدلی اور بے رحمی کی یہی تاریخ مغلیہ میں بھی دہرائی گئی جہاں عربوں نے دوسو سال تک حکومت کی تھی۔ پانچ سو مسجدیں تھیں، انہیں منہدم کر کے گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہاں علما، صوفیا اور حکما کی جتنی قبریں تھیں، سب نیست و نابود کر دی گئیں۔ اسلام نے دوسرے مذاہب وادیان کے ماننے والوں کو کتنی عزت وتوقیر سے نوازا۔ انہیں کس طرح کی مذہبی آزادی دی اور کس طرح ان کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھا۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے کیا طریقہ کار اپنایا۔ یہ ہے وہ واضح فرق اسلام اور دوسرے مذاہب میں، اسلام جیسی رواداری، وسعت قلبی دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے"۔

(روزنامہ جنگ لاہور، 8 دسمبر 2019ء)

معروف کالم نگار جناب ایس اے زاہد لکھتے ہیں:

"اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اقلیتوں کو جتنے حقوق اسلام نے دیے ہیں، کسی اور مذہب نے نہیں دیے۔ اسلام نے انسانیت کو سب سے مقدم رکھا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب العالمین کہا ہے اور اپنے وعدے کے مطابق وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا، گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی

جان بچائی، گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔ تقسیم رزق میں بھی اللہ کریم یہ نہیں دیکھتا کہ کون اس کو مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ سورۃ الکافرون میں ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ! آپ فرما دیجیے کہ اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو، اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر و تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی اپنی مرضی سے اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ بلا شرعی عذر کسی غیر مسلم کو قتل کرنے یا اس کو ایذا پہنچانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اللہ کریم کا بڑا فضل پاکستان کا معرض وجود میں آنا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور وطن عزیز کو اسلام کا قلعہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اقلیتوں کے لیے پاکستان محفوظ ترین ملک ہے۔ یہاں ہر مذہب اور ہر عقیدے کے لوگ آزادی کے ساتھ رہتے ہیں۔

پاکستان میں جو بنیادی انسانی حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں، وہی حقوق یہاں رہنے والے کسی بھی اور مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھنے والوں کو حاصل ہیں۔ اسی طرح ریاستی حقوق بھی سب کو برابری کی سطح پر حاصل ہیں۔ یہاں قومی و عوامی سطح پر عین اسلام کی ہدایات و احکامات نبی کریم ﷺ کی ہدایات و راہنمائی اور خلفائے راشدینؓ کے اسلامی طرز حکمرانی کی طرح مسلمان اور حکومت عمل پیرا ہیں۔ پاکستان کی عدالتوں میں مروجہ قوانین کے مطابق جو رویہ اور فیصلے مسلمانوں کے بارے میں کیے جاتے ہیں، اسی طرح یہاں کے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں کیے جاتے ہیں۔ پڑوسی ملک بھارت میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہاں مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے جس سے وہاں کے حکمرانوں کو اور کچھ نہیں تو ان کے سر شرم سے جھکنے تو ضرور چاہئیں۔ بھارتی حکمرانوں کو شرم کیوں نہیں آتی کہ وہ دیکھتے بھی ہیں کہ پاکستان میں ہندو اور سکھ برادری

کے ساتھ کس طرح برابری کا سلوک کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں غیر مسلم موجود نہ ہوں۔حکومت پاکستان کے کلیدی عہدوں پر کئی غیر مسلم افسران موجود ہیں۔شعبہ طب میں بڑے بڑے نامور ڈاکٹر ہوں یا حکیم، وہاں اقلیتوں کی نمائندگی ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں سول سروس میں اقلیتی طبقہ کے ملازمین اور افسران موجود ہیں۔ کاروبار میں ہندو اور سکھ برادری کے افراد بڑے پیمانے پر موجود ہیں۔ مندر، گوردوارے اور عیسائی برادری کے لیے گرجا گھر موجود ہیں اور ان کی یہ عبادت گاہیں پاکستان کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے شہر میں موجود ہیں، جہاں وہ مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ جاتے اور وہاں اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادات کرتے ہیں بلکہ ان کے مذہبی تہواروں میں مسلمان بھی ان کی حوصلہ افزائی کے لیے شرکت کرتے ہیں۔ اسی طرح اقلیتیں بھی مسلمانوں کے ساتھ مذہبی تہواروں میں شریک ہوتی ہیں۔ رمضان المبارک کا احترام کرتے ہیں۔ سیاست، تعلیم، وکالت اور صحافت کے شعبوں میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد ملکی ترقی اور خوشحالی کے لیے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ پاکستان کی چاروں صوبائی اسمبلیوں، قومی اسمبلی اور سینیٹ آف پاکستان میں اقلیتوں کے نمائندے موجود ہیں۔غور کریں تو صاف نظر آئے گا کہ پاکستانی معاشرہ قومی کے علاوہ مذہبی حوالے سے بھی ایک خوبصورت گلدستے کے مانند ہے۔ جہاں کے رہنے والے سب لوگ مکمل مذہبی آزادی، امن و آشتی اور پیار و محبت سے رہتے ہیں۔

کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ نہ کوئی جبر ہوتا ہے نہ ہی ان کے ساتھ مخاصمانہ رویہ روا رکھا جاتا ہے، نہ کسی کے مذہب کی توہین کی جاتی ہے، نہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی جاتی ہے اور نہ ہی کسی غیر مسلم کو اپنے مذہب کی تبدیلی کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے تقریباً ہر شہر اور قصبے میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد موجود ہیں۔ کراچی سمیت اندرون سندھ، بلوچستان پنجاب اور کے پی کے میں اقلیتیں موجود ہیں۔ سندھ کے جامشورو، میر پور خاص اور تھر پارکر میں بڑی تعداد میں ہندو برادری کے افراد آباد ہیں۔ اسی طرح بلوچستان کے کوئٹہ سمیت دیگر شہروں میں

ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد بستے ہیں۔ کے پی کے میں پشاور کے علاوہ بونیر اور تیراہ میں بڑی تعداد میں سکھ اور ہندو برادری کے لوگ موجود ہیں اور زیادہ تر کاروبار سے منسلک ہیں۔ اور یہ بھی خوش کن اور اطمینان بخش بات ہے کہ پاکستان میں بسنے والے اقلیتوں کے افراد نہایت سکون کے ساتھ ملکی ترقی کے لیے کوشاں اور حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ تازہ ترین مثال کرتارپور کی ہے جہاں پاکستان نے نہ صرف سکھوں کے مقدس مقام کی خود تعمیر نو کی۔ وہاں تمام بنیادی اور ضروری سہولیات فراہم کی ہیں بلکہ وہاں بھارت سے آنے والے سکھ یاتریوں کو پیار و محبت کے ساتھ خوش آمدید بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری جانب بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے، کشمیری مسلمانوں پر ظلم و بربریت کے جو پہاڑ توڑے جاتے ہیں، وہ دنیا کے سامنے ہیں۔ امید ہے کہ اب اقوام عالم بھارتی مظالم پر ضرور توجہ دے گی‘‘۔

(اسلام اور مذہبی رواداری از ایس اے زاہد مطبوعہ روزنامہ جنگ لاہور 22 ستمبر 2020ء)

آخر میں ایک اہم بات کا تذکرہ ازحد ضروری ہے کہ ہر دور میں تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ رہا ہے کہ کوئی شخص جو مسلمان ہو یا غیر مسلم، حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف گھٹیا زبان استعمال کرتا ہے، رسول ﷺ کا مضحکہ اڑاتا ہے یا توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے، موت کی سزا کا حق دار ہے۔ نبی پاک ﷺ کی توہین یا تضحیک اسلامی ریاست اور مسلم اُمہ کے خلاف غداری ہی قرار پائے گی جس کی سزا موت ہی ہوسکتی ہے۔ مزید براں اگر کسی مسلم ریاست کا کوئی غیر مسلم شہری، توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہو، تو وہ اس جرم کے ثابت ہونے پر اپنی شہریت کھو دیتا ہے۔ اس کے تمام حقوق و مراعات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ سزائے موت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کسی اسلامی ریاست کے ہر غیر مسلم شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب تسلیم کرنے سے انکار کر دے یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست تو اس کے منکر اسلام ہونے کے حق کا تحفظ کرتی ہے، لیکن ایسا کرتے وقت کسی بھی غیر مسلم کو حضور خاتم النبیین ﷺ کو اللہ کا رسولؐ تسلیم نہ

کرنے اور حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین آمیز کلمات کے استعمال کے درمیان امتیاز کو ملحوظ رکھنا بلکہ اس کا ادراک کرنا ہوگا۔ جبکہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی کو حضور اکرم ﷺ کی توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی ان کے خلاف توہین آمیز کلمات کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔

تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو دیئے جانے والے تمام حقوق، استحقاق، معاہدے، عہد نامے وغیرہ اس وقت ختم سمجھے جائیں گے جب کوئی غیر مسلم حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کا مرتکب ہوگا۔

معروف امریکی مورخ برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) جو اسلام، مشرق وسطیٰ اور سلطنت و خلافت عثمانیہ پر سند کا درجہ رکھتا ہے، اس نے اپنی اکثر کتابوں میں یہ بات بار بار وضاحت کے ساتھ لکھی ہے کہ تمام اقلیتوں کو مسلمانوں کی خلافت، مملکت، سلطنت میں مکمل امان حاصل تھی لیکن اگر کوئی اقلیت یا ان کا کوئی فرد ذات رسالت مآب ﷺ کی شان میں توہین کرتا تو مسلمان خلیفہ اور عوام اس کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ اقلیتیں اس معاملے میں صحیح طرز عمل کا مظاہرہ کرتیں تو خلافت عثمانیہ میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور سہولیات میسر رہتیں۔ توہین رسالت ﷺ کے معاملے میں خلیفہ اور مسلمانوں کی حد درجہ حساسیت کی وجہ یہ تھی کہ ذات رسالت مآب ﷺ کی وجہ سے ہی ذمیوں کا خصوصی خیال رکھنا خلافت کی بنیادی ذمہ داری تھی۔ اگر اس ذات اقدس ﷺ کی شان ہی محفوظ نہیں ہے تو ذمیوں کی امان کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ خلافت عثمانیہ میں فقہ حنفی رائج تھی جس کے تحت خلیفہ، قاضی توہین رسالت ﷺ پر سخت ترین سزا نافذ کر دیتے تھے۔ یہ امت کا تواتر، تعامل اور تسلسل ہے۔ اس عمل میں امت نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ یہ ایمان کا مسئلہ ہے۔

ہمارے پاکستانی لبرل دانشور اس امت کو بار بار رواداری اور صبر و تحمل کا درس دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کبھی مغربی دانش وروں اور مستشرقین کی تحقیقات کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم کہ اسلام پر مغرب میں سب سے بڑی سند برنارڈ لیوس ہے۔ اس کی

کتاب Islam in Europe پڑھ لی جائے تو اقلیتوں سے خلافت عثمانیہ کے بے مثال حسن سلوک کا تذکرہ وہاں مل جائے گا۔اس صدی کے سب سے بڑے سیاسی فلسفی جان رالز نے اپنی آخری کتاب Law of the People میں خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کے یہاں اقلیتوں سے بہترین سلوک کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ مائیکل مین نے اپنی معرکہ آراء کتاب The Dark Side of Democracy میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے سلوک کتنا بہترین تھا۔صدر بش کی کچن کیبنٹ کے رکن اور نیوز ویک وٹائم کے سابق مدیر فرید زکریا نے بھی اپنی کتاب The Future of Freedom میں مسلمانوں کی جانب سے غیر مسلموں کے سلوک کا نہایت عمدہ طریقے سے ذکر کیا ہے۔ J.E.B Lamberd کی کتاب Fundmentalism, Betrayal of Tradition خلافت اسلامیہ کے دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات پر مبنی بے شمار تاریخی حوالوں کا خوبصورت انتخاب ہے۔لہٰذا پاکستانی حکومت اور لبرل سیکولر طبقات کو اقلیتوں کے بارے میں زیادہ متوحش ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام نے اپنی حاکمیت کے زمانے میں ان سے بے مثال حسن سلوک اور اخلاقی برتاؤ کا مظاہرہ کیا۔

اعتراض نمبر 14

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ فقہ اسلامی/ حنفیہ میں غیر مسلموں پر قانون ناموس رسالت ﷺ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم شان رسالت ﷺ میں توہین کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر کوئی مقدمہ درج نہیں ہوگا۔

جواب: ناقدین کا یہ موقف غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی ہے۔ قرآن وسنت کی نصوص، صحابہ کرامؓ اور اسلامی حکمرانوں کے واقعات سے یہ امر ایک مسلمہ اصول کے طور پر ثابت

شدہ ہے کہ مسلم ہو یا غیر مسلم، شان رسالت ﷺ میں گستاخی کرنے والے کی سزا موت ہے۔ اسلام کے کسی دور میں اس دوٹوک موقف سے کبھی انحراف نہیں کیا گیا۔

''گستاخ رسول کی سزا کے متعلق احناف کا موقف'' کے عنوان سے جناب ابوتراب حبیب الحق کاظمی اپنی مایہ ناز کتاب ''تحفظ ناموس رسالت ﷺ'' (اسلامی و عالمی قانون) میں لکھتے ہیں:

''مرتد کی سزا تمام فقہی مذاہب میں متفق علیہ ہے کیونکہ دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرنا باعث کفر ہے اور اس کا کفر ہونا قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

- **ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ و اولئک اصحب النار ھم فیھا خٰلدون** (البقرہ:217)

ترجمہ: اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں، وہ دوزخ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

اور تمام فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے، جس کی دلیل حدیث پاک ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**من یدل دینه فاقتلوہ**'' (بخاری شریف) جس کسی نے اپنا دین تبدیل کیا پس اسے قتل کرو۔

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی دوسرے نبی علیہ السلام کی توہین کرنے سے انسان کافر و مرتد ہو جاتا ہے جس کی سزا قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں بالاجماع ''موت'' ہے اور یہی قول احناف کا ہے، ہاں اس میں اختلاف ضرور ہے کہ یہ سزا بطور حد ہوگی یا بوجہ کفر۔ فقہا احناف کی ایک بڑی تعداد خاص کر متاخرین فقہا، اصحاب مالکیہ و حنابلہ اور جمہور علماء سلفؒ کی طرح اس بات کی قائل ہے کہ اس کو یہ سزا بطور حد دی جائے گی اور اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ اس پر حافظ

الدین محمد بن شہاب البز از الکردریؒ (المتوفی: 827ھ) کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف ابن الھمامؒ (المتوفی: 861ھ)، محمد بن فرامرز بن علی الشہیر المعروف ملا خسروؒ (المتوفی: 885ھ) شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیمؒ (المتوفی: 970ھ)، شیخ محمد بن عبداللہ بن احمد الغزی الحنفی التمر تاشیؒ (المتوفی: 1004ھ)، محمد بن علی بن محمد الحصنی المعروف بعلاء الدین الحصکفی الحنفیؒ (المتوفی: 1088ھ)، الشیخ حسن بن عمار بن علی ابوالاخلاص الوفائی المصری الشرنبلالیؒ (المتوفی: 1069ھ)، عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف شیخ زادہؒ (المتوفی: 1078ھ) اور ان کے علاوہ دیگر کئی فقہا کرام کی تصریحات موجود ہیں۔

حافظ الدین محمد بن شہاب البز از الکردریؒ (المتوفی: 827ھ) کا اس مسئلہ پر تفصیلی فتویٰ ''**الجامع الوجیز**'' (**الفتاویٰ البزازیه**) میں مذکور ہے، آپ لکھتے ہیں:

- ''اگر کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی علیہ السلام کی توہین کی تو اس گستاخ کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اصلاً اس کی توبہ ہی نہیں ہے، چاہے وہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے اور اس کے خلاف گواہی قائم ہو جائے یا اقرار کے بعد خود توبہ کرتے ہوئے آئے، یہ زندیق کی طرح ہے اس پر حد واجب ہے اور یہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ باقی تمام حقوق العباد کی طرح اور حد قذف کی طرح کہ یہ بھی توبہ سے ساقط نہیں ہوتی...... اور یہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ، امام اعظم (ابوحنیفہ)، امام ثوری، اہل کوفہ اور امام مالک اور ان کے اصحابؒ کا مشہور مذہب ہے''۔

علامہ الکردریؒ نے اسی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آگے ارتداد کی دیگر اقسام اور احکام بیان کرنے کے بعد تصریح فرمائی کہ ''**وبھذا کله یفتی**'' یعنی اس فتویٰ میں گستاخ کے جو بھی احکام بیان ہوئے ہیں، سارے کے سارے مفتی بہ ہیں، اس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ احناف کے نزدیک بھی گستاخ رسول کی سزائے قتل بطور حد ہی جاری ہونے پر فتویٰ ہے۔

اسی طرح ''**فتح القدیر**'' میں علامہ ابن الھمامؒ (المتوفی: 861ھ) فرماتے ہیں:

❑ ”جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دل میں بغض رکھے، وہ بھی مرتد ہوتا ہے،تو گالی دینے والا تو بطریق اولیٰ مرتد ہوگا، پھراسے ہمارے نزدیک بطور حد قتل کیا جائے گا۔لہٰذا اس کا تائب ہونا اس کے قتل کو ساقط نہیں کرے گا۔فقہا نے فرمایا کہ یہ اہل کوفہ (فقہا احناف) اور امام مالک کا مذہب ہے اور حضرت ابوبکر الصدیق سے بھی یہی منقول ہے اوراس سے حد میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجرم خود توبہ کر کے پیش ہوگیا یا اس کے خلاف گواہیاں ہو جانے کے بعد توبہ کی“۔

اسی طرح کی تصریح قاضی قسطنطنیہ محمد بن فرامرز بن علی المعروف ملا خسروؒ (المتوفی:885ھ) بھی فرماتے ہیں:

❑ ”اگر کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی کی توہین و گستاخی کرے تو اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اصلاً اس کی توبہ ہی نہیں ہے چاہے وہ گرفتار ہونے کے بعد اس کے خلاف گواہی قائم ہو جائے تب توبہ کرے یا اقرار کے بعد خود توبہ کرتے ہوئے آئے، ایسا شخص توبہ کے حکم میں زندیق کی طرح ہے، اس پر حد واجب ہے۔اور یہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور نہ ہی اس (حکم) کے خلاف کسی کے نزدیک تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ حد بندے کے حق سے متعلق ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی باقی تمام حقوق العباد کی طرح،اور یہ قذف کی حد کی طرح ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتی“۔

بلکہ اس شخص کے بارے میں جو چاہے نشہ کر کے ہی توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کر دے،اس کے بارے میں آپؒ آگے مزید لکھتے ہیں:

❑ ”ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ نشے کی حالت میں گالی دے تو بھی اس کو معافی نہ دی جائے گی بلکہ اسے بھی بطور حد قتل کیا جائے گا اور یہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، ابوعبداللہ امام سفیان ثوریؒ (م161ھ) اور علما کوفہ کا مذہب ہے اور امام مالک اور آپ کے اصحاب کا بھی مشہور مذہب یہ ہی ہے۔امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ میں کسی ایک عالم کو بھی نہیں جانتا جس نے اس کے واجب القتل ہونے میں اختلاف کیا ہو جب وہ (گستاخ) مسلمان ہو اور ابن سحنون مالکیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ

آپ ﷺ کو گالی دینے والا کافر اور اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرتا ہے، وہ بھی کافر ہے"۔

علامہ ابن نجیمؒ (المتوفی:970ھ) کی تصریح بھی اسی طرح ہے۔ آپؒ بعض جرائم کے بارے میں توبہ کی قبولیت کے بارے میں لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

❑ "مگر جو ارتداد رسول اللہ ﷺ کی توہین کی وجہ سے ہو، اس پر گستاخ کو قتل کیا جائے گا اور اسے معافی نہ دی جائے گی۔ ایسے ہی "البزازیہ" میں ہے کہ "ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں قابل قبول ہے، سوائے کفار کی وہ جماعت جس نے نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیا علیہم السلام کی توہین کی ہو۔

شیخ محمد بن عبداللہ بن احمد الغزی الحنفی التمر تاشیؒ (المتوفی:1004ھ) تنویر الابصار میں لکھتے ہیں:

❑ "جو مسلمان مرتد ہو جائے، اس کی توبہ قبول ہے، سوائے اس کے جو نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہو جائے (اس کی توبہ قبول نہیں)۔"

احکامات کے اعتبار سے علما نے مرتد کے لیے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں: مرتد عام، مرتد خاص۔ ان دونوں کے لیے احکامات میں فرق ہے۔ مرتد عام کی توبہ قبول کی جاتی ہے بلکہ اُسے تین دن تک توبہ کا موقع دینا مستحب ہے اور مرتد خاص (گستاخِ رسول) اگر اپنے جرم پر توبہ بھی کر لے پھر بھی اسے قتل ہی کیا جاتا ہے۔

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ (المتوفی:1088ھ) لکھتے ہیں:

❑ "جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کی توبہ قبول ہے، سوائے اس جماعت کے جو بار بار مرتد ہو اور وہ جو نبی اکرم ﷺ یا کسی بھی دوسرے نبی کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہو جائے۔ پس وہ بطور حد قتل کیا جائے گا اور مطلقاً اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی، اور اگر اللہ کو سب وشتم کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور پہلا (توہین رسالت ﷺ میں) بندے کا حق ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اس (گستاخ) کی سزا اور کفر میں شک کرتا ہے، وہ بھی کافر ہے"۔

الشیخ حسن بن عمار بن علی ابوالاخلاص الوفائی المصری الشرنبلالیؒ (المتوفی:1069ھ)، فقہ حنفی کی معروف کتاب ''**الدررو الغرر**'' لملا خسروؒ کے حاشیہ میں تنبیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

❑ ''مرتد کی توبہ اس صورت میں قبول کی جائے گی، جب اس کا ارتداد نبی اکرم ﷺ کی توہین یا بغض کی وجہ سے نہ ہو (اس صورت میں توبہ قبول نہیں) جیسا کہ مصنفؒ (صاحب متن) نے پہلے ذکر کیا ہے، کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی چاہے (اقرار کے بعد) خود توبہ کرے یا اس پر گواہی قائم ہو جائے''۔

عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف شیخ زادہؒ (المتوفی: 1078ھ) ''**مجمع الانہر**'' میں امام محمدؒ کی کتاب ''**النوادر**'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

❑ ''جب کسی مسلمان نے آپ ﷺ کو یا کسی بھی نبی کو گالی دی، چاہے وہ نشے کی حالت میں ہو، اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ اصلاً قابل قبول نہیں ہے، جو اسے قتل ہونے سے بچا سکے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ پکڑا جائے اور اس پر گواہی قائم ہوئی ہو تو توبہ کرے یا اقرار کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے آئے''۔

فقیہ شام علامہ ابن عابدین شامیؒ (المتوفی:1252ھ) گستاخ رسول کی سزا کے بارے میں بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❑ ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، چاروں ائمہ (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) سے یہی منقول ہے۔

حنفی علماء میں سے علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی ٹھٹھویؒ (المتوفی:1174ھ) نے ''**السیف الجلی علی ساب النبی**'' کے نام سے گستاخ رسول کے حوالے سے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں آپ بھی ''**الفتاوی البزازیة**'' اور ''**الدرر شرح الغرر**'' کے حوالے سے احناف کا موقف لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔

❑ ''اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی

دینے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے اور اسے قتل کیا جائے گا، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ بطور مرتد قتل ہو گا جیسا کہ ''شرح الطحاوی'' میں ہے یا بطور حد قتل کیا جائے گا، جس کی صراحت ''فتاوی بزازیہ'' میں ہے، اور ظاہر ہے کہ فتوی کے لیے ہمارا مختار دوسری رائے ہے''۔

بلکہ علامہ ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الزبیدی الیمنیؒ (المتوفی:800ھ) اپنی کتاب ''**الجوهرة النيرة**'' میں تو شیخین کو گالی دینے والے کے لیے بھی عدم قبول توبہ احناف کا مختار بیان کرتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

- ''اور جو شیخین کو گالی دے یا ان (کی شان) میں طعن کرے، اسے کافر کہا جائے گا، لہٰذا اس کا قتل کرنا واجب ہے، پھر اگر وہ اس سے رجوع کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور تجدید اسلام (ایمان) کرتا ہے، تو کیا اس کی توبہ قابل قبول ہو گی یا نہیں؟ علامہ صدر الشہید (م:536ھ) فرماتے ہیں، نہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس کا اسلام قبول کیا جائے گا اور یہی قول امام فقیہ ابواللیث سمرقندی (م:393ھ) اور امام ابونصر دبوسی (م:430ھ) نے لیا ہے اور فتوی میں یہی مختار ہے''۔

علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھیؒ اس پر لکھتے ہیں:

- ''اگر شیخین کو گالی دینے والے کی فتویٰ میں مختار حد یہ ہے تو نبی اکرم ﷺ کے لیے تو بطریق اولیٰ ہو گی جیسا کہ (ظاہر ہے) مخفی نہیں ہے''۔

اس کے علاوہ آپؒ اس کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

- ''ظاہر ہے کہ جب عنداللہ گستاخ کی توبہ (قابل) قبول ہے، تو بہتر یہ ہے کہ پہلے اس پر اسلام پیش کیا جائے تاکہ وہ (تجدید ایمان کر کے) عنداللہ تائب ہو، پھر اسے قتل کیا جائے، لیکن اگر قاضی کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، (امام فرید الدین ابن العلاء الانصاریؒ (م786ھ) فتاویٰ تاتارخانیہ میں امام ابوالفضل الحاکم شہیدؒ (م:334ھ) کی ''الکافی فی فروغ الحنفیہ'' سے مطلق مرتد کے حوالے سے (یعنی اگر وہ گالی کے علاوہ مرتد ہوا

ہے)نقل کیا ہے، کہ مستحب ہے کہ اس پر اسلام پیش کیا جائے ، یہ واجب نہیں، اگر قاتل نے اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر ڈالا تو یہ مکروہ ہے اور مکروہ اس معنی میں ہے کہ اس نے مستحب (اسلام پیش کرنا) ترک کیا ہے، قاتل پر کوئی سزا نہیں ہے۔

اس کے توبہ کرنے سے یہ فرق پڑے گا کہ اس کو سزا میں قتل کرنے کے بعد اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح ہوگی۔

امام اسماعیل حقیؒ (المتوفی: 1127ھ) نے اسے مختار مذہب قرار دیا ہے:

مذہب مختار یہی ہے مسلمانوں میں سے جس شخص سے حضور ﷺ کی شان اقدس میں جان بوجھ کر عمداً کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جائے جو اہانت و استخفاف اور تحقیر پر دلالت کرتا ہو تو ایسے شخص کو اس گستاخی کے ارتکاب پر قتل کرنا (امت مسلمہ پر) واجب ہے اور اس کی توبہ بایں معنی قبول نہ ہوگی کہ اسے سزائے قتل سے چھٹکارا مل جائے، اگرچہ وہ توبہ و رجوع کرے اور توحید و رسالت کی گواہی دیتا پھرے۔ ہاں مگر وہ توبہ کرنے کے بعد مر گیا یا بعد از توبہ اس پر حد قتل کا نفاذ ہوگیا تو پھر اس کی موت (بعض احکام میں) مسلمانوں کی ہی سمجھی جائے گی۔ غسل دینے، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے میں، اس کے برعکس اگر وہ گستاخی پر مصر رہے اور اس پر مسلسل کاربند رہے اور اس بنا پر قتل کر دیا جائے تو وہ کافر تھا اور اس کی میراث مسلمانوں کے لیے ہوگی۔ اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی اور نہ ہی اسے کفن دیا جائے گا۔ ہاں اس کا ستر ڈھانپ دیا جائے گا اور اسے پیوند خاک کر دیا جائے گا جیسے کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مسلمان گستاخ رسول کا واجب القتل ہونا تو واضح ہو چکا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان پر گستاخی کی صورت میں نافذ ہونے والے احکام کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کو بھی واضح کر دیا جائے کہ اگر کوئی غیر مسلم توہین رسالت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟ اور آیا اس کو توہین رسالت پر سزائے موت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

اسلامی مملکت میں مستقل رہائش پذیر غیر مسلم کی حیثیت یا عارضی داخل ہونے والے غیر مسلم کا سٹیٹس اگر وہ اجازت سے داخل ہوتا ہے ''معاہد''، ''مستامن''، ''ذمی'' اور اگر بغیر اجازت کے داخل ہوتا ہے جس کی قوم کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ ہو تو ''حربی'' کہلاتا ہے۔ ان میں سے حربی کے علاوہ باقی تمام کو اسلامی مملکت میں مختلف درجات کے حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ان کے حقوق و فرائض پر فقہا نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

دوسرے ممالک کے کفار میں سے اہل کتاب جو جزیہ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: **قاتلوا الذین لایؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الاخرۃ ولایحرمون ماحرم اللّٰہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صغرون** (التوبہ:29) (لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر) لیکن جو جزیہ نہیں دیتے یا دیگر کفار مجوسی و بت پرست ہیں، ان کے ساتھ قتال کا حکم ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ''**لا الٰہ الا اللّٰہ**'' کا اقرار نہ کرلیں۔

کفار سے قتال سے پہلے مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ کفار کو اسلام کی دعوت دیں، اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو انہیں جزیہ دینے کا کہیں۔ جس کے استدلال میں علامہ برہان الدین مرغینانی (م: 593ھ) ''ہدایہ'' میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں:

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی فوج کے امیروں کو اس چیز کا حکم ارشاد فرمایا تھا کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جس سے قتال ختم ہوتا ہے جیسا کہ نص نے واضح حکم بیان کیا ہے اور یہ حکم بھی ان کافروں کے بارے میں ہے جن سے جزیہ قبول کیا جاتا

ہے۔اور جن کافروں سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا جیسے مرتدین اور عرب میں سے بتوں کے پجاری تو انہیں جزیہ قبول کرنے کی دعوت دینا بے سود ہے کیونکہ ان سے اسلام کے علاوہ کچھ بھی قبول نہیں کیا جاتا''۔

کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: **تقاتلونھم اویسلمون** (کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں)

لیکن ذمیوں کے بارے میں علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

- ''اگر وہ جزیہ دینا قبول کر لیتے ہیں تو انہیں وہ حاصل ہوگا جو مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے، اور ان پر وہ لازم ہو جائے گا جو مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے، کہ وہ جزیہ اسی لیے دیتے ہیں تاکہ ان کا خون (حرمت میں) ہمارے خون کی طرح ہو جائے اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح (محفوظ) ہو جائے''۔

جزیہ دینے کی وجہ سے اگرچہ ان کا مال و جان مسلمان کی طرح محفوظ ہو جاتا ہے، اب نہ صرف ان کے نقصان پر انہیں تاوان دیا جائے گا بلکہ ان کے جانی نقصان پر سزا بھی ہے مگر اس کے باوجود اگر یہ توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس پر ان کی سزا کے بارے میں مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کا تو اس پر اتفاق ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا، اس کے ساتھ ساتھ احناف کے جید فقہا نے اپنے فتاویٰ میں باقی ائمہ کے طرح ذمی کو توہین رسالت پر قتل کرنے کی صراحت فرمائی ہے۔ جیسا کہ علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی ٹھٹھویؒ (م:1174ھ) نے لکھا ہے۔ **وقداختار کثیر من مشائخ الحنفتہ قتل الذمی الساب** کثیر مشائخ احناف کا مختار یہی ہے کہ گستاخ (رسول) ذمی کو قتل کیا جائے گا۔ ان میں سے امام ابن الہمام حنفیؒ (م:861ھ) فرماتے ہیں:

- ''میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمی نے اگر نبی اکرم ﷺ کو گالی دی یا غیر مناسب چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب کی جو کہ ان کے عقائد سے خارج ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت حالانکہ وہ اس سے پاک ہے (یہ عقیدہ

میں شامل ہونے کی وجہ سے قابل سزا نہیں) جب وہ ایسی چیزوں کا اظہار کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کا عہد ٹوٹ جائے گا''۔

اور علامہ ہاشم ''**السیف الجلی**'' میں امام احمد بن سلیمان کمال پاشاؒ (م:940ھ) کا مختار ان کی شرح اربعین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں جو کہ امام برہان الدین ابن مازہ البخاری الحنفیؒ (م:616ھ) کا بھی مختار ہے۔

❑ ''اور حق یہ ہے کہ سب کرنے والا ذمی اگر اعلانیہ سب وشتم کرے تو قتل کیا جائے گا، اس کی صراحت (امام برہان الدین ابن مازۃ نے) ''**الذخیرہ البرھانیۃ**'' کی کتاب السیر میں کی ہے''۔

اور ذمی گستاخ کے قتل کے بارے میں علامہ شامیؒ معروف حنفی محدث وفقیہ علامہ بدرالدین عینیؒ (م:855ھ) کا مختار نقل فرماتے ہیں:

❑ ''میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ سب وشتم میں (ذمی کو) قتل کیا جائے گا۔اس کے حوالے سے علامہ ہاشم مزید لکھتے ہیں: اگر مسلمان نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے پر قتل کیا جائے گا، تو جب اس کا ارتکاب کرنے والا مجرم، دین کا دشمن ہو تو اسے کیسے چھوڑا جائے؟''

اور اس کے حوالے سے علامہ ابن عابدین شامیؒ، امام محمدؒ (المتوفی: 189ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں جو شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی:483ھ) نے امام محمدؒ کی ''**السیر الکبیر**'' کی شرح میں لکھا ہے، اس کی عبارت اس طرح ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

❑ ''بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے عورتوں، چھوٹے بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر عورت لڑنے والوں کی معاونت کرے تو اس کے قتل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح حضرت حسن اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ سے منقول ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک مقتولہ عورت کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے قتل کو ناپسند فرمایا اور پوچھا کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اسے قتل کیا ہے، میں نے اسے اپنے پیچھے سوار کیا، پس اس نے

مجھے قتل کرنا چاہا تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور اسے دفن کر دیا گیا۔ اور ایسے ہی اگر اعلانیہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے تو اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں۔ ابواسحاق ہمدانی سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی، میں نے ایک یہودیہ کو سنا کہ وہ آپ کی توہین کر رہی ہے، اللہ کی قسم یا رسول اللہ ﷺ! وہ میرے ساتھ حسن سلوک کرتی تھی، پس میں نے اسے قتل کر دیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔

اس کے علاوہ امام محمدؒ نے عمیر بن عدی کے ہاتھوں عصماء بنت مروان کے توہین رسالت پر قتل سے بھی استدلال کیا ہے۔

اور ذمی کی گستاخی پر قتل کے بارے میں معروف فقیہ علامہ شیخی زادہؒ لکھتے ہیں:

''بہر حال جب (ذمی) اعلانیہ آپ ﷺ کی گستاخی کرے یا اس کا عادی ہو تو حق یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا، کیونکہ ایک عورت اعلانیہ آپ ﷺ کی گستاخی کرتی تھی تو اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے اور آج فتویٰ بھی اسی پر دیا جائے گا''۔

اس کی تصریح علامہ شامیؒ نے بھی فرمائی ہے۔

''اگر اعلانیہ آپ ﷺ کی گستاخی کرے یا اس کا عادی ہو تو قتل کیا جائے گا چاہے عورت ہی کیوں نہ ہو آج اسی پر فتویٰ دیا جائے گا''۔

مسلمان اگر گستاخی کرتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے واجب القتل ہے۔ اس کے قتل میں کوئی اختلاف نہیں، رہا ذمی کا معاملہ تو اس کی گستاخی کرنے پر قتل کرنے میں اس چیز میں اختلاف ہے کہ آیا اس کا عقد ذمہ بھی اس جرم میں ختم ہو جائے گا یا وہ باقی رہے گا۔ کیونکہ اگر اس کا عقد ذمہ بھی ختم ہو جائے تو قتل ہونے پر اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوگا بلکہ مال فی کی طرح ہو جائے گا اور حکومت عوام کی ضروریات پر خرچ کرے گی۔ لیکن اگر عقد ذمہ باقی رہتا ہے تو اس صورت میں اس کے قتل پر اس کا مال اس کے ورثا کی ملکیت میں چلا جائے گا۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آیا وہ حداً قتل ہوگا یا تعزیراً / سیاسۃً اس کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامیؒ

تفصیلی بحث لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں اور ہمارے نزدیک متون و شروح میں صراحت موجود ہے کہ ذمی کا عہد نبی اکرم ﷺ کی سب و شتم سے، اور ایسے ہی جزیہ کے انکار سے، مسلمان عورت کے ساتھ زنا سے اور مسلمان کے قتل پر بھی نہیں توڑا جائے گا۔ شیخ الاسلام علامہ بدرالدین العینی نے جزیہ کے نہ دینے پر عہد کے ٹوٹنے کی روایات ذکر فرمائی ہیں۔ اور امام شافعی سے نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کرنے پر عہد کے ٹوٹنے کو نقل کیا ہے۔ پھر فرمایا اور میرا مختار یہی ہے یعنی جو امام شافعی نے اس کے بارے میں کہا (عہد کا ٹوٹنا) اور علامہ محقق شیخ کمال الدین ابن الہمام نے فرمایا۔ کہ ذمی نبی اکرم ﷺ کو سب و شتم کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کی طرف ایسی چیز کی نسبت جو اس کے شایان شان نہ ہو اگر وہ اس کا عقیدہ نہیں رکھتے جیسا کہ اللہ کی طرف ''ولد'' (بیٹے) کی نسبت کرنا حالانکہ وہ اس سے بلند اور پاک ہے، جب ظاہراً (گستاخی) کرے تو اس پر قتل کیا جائے گا اور اس کا عقد ذمہ ٹوٹ جائے گا''۔

اس پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ (گستاخ) ذمی کا قتل ہمارے نزدیک جائز ہے مگر وہ بطور حد نہیں بلکہ تعزیراً قتل ہوگا اور اس کا قتل ہونا مذہب کے مخالف نہیں ہے۔

اس پر مزید دلائل دیتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

''علامہ ابن عبدالبر اپنی کتاب الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ انصار کے بنوخطمہ قبیلہ کے عمیر القاری نابینا کی بہن نبی اکرم ﷺ کو سب و شتم کیا کرتی تھی۔ پس انہوں نے اسے قتل کر دیا تھا...... اگر یہ اعتراض ہو کہ اسے کیسے قتل کیا جا سکتا ہے حالانکہ ہمارے نزدیک تو (صرف) کفر کی وجہ سے عورتیں قتل نہیں کی جاتیں۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اسے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے قتل کیا گیا کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ہجو کرتی اور آپ کو اذیت دیتی اور کافروں کو آپ کے خلاف ابھارتی تھی۔ اور تحقیق (علماء) نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جادوگر کو قتل کیا جائے گا، چاہے وہ عورت

ہی کیوں نہ ہواوراس میں کوئی شک نہیں کہ اس (شاتمہ) کا جرم جادوگر، زندیق اور ڈاکو سے بڑھ کر ہے۔ پس اس عورت کی مثل جو بھی اعلانیہ سب وشتم کرے، اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور ابن کمال سے الدرالمختار میں جو نقل کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فتح القدیر میں سب وشتم کرنے والے ذمی کے قتل کا قول محرر مذہب امام محمد بن الحسنؒ کا ہے۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اکثر احناف کا یہی قول ہے (کہ اسے قتل کیا جائے گا) اگرچہ گرفتاری کے بعد وہ اسلام قبول کر لے۔ یہ بات مذہب کے مخالف نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک مذہب یہ ہے کہ ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ اس کا مفہوم ومعنی یہ ہے کہ ذمی کو حربی کی طرح نہیں لیا جائے گا کہ اس کو غلام بنا کر اس کا مال مسلمانوں کے لیے مال فی قرار دیا جائے اور یہ متون وشروح کے موافق قول ہے کہ ''**ولا ینعض عهده**'' کہ اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اسے قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور عہد نہ توڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا ذمی جب اعلانیہ تکرار کے ساتھ گستاخی کرے تو چاہے اسلام لے آئے تب بھی اسے سیاسۃً قتل کیا جائے گا۔

اس عبارت سے اس مغالطہ کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ جو اس کلمہ ''**لاینعض عهده**'' ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا، سے پیدا ہوتا ہے کہ اس کو قتل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اس کی وضاحت کر دی کہ عہد نہ ٹوٹنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اسے سزا بھی نہیں دی جا سکتی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک مرتبہ عقد ذمہ قبول کر لینے کے بعد جزیہ سے انکار، مسلمان عورت سے زنا اور مسلمان کے قتل کرنے پر اس کا عقد ذمہ نہیں ٹوٹتا، مگر ان جرائم پر عہد نہ ٹوٹنے کے باوجود بھی وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ پہلے دو جرائم کے علاوہ قتل میں وہ بھی قصاصاً قتل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح توہین رسالت ﷺ پر جنہوں نے اس بات کا قول کیا ہے کہ ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سزا بھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے باوجود وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ ہاں اگر عہد نہ ٹوٹنا تسلیم کر لیا جائے تو اس کو صرف اتنا فائدہ ملتا ہے کہ قتل ہونے پر اس کا مال اس کے وارثوں کو ہی ملتا ہے، مسلمانوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر عہد کا ٹوٹنا بھی لازم آئے تو اس کے وارث اس

کی وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں اور اس کا مال حکومت لے لیتی ہے جو مسلمانوں پر خرچ ہوتا ہے۔اور اس حکم میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں، دونوں کو قتل کیا جائے گا۔علامہ ابن عابدین شامیؒ یہی حکم علامہ حصکفی ابن کمال پاشاؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اور حق بات یہ ہے کہ اگر اس (ذمی) نے اعلانیہ بارگاہ رسالت ﷺ میں توہین کی تو قتل کیا جائے گا۔سیر الذخیرہ میں اسی کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا: امام محمدؒ نے اعلانیہ گستاخی کرنے والی عورت کو قتل کرنے کے جواز کے لیے استدلال اس روایت سے کیا کہ بے شک عمر بن عدی نے جب یہ سنا کہ عصماء بنت مروان رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتی ہے تو آپ نے اسے رات کو قتل کر دیا جس پر نبی اکرم ﷺ نے آپ کی تحسین فرمائی۔

مذکورہ بالا بحث میں فقہا کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ متاخرین فقہا احنافؒ میں ذمی کو توہین رسالت ﷺ کے جرم میں قتل کرنے کی علت میں تو اختلاف ہے مگر اس کے حکم میں اتفاق ہے۔علت کا ایسا اختلاف جو مفضی الی المنازعہ نہ ہو اور نہ ہی اس کے حکم میں اختلاف ہو تو فقہ میں اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔لہٰذا ذمی کو توہین رسالت ﷺ کے قبیح جرم کے ارتکاب پر قتل ہی کیا جائے گا، یہ کسی قسم کی معافی کا مستحق نہیں ہے''۔

(تحفظ ناموس رسالت ﷺ، اسلامی و عالمی قانون از ابوتراب حبیب الحق کاظمی ایڈووکیٹ)

معروف قانون دان جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ اس نوع کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''قانون ناموس رسالت کے بارے میں ریٹائرڈ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا تازہ ترین ارشاد ہے کہ غیر مسلموں پر اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے لیے وہ فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ ڈھونڈ کر لائے ہیں اور ایک ماڈرن مفسر قرآن جسٹس ایم بی احمد کی کتاب ''بھارت میں انصاف کی عمل داری'' کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں آیت قرآنی ''**لکم دینکم ولی دین**'' کی تفسیر دل پذیر بیان کی گئی ہے۔مزید برآں ان کا یہ بھی

ارشاد ہے کہ مغل دور اور اس سے قبل کے مسلمان حکمرانوں نے لبرل اسلامی ریاستیں یعنی سیکولر ریاستیں قائم کی تھیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک ہوتا رہا ہے اور ایسی ہی ریاست کا قیام علامہ اقبال اور قائداعظم کے پیش نظر تھا۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ان اسلامی ریاستوں میں سوروں کی فروخت کھلے عام ہوتی تھی اور ان کا گوشت کھانے پر کوئی پابندی نہیں تھی اور حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت سے انکار پر غیر مسلموں کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ ان کا یہ بیان پڑھ کر سخت حیرت اس لیے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے جو تاریخ کے طالب علم ہیں اور اس وقت بھی سینٹ یعنی ایوان بالا کے رکن رکین ہیں، پوری تحقیق اور تصدیق کے بغیر ایسی باتیں کہی ہیں جو اصل واقعہ کی غلط تعبیر اور تاریخی صداقت کے یکسر خلاف ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب ''انکار'' اور ''دشنام'' کے واضح فرق سے بھی ناواقف ہیں۔ غیر مسلم تو پیغمبر اسلام کی نبوت سے انکار کی وجہ سے غیر مسلم کہلاتے ہیں، اس لیے تو اسلامی ریاست میں ذمی یا معاہد کی حیثیت سے رہنے کے حق سے آج تک کسی نے انہیں محروم نہیں کیا۔ لیکن حضور رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب کو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کبھی کسی اسلامی حکومت نے معاف نہیں کیا اور جہاں اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت نہ رہی ہو، وہاں مسلمان سرفروشوں نے شاتم رسول ﷺ کو کیفر کردار تک پہنچا کر خود دار و رسن کو چوم لیا۔ برصغیر پاک و ہند میں اس کی سینکڑوں تابندہ مثالیں موجود ہیں۔ زندہ دلان کے اسی شہر لاہور میں غازی علم الدین شہید نے جب گستاخ رسول ﷺ راج پال کو ہلاک کر دیا تھا تو اس کی طرف سے قائداعظم نے مقدمہ کی پیروی کی تھی، اس کو پھانسی کی سزا پر ڈاکٹر صاحب کے والد گرامی علامہ اقبال نے فرمایا تھا ''ترکھان دا پتر ساڈے کولوں بازی لے گیا''۔ غازی شہید کے والد نے اپنے لخت جگر کی نماز جنازہ کی امامت کا حق بھی علامہ کو تفویض کیا تھا جو جنازگاہ میں بچشم تر موجود تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ اقبال جن کی فقہ اسلامی پر گہری نظر تھی، غیر مسلم شاتم رسول ﷺ کو بھی اسلامی قانون کی رو سے واجب القتل سمجھتے تھے

اور غازی علم الدین کے اس اقدام کو انھوں نے خراج تحسین پیش کیا تھا۔

میں علی البصیرت پوری علمی دیانت داری سے بلا خوف تردید یہ کہتا ہوں کہ مجھے کہیں بھی کسی فقہ کا یہ فتویٰ دستیاب نہ ہو سکا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ سرکار رسالت مآب ﷺ کی اہانت، توہین اور گالیاں دینے والے غیر مسلموں کے لیے اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں۔ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا، سزائے موت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ خود سرکار رسالت مآب ﷺ کے حکم سے یہودیوں اور غیر مسلموں کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ نہ صرف عہد خلفائے راشدینؓ، دور بنی امیہ اور بنو عباس کے دور میں بلکہ اسپین اور جہاں جہاں بھی مسلمان حکومتیں موجود تھیں، وہاں توہین رسالت ﷺ کی یہی سزا برقرار رہی۔ اس سلسلہ میں یہاں صرف دو تاریخی واقعات کا حوالہ دینے پر اکتفا کروں گا۔ ایک واقعہ تو مغل شہنشاہ اکبر کے دور حکومت کا ہے جو کہ ڈاکٹر صاحب کا پسندیدہ سیکولر دور حکومت ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی کی زبانی موجود ہے جو اکبر کے نورتنوں میں شمار ہوتا تھا اور خود اس واقعہ کا چشم دید گواہ بھی ہے۔ یہ واقعہ اس دور کا ہے، جب اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیر اثر تھا اور سارا کاروبار حکومت دین الٰہی کے نام سے لادینی خطوط پر چل رہا تھا۔
ملا بدایونی کی شہادت درج ذیل ہے:

- ''عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (قاضی القضاۃ شیخ عبدالغنی) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیے ہوئے تھے لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی ساز وسامان اٹھوا لیا اور اس سے ایک صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی بھی اس نے توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوایا کہ وہ اسے لے کر آئیں۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا، آ کر بیان کر دیا اور کہا کہ اس

بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ اس نے گالیاں بکی تھیں۔ اس کی سزا کے خلاف علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا۔ دوسرا اس کے خلاف تعزیری سزا اور جرمانے پر زور دے رہا تھا۔ اس معاملہ پر بحث طویل پکڑ گئی۔ شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے، ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لیے سفارشیں کرتی رہیں لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اس لیے اس نے اس کی رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اس کے قتل کے لیے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی تم سے کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب سمجھو، وہ کرو جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دیا اور اس کی گردن ماری گئی''۔

(ملاحظہ ہو منتخب التواریخ المولف ملا عبدالقادر بدایونی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز صفحہ 606، 607)

دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت کا اور اسی لاہور سے متعلق ہے جبکہ زکریا خان (1707ء تا 1759ء) گورنر پنجاب تھا جس کا ذکر ہندو مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب ''پنجاب آخری مغل دور حکومت میں'' میں کیا ہے، جس کا اقتباس درج ذیل ہے:

❑ ''حقیقت رائے باگھ مل پور سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ نامی سکھ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو ایک اسکول میں داخل کیا گیا جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کیں۔ حقیقت رائے نے بھی انتقاماً حضور خاتم النبیین ﷺ اور سیدہ النسا حضرت بی بی فاطمہؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے جس پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کارروائی کے لیے بھیجا گیا۔ کچھ ہندو افسر، زکریا خان گورنر پنجاب کے پاس سفارش کے لیے پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہیں سنی (کارروائی مقدمہ کے بعد) اس کو سزائے موت دی گئی اور اس کی گردن

اڑادی گئی۔ یہ سال 1734ء کا واقعہ ہے"۔

اس کے علاوہ اسپین میں جب وہاں اسلامی حکومت قائم تھی، گستاخان رسول ﷺ کو وہاں کو عدالتوں سے یہی سزا دی جاتی رہی ہے جن کا ذکر قاضی ابو الفضل عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفاء" میں کیا ہے اور یورپین مورخین لین پول وغیرہ نے ان فیصلوں کا ہندو مورخ ڈاکٹر نجار کی طرح متعصبانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ جزیرۃ العرب، ہندوستان کے علاوہ ترکیہ، سمرقند اور بخارا، افغانستان اور تمام اسلامی ملکوں میں اس قانون کا ذکر علامہ آلوسی اور ابو اللیث سمرقندی کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ تمام ائمہ فقہ گستاخ رسول ﷺ کو، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ فقہ جعفریہ کی رو سے تو گستاخ رسول ﷺ موقع واردات پر ہی واجب القتل ہے۔ "فتاویٰ بزازیہ" اور "تنبیہ الولاۃ" جو فقہ حنفی کی مستند اور معروف کتابیں ہیں، ان کی رو سے بھی شاتم رسول ﷺ سزائے موت کا مستحق ہے۔ یورپ کے قانون توہین مسیح سے ڈاکٹر صاحب خود واقف ہوں گے۔ اس لیے ہم نے اس کا یہاں ذکر نہیں کیا جس کے تحت بھی گستاخان مسیح کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ اب بھی وہ قانون ترمیم کے ساتھ انگلستان اور آئرلینڈ میں موجود ہے۔ اس مضمون میں ہم نے اسلامی قانون کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اس پر اجماع امت ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت ہے جس پر فیڈرل شریعت کورٹ کا تاریخی فیصلہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومت پاکستان ایل ڈی 1991ء میں رپورٹ ہوا ہے۔ جس کے خلاف حکومت کی اپیل بھی سپریم کورٹ سے 1992ء میں بغیر دستبرداری خارج ہو چکی ہے جس کے بعد یہ فیصلہ حتمی اور آخری فیصلہ ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اسی فیصلہ کو ملاحظہ کر لیتے تو شاید انہیں یہ اشکال پیش نہ آتا۔ تمام فقہاء اسلام نے اہانت رسول ﷺ کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ غالباً مشہور فقیہہ اسلام ابن سحنون کا فتویٰ ڈاکٹر صاحب کی نظر سے نہیں گزرا جو حسب ذیل ہے۔

❑ "تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے اور جو شخص اس بارے میں یا اس کی سزا کے بارے میں شک کرے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے"۔

مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب کا ’’رواداری‘‘ سے کیا مطلب ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی شان رفعت اور علو مرتبت کا تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ہمارے محبوب راہنماؤں، قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کو گالی دے تو ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی ان غیر منطقی موشگافیوں سے غیر مسلموں کو حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گالیاں دینے کا کھلا لائسنس نہیں مل جائے گا؟ میری محترم ڈاکٹر صاحب سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ ایسے انتہائی نازک اور حساس مسائل پر بغیر تحقیق گفتگو سے احتراز فرمائیں تو ملت اسلامیہ پر احسان ہوگا۔ خود ان کے بقول علامہ اقبالؒ نے ان کی بے احتیاطی پر خواب میں آکر انہیں ٹوکا بھی تھا اور ان سے ناراض بھی ہوئے ہیں جس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف ’’زندہ رود‘‘ میں کیا ہے۔

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، از محمد اسماعیل ایڈووکیٹ)

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ فقہ حنفیہ میں گستاخ رسول کی سزا نہیں ہے یا گستاخ رسول کی توبہ قبول کر کے اُس کو معاف کر دینا چاہیے، سراسر لاعلمی پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں جید علما وفقہا کی مستند آرا اور حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

معروف حنفی فقیہ ابوبکر بن المنذرؒ لکھتے ہیں:

- ترجمہ: ’’اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی ﷺ کی توہین کرتا ہے، اُس کی سزا قتل ہے‘‘۔ (حاشیہ ردالمختار، باب المرتد، جلد 4، صفحہ 232)

مشہور معتبر حنفی فقیہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

- ترجمہ: ’’پس اگر ذمی اعلانیہ حضور اکرم ﷺ کو گالی دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اگرچہ عورت ہو اور آج کے دور میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔‘‘ (فتاویٰ شامی، جلد 2، صفحہ 331)
- ترجمہ: ’’شاتم رسولؐ کے کفر اور واجب القتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، چاروں اماموں سے یہی منقول ہے‘‘۔

(فتاویٰ شامی، جلد 3، صفحہ 318، 406)

- ترجمہ: ”ہر کافر جو توبہ کرتا ہے، اس کی توبہ دنیا اور آخرت میں قبول ہو گی، لیکن ایک جماعت ایسی ہے کہ جن کی توبہ قبول نہیں ہو گی، ان میں سے ایک وہ کافر بھی ہے جو آپ ﷺ پر سب وشتم کرنے اور گالیاں دینے کی وجہ سے کافر ہوا۔

(الاشباہ والنظائر، کتاب السیر، باب الردۃ صفحہ 189)

فقہ حنفی کی مشہور شخصیت امام سرخسیؒ شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- ترجمہ: ”جس شخص نے رسول اللہ ﷺ پر شتم کیا، آپ ﷺ کی توہین کی، دینی یا شخصی اعتبار سے آپ ﷺ پر عیب لگایا، آپ ﷺ کی صفات میں کسی صفت پر نکتہ چینی کی تو چاہے، یہ شاتم رسول مسلمان ہو یا غیر مسلم، یہودی ہو یا عیسائی یا غیر اہل کتاب، ذمی ہو یا حربی، خواہ یہ شتم و اہانت عمداً ہو یا سہواً، سنجیدگی سے ہو یا بطور مذاق، وہ دائمی طور پر کافر ہوا، اس طرح پر کہ اگر وہ توبہ بھی کر لے تو اس کی توبہ نہ عنداللہ قبول ہو گی، نہ عندالناس اور شریعت مطہرہ میں متاخر و متقدم تمام مجتہدین کے نزدیک اس کی سزا اجماعاً قتل ہے۔“ (خلاصہ الفتاویٰ: جلد 3 صفحہ 682)

علامہ محمد بن عبدالواحد السیواسی الاسکندرانی ابن الھمامؒ کی کتاب ”فتح القدیر“ فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہلاتی ہے، وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں:

- ترجمہ: ”جس شخص نے بھی رسول اللہ ﷺ سے دلی طور پر بغض رکھا، وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ تو گالی دینے والا تو بطریق اولیٰ مرتد ہو گا۔ اور پھر ایسا شخص ہمارے نزدیک بطور حد قتل کیا جائے گا۔ اور قتل کے بارے میں اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ یہی اہل کوفہ اور حضرت امام مالکؒ کا مذہب ہے اور

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے بھی یہی مذہب منقول ہے"۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ کا شمار بھی معتبر و مشہور فقہا احناف میں ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

- ترجمہ: "اگر کوئی مسلمان نشہ کی حالت میں مرتد ہو جائے تو اس پر مرتد ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں، البتہ اگر وہ نبی کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اس پر مرتد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اس کو قتل کیا جائے گا، اس کو معافی نہیں دی جائے گی۔" (الاشباہ والنظائر جلد 1، صفحہ 289)

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

- ترجمہ: "جب ایک مسلمان توہین رسالت کر کے کافر ہو کر واجب القتل ہو جاتا ہے تو ایک دشمن دین توہین رسالت ﷺ پر کیوں واجب القتل نہیں ہوتا۔"

علامہ ابوالطیب سندھی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

- "گستاخ رسول کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔" (حاشیہ سندھی علی النسائی جلد 2، صفحہ 153)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ امام محمدؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- ترجمہ: "امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں فرمایا ہے اور اسی طرح اگر عورت رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ گالی دے تو اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے۔" .... "حق بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ذمی کو قتل کیا جائے گا جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کو علانیہ گالی دے اور سیر الذخیرہ میں اس کی صراحت مصنف نے کی ہے، جہاں اس نے کہا کہ امام محمدؒ نے عورت کو قتل کرنے کے بیان میں استدلال کیا ہے جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کو اعلانیہ گالی دے۔"

(اعلام السنن: جلد 12، صفحہ 505)

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ لکھتے ہیں:

❑ ''اس امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب وشتم یا آپ ﷺ کی ذات میں عیب چینی موجب کفر وارتداد وقتل ہے۔ ملا علی قاریؒ ''شرح متفاد جلد دوم صفحہ 393'' پر فرماتے ہیں کہ ''تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سب وشتم کرے (وہ مرتد ہے) اس کو قتل کر دیا جائے گا۔'' محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ابوداؤد شریف کے ایک روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اکثر احناف نے اس ذمی کے قتل کا فتویٰ دیا ہے جو آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہو اگر چہ وہ گرفتاری کے بعد مسلمان بھی ہو جائے، تب بھی اسے قتل ہی کیا جائے گا۔ (بذل المجہود: جلد 2، صفحہ 125)

ایک بھی معتبر حنفی عالم نہیں جو قتل سے کم تر فتویٰ دیتا ہو۔ مفتی بغداد اور نام وَر حنفی فقیہ علامہ آلوسی بغدادی اپنی مشہور تفسیر ''روح المعانی'' میں اسی آیت مبارکہ **وان نکثوا ایمانھم......** (التوبہ: 12) کے تحت اس شخص کا رد کرتے ہوئے جو ذمی شاتم رسول کے قتل کا قائل نہیں، ایک ایسا جملہ لکھتے ہیں جس کا جمالِ کیفیت اُردو میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اُن کے الفاظ ہیں:

وفيه لعمری بيع يتيمة الوجود ﷺ بثمن بخس والدنيا بحذ افيرها بل والآخرة بأسرها فی جنب جنابه الرفيع جناح بعوضة أو أدنى (روح المعانی: 253/5)

مختصراً مفہوم یہ ہے کہ توہین رسالت ﷺ کے ذمی مجرم کو قتل نہ کرنا گویا حضور اکرم ﷺ کی حرمت کو حقیر عوض کے بدلے بیچنا ہے، جب کہ کل دنیا کی قیمت آپ ﷺ کی حرمت عظیمہ کے مقابلے میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں!

اعتراض نمبر 15

کہا جاتا ہے کہ مغرب میں ہر طرح کی آزادی اظہار ہے، آزادی

اظہار یورپ کا مذہب ہے، وہ اس پر کسی معمولی قدغن کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مسلمانوں کو یورپ کے اس ''مذہب'' کا احترام کرنا چاہیے۔ پاکستان میں آزادئ اظہار پر پابندی ہے، اس لیے یہ ترقی نہیں کر سکا۔

جواب: مغرب جو آزادی اظہار، آزادی رائے، آزادی تقریر و تحریر، حقوق انسانی، امن و آشتی، روشن خیالی، علم و شعور، وسعت نظر، تحمل، برداشت، عدم تشدد، مذہبی رواداری، شہری آزادی، فہم و تدبر، جمہوریت، حقوق نسواں اور دنیا بھر میں سب سے زیادہ مہذب ہونے کا پرچارک اور بلاشرکت غیرے چیمپین بننے کا دعویدار ہے۔ یہاں ہر رنگ، ہر نسل، ہر قوم اور ہر مذہب کے افراد رہتے ہیں جنہیں یکساں حقوق حاصل ہیں مگر حیرت انگیز طور پر مسلمانوں کے ساتھ اسلام دشمنی کی آڑ میں نفرت انگیز اور متعصّبانہ رویہ رکھا جاتا ہے۔ **نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ**، مغرب میں شراب خانوں کو مدینہ اور نائٹ کلبوں کو مکہ کا نام دیا جاتا ہے، کبھی جوتیوں پر قرآنی آیات منقش کر دی جاتی ہیں، کبھی زیر جامہ پر اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے والی تحریریں لکھ دی جاتی ہیں، مسلمانوں کی مسجدوں پر حملے اور ان کی بے حرمتی معمول کی بات ہے، گنبد اور مینار بنانے پر پابندی ہے۔ برقع اور سکارف کو اپنی تہذیب کے خلاف قرار دے کر پابندی لگا دیتے ہیں۔ راہ چلتی برقع پہنے خواتین پر تھوکا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں مردوں اور عورتوں کے سرعام ننگے ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ داڑھی اور پگڑی کو نفرت کی علامت بنا دیا گیا ہے، ایسے مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے بند ہیں۔ اسامہ بن لادن کی داڑھی اور پگڑی والی تصویریں جوتوں اور انڈر ویئر پر شائع کر کے فروخت کی جاتی ہیں۔ خواتین کے ملبوسات پر مقدس قرآنی آیات چھاپنا، پھر ان ملبوسات کی نمائش کے لیے خواتین کی کیٹ واک کرنا، شراب کی بوتلوں کے ڈھکنوں، کوکا کولا کے کین، فٹ بال اور جوتوں پر کلمہ طیبہ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لکھنا، اسلام کی مقدس شخصیات کے کرداروں پر فلمیں بنانا، مسجد اقصیٰ میں خنزیر کا سر رکھنے کے شر انگیز واقعات، پرنٹ میڈیا میں اسلامی مقدس شخصیات

کی خیالی تصاویر شائع کرنا اوران کے خیالی مجسمے بنانا، اسم محمد کو انگریزی میں بگاڑ کر لکھنا، رسائل و جرائد اور کتابوں میں توہین کرنا، انٹرنیٹ پر قرآنی آیات میں تحریف کرنا، فرشتوں، پیغمبروں، رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی فرضی تصاویر اور غلط فرضی معلومات فراہم کرنا تو مغرب کا روزہ مرہ کا معمول ہے۔ افسوس ہے کہ یہ سب کچھ آزادی مذہب اور آزادیٔ اظہار کے نام پر کیا جاتا ہے۔

آزادیٔ اظہار کے علمبرداروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ خود یورپ میں بھی آزادیٔ اظہار بے لگام نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ اٹھارویں صدی تک اس معاملہ میں ہمارے ہم خیال رہے ہیں اور توہین رسالت کے مجرموں کو سنگین ترین سزائیں دیتے رہے ہیں۔ ایک پادری ڈیوڈ کو **1579**ء میں حضرت عیسیٰؑ کی اہانت پر ہنگری میں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ روم میں برونو کو **1600**ء میں توہین رسالت کی سزا کے طور پر زندہ جلایا گیا۔ برطانیہ میں بھی **1553**ء کے مذہبی قوانین کے مطابق پانچ افراد کو حضرت عیسیٰؑ کی گستاخی پر ایلزبتھ کے دور میں زندہ جلا دیا گیا۔ سکاٹ لینڈ میں بھی عیسائیت کی توہین کی سزا موت تھی۔ امریکہ میں بھی **1611**ء کے قوانین کے تحت توہین رسالت کی سزا موت مقرر کی گئی تھی۔ اٹھارویں صدی میں ان سزاؤں میں کمی کا رجحان تو پیدا ہوا لیکن انہیں کلیتاً ختم نہ کیا گیا۔ برطانیہ میں **1821**ء اور **1834**ء کے درمیانی عرصہ میں **73** مجرموں کو سزا دی گئی جبکہ امریکہ میں مختلف ریاستوں میں **1838**ء تک تقریباً اسی قدر مجرموں کو توہین رسالت و مذہب پر سزائیں دی گئیں۔ الیور کرامویل کے دور **1648**ء تا **1660**ء میں تثلیث کے انکار یا عیسائی عقیدے کے کسی بھی جزو کی توہین مستوجب سزائے موت تھی۔ مذہبی مقدمات کے لیے اس دور میں مذہبی عدالتیں ہوتی تھیں۔ پھر مذہبی مقدمات کی سماعت عام عدالتوں کے سپرد کر دی گئی۔ **1677**ء میں توہین مذہب کے سلسلے میں موت کی سزا تو ختم کر دی گئی لیکن عدالتیں توہین مذہب کے ہر مقدمے میں بدستور شدید سزائیں دیتی رہیں۔ قانون میں کہا گیا تھا کہ مذہب کی توہین حقیقت میں معاشرے کے خلاف بغاوت ہے۔ توہین مذہب کے متعلق قانون

میں نرمی اس وقت آئی جب یورپ میں یہ حقیقت عملی طور پر تسلیم کر لی گئی کہ بائبل خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کی لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ بائبل کے تاریخ بن جانے کے بعد اس کی توہین بھی سنگین جرم نہ رہی۔ لیکن توہین کا قانون پھر بھی برطانیہ میں باقی رہا۔ اٹھارہویں صدی تک عدالتوں کے سامنے توہین عیسائیت یا توہین بائبل کا جو بھی مقدمہ آتا، وہ اس میں سخت سزا دیتیں۔ 1813ء کے بعد عقیدہ تثلیث کا انکار اگرچہ قانون توہین سے خارج کر دیا گیا تاہم مذہب کی توہین، فوجداری قانون کے دائرے میں رہی۔ عیسائیت کے عقائد پر بحث وتمحیص تو جرم نہ رہی لیکن ان عقائد کی توہین بدستور مستوجب سزا رہی۔ یہ قانون اب بھی موجود ہے، اگرچہ اس پر عمل شاذ ہوتا ہے۔

1838ء میں یکایک امریکہ میں کامن ویلتھ بنام نی لینڈ کے مقدمہ میں عدالت نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ مذہبی امور کو عدالتی اور حکومتی امور سے الگ رکھا جائے۔ اسی طرح 1883ء میں برطانیہ کے لارڈ چیف جسٹس نے پریس کی آزادی کو اس اہم قانون پر ترجیح دے دی اور یوں ان کے ہاں توہین رسالت کرنے والوں کو کھلی چھٹی مل گئی۔ اس کے بعد اگرچہ 1968ء کے بعد امریکہ میں ایک بھی ایسا مقدمہ دائر نہیں ہوا، لیکن ماضی میں امریکہ میں جو ماجرا ڈیوڈ کے ساتھ پیش آیا، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں گستاخ رسول کے قانون میں جو لچک دے دی گئی تھی، اس کے غلط ہونے کا اندازہ ان کو بخوبی ہو گیا ہے۔ لیکن اب اس کا اعتراف کرنے کے بجائے وہ ایسے مجرموں کو عدالتوں سے بالا بالا ہی کیفر کردار تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔

1985ء میں امریکہ کی ریاست ٹیکساس کے شہر والو میں ایک شخص ڈیوڈ کوریش (David Koresh) نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ اپنے آپ کو (Yeh Weh) پرانی کتابوں میں خدا کے نام سے کہلواتا تھا۔ اس نے ٹیکساس میں دو ایکڑ اراضی پر اپنی قلعہ نما رہائش تعمیر کروائی ہوئی تھی۔ وہ وہاں اپنی بے شمار نوجوان بیویوں، بچوں اور پیروکاروں کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ اس قلعے میں عیاشی کا مکمل سامان موجود تھا۔ اس کے پیروکار ہمہ وقت شراب وشباب میں ڈوبے رہتے۔ یہی ان کی عبادت تھی۔ اس کے

پیروکاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر کار اپریل 1993ء میں امریکی صدر بل کلنٹن نے ایف بی آئی کو اس کا قلعہ تباہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فروری 1993ء میں تربیت یافتہ کمانڈروز نے بکتر بند گاڑیوں کی مدد سے چھاپہ مارا تو دونوں اطراف سے فائرنگ شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں 10 سے زائد افراد جاں بحق ہو گئے۔ پولیس نے 51 دن تک عمارت کا محاصرہ کیے رکھا۔ بالآخر عمارت کو آگ لگا دی گئی جس سے ڈیوڈ سمیٹ 100 سے زائد افراد ہلاک ہو گئے۔ جن میں 21 چھوٹے بچے بھی شامل تھے۔

ہم اس اقدام کی تائید کرتے ہیں کہ جعلی عیسیٰ ہونے کے دعویدار کو قتل ہونا چاہیے لیکن ہم یوں سو افراد کو زندہ جلانے کے اقدام کی حمایت نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی ذی روح کو آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ کسی کو آگ کا عذاب دے۔ تاہم یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دعویدار جھوٹا مسیح موعود امریکہ میں دعویٰ کرتا ہے تو وہاں کی حکومت اس فتنہ کا فوراً قلع قمع کر دیتی ہے لیکن جب کوئی جھوٹا مسیح موعود پاکستان میں پیدا ہوتا ہے تو امریکی حکومت نہ صرف اس کی سرپرستی کرتی ہے بلکہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالتی ہے کہ اس کا ہر صورت میں خیال رکھا جائے۔ آخر یہ منافقت کیوں؟ جس طرح جعلی عیسیٰ بننے اور اس پر ایمان لانے والوں کو سزا دی گئی ہے، اس طرح جعلی محمد بننے اور نبوت و رسالت کے لٹیروں پر بھی اس سزا کا اطلاق ہونا چاہیے اور اگر حکومت پاکستان اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھاتی ہے تو اس پر کسی کی ناک بھنویں نہیں چڑھنی چاہئیں۔ اگر حقوق انسانی کی تنظیموں کو سو کے قریب انسانی جانوں کا زندہ جلا دینا انسانی حقوق کی خلاف ورزی نظر نہیں آیا (جیسا کہ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہوا) تو پھر کسی کو ایسے ہی کسی جرم میں پھانسی چڑھا دینا کیونکر انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوسکتا ہے؟ اگر گستاخ رسول ﷺ کی سزا، سزائے موت انسانی حقوق کے منافی ہے تو سو انسانوں کو زندہ جلا دینا بدرجہا اولیٰ انسانیت کا قتل قرار پاتا ہے اور جب اپنے پرائے، مذہب کے نام پر جعل سازی کرنے والوں کی سزا پر متفق ہیں تو گستاخ

رسول ﷺ کی سزا پر بھی کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب کو دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہ تیر نظر نہیں آتا اور اسلامی قوانین ہی کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا جا رہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاست یا حکمران کے خلاف غداری یا توہین مسیحؑ کا ارتکاب کرنے پر سزائے موت دینے والے گستاخ رسول ﷺ کی سزا، سزائے موت پر کیوں چیں بہ جبیں ہیں؟

2003ء میں معروف امریکی مصنف اور ناول نگار ڈان براؤن Dan Brown نے ایک ناول ''دی ڈونچی کوڈ'' The DaVinci Code لکھا۔ عیسائی راہنماؤں کا کہنا تھا کہ اس ناول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر رکیک حملے کیے گئے ہیں اور مصنف نے حضرت مسیح کی شخصیت کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے انتہائی دریدہ دہنی کا ثبوت دیا ہے۔ عیسائی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ یہ ناول عیسائیت کے خلاف ایک گھناؤنی سازش کا ارتکاب ہے۔ بعد ازاں 2006ء میں ہالی وڈ نے اس ناول پر فلم بنائی جس پر عیسائی دنیا نے زبردست احتجاج کرتے ہوئے اس ناول اور فلم پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ بعض ممالک میں اس متنازعہ ناول کی اشاعت، خرید و فروخت اور فلم کی نمائش وغیرہ پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس متنازعہ ناول کے خلاف معروف عیسائی مصنف ارون ڈبلیو لٹزر نے ایک کتاب شائع کی جس کا ترجمہ ''ڈونچی کوڈ کے پس پشت کیا ہے؟'' کے نام سے معروف عیسائی ادیب ڈاکٹر کنول فیروز نے کیا جسے پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور نے 2008ء میں شائع کیا۔ یاد رہے یہ وہی ڈاکٹر کنول فیروز ہیں جو پاکستان میں برداشت، رواداری اور آزادئ اظہار کے بڑے مبلغ تصور کیے جاتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ جب یورپی اخبارات و رسائل نے حضور نبی کریم ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع کیے تھے تو دنیا بھر کے مسلمانوں کے بھرپور احتجاج پر یورپی کمیشن کے صدر جوز مینوئل بارو سے (Jose Manuel Barrose) نے اس ناپاک جسارت کا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ آزادی اظہار ہے اور آزادی اظہار پر کوئی بات نہیں ہو سکتی

کیونکہ یہ ہمارے آزاد اور جمہوری یورپی معاشرے کی ایک اہم اورضروری قدر ہے۔ حالانکہ ایسا عمل آزادیٔ رائے کا مسئلہ نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے۔

2004ء میں ہالی وڈ کے معروف ہدایت کار مل گبسن (Mel Gibson) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر ایک نئی فلم The passion of the Christ ''دی پیشن آف دی کرائسٹ'' ریلیز کی جس نے امریکی سینماؤں میں کامیابی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ اس فلم میں بائبل کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آخری 12 گھنٹوں میں یہودیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیے جانے والے بیہمانہ ظلم و تشدد کو جس انداز میں دکھایا گیا، خدشہ تھا کہ امریکہ میں عیسائی یہودی فسادات شروع ہو جاتے۔ چنانچہ یہودیوں کے احتجاج پر امریکی حکومت نے اس فلم کی نمائش پر فوری پابندی لگا دی۔ حالانکہ اس فلم نے ابتدائی چند ہفتوں میں 600 ملین ڈالر کا بزنس کیا تھا۔

اس کے برعکس دوسری طرف ملاحظہ کیجیے کہ جب ڈچ پارلیمنٹ ممبر Greest Wilders نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے دل آزاری کرتے ہوئے ان کی مقدس کتاب قرآن مجید پر ایک دستاویزی فلم فتنہ کے نام سے 27 مارچ 2008ء کو ریلیز کی تو اسے تمام مغربی ممالک نے نہ صرف سراہا بلکہ اسے مکمل تعاون کی یقین دہانی بھی کروائی۔ مسلمانوں کے احتجاج پر Greest Wilders نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید ایک دہشت گرد کتاب ہے۔ جس کی تعلیمات تشدد پر اکساتی ہیں۔ اس لیے اس نے یہ فلم بنائی۔

آزادی اظہار مغرب کے پاس ایک ایسا ہتھیار ہے جسے وہ جب چاہے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے اور جب چاہے اپنے مفادات کے لیے استعمال کرے۔ امریکہ میں شائع ہونے والے ناول "The Last Temptation of Christ" پر 1988ء میں اس نام سے بننے والی فلم ریلیز ہوئی۔ اس فلم میں نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک عورت سے بوس و کنار کرتے ہوئے دکھایا گیا جس پر عیسائیوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ بعدازاں عیسائیوں نے بعض سینما گھروں پر پتھراؤ کیا اور ان کو نقصان پہنچایا۔

چنانچہ 2010ء میں کئی ملکوں میں اس کی نمائش پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بائبل کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور واقعات پر بنائی جانے والی مشہور فلم "The Ten Commandments" پر ڈنمارک میں پابندی عائد کی گئی۔ یہ پابندی ایک معمولی یہودی کی درخواست پر عائد کی گئی۔ کہا گیا کہ اس میں یہودیوں کی دل آزاری پر مشتمل کئی مناظر ہیں جس سے معاشرے میں نفرت پھیلنے کا خدشہ ہے۔ لہٰذا اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ حالانکہ اس فلم نے 2010ء تک 977 ملین ڈالر کا بزنس کیا تھا۔ 2009ء میں ایک مقدمہ (Warman v. Northern Alliance) درج کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ متعلقہ ویب سائٹ بند کی جائے جس پر ایسا مواد رکھا گیا ہے جس سے رومیوں، یہودیوں، ہم جنس پرستوں اور سیاہ فاموں کی دل آزاری ہو رہی ہے۔ اس پر کینیڈا کے قانون ضابطہ فوجداری کی دفعہ 54(1)(a) کے تحت حکم جاری کیا گیا اور ویب سائٹ بند کر دی گئی۔ اس کے علاوہ معروف ویب سائٹ www.wikipedia.com پر یہود و نصاریٰ کے مفادات پر زد پڑنے والی بے شمار کتابوں اور فلموں پر پابندی کی مکمل تفصیلات موجود ہیں۔

آزادی اظہار کے علمبرداروں کی منافقت ملاحظہ کیجیے کہ 1931ء میں ایک ہندو پنڈت نے سوامی دیانند کے خلاف ''رنگیلا رشی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں سوامی دیانند کی شرمناک کرتوتیں بیان کی گئی تھیں۔ ہندو پریس نے اس کتاب کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب پر فوری طور پر پابندی عائد کی جائے کیونکہ ایسی کتابیں ان کے لیے نہایت نقصان دہ ہیں۔ (ماہنامہ آریہ سماج، جلد 2، شمارہ 10، مارچ 1931ء) اس کے برعکس 1923ء میں جب ملعون راجپال نے دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کی محبوب ترین شخصیت حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس کے خلاف نہایت دل آزار کتاب شائع کی تو مسلمانوں کے ہاں کہرام مچ گیا اور کتاب کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی جلسے اور جلوس نکلنا شروع ہو گئے۔ اس پر تمام ہندوؤں اور ان کے پریس نے کھل کر ملزم راجپال کے موقف کی حمایت کی

اور اسے ہر ممکن اخلاقی، مالی اور جانی تعاون پیش کرنے کا اعلان کیا۔ پوچھنا چاہیے کہ مذہبی منافرت پھیلانے، نفرت انگیز مواد شائع کرنے اور مقدس ترین ہستیوں کی توہین کرنا کیا ہندو مذہب کا حصہ ہے؟ کیا ان میں اتنی بھی اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ وہ راجپال کی مذموم حرکت پر ملامت کرتے؟ عجیب ہے جب ان کے اپنے مذہبی راہنما پر تنقید ہوئی تو سب کو ''احترام'' یاد آ گیا۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ مغرب گستاخیِ رسول ﷺ کو آزادیٔ اظہار سے تعبیر کرتا ہے لیکن اس کے ہاں کسی شخص کو یہ جرأت نہیں کہ وہ ہولوکاسٹ Holo Caust پر ایک لفظ بھی ادا کر سکے۔ ہولوکاسٹ کا مفہوم یہ ہے کہ یہودیوں نے یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کے دورِ اقتدار میں پولینڈ کے شہر شوئز میں بنائے گئے گیس چیمبرز میں تقریباً 60 لاکھ یہودیوں کو قتل کیا گیا۔ اس بنیاد پر یہودیوں کی نمائندہ تنظیم، ''نیشنل جیوش کانفرنس'' نے یورپی اقوام سے مطالبہ کیا کہ ''ہٹلر نے دوسری جنگ عظیم کے دوران یہودیوں کا قتل عام کیا ہے، جس میں 60 لاکھ یہودی مارے گئے اور اب بہت تھوڑے سے یہودی باقی بچے ہیں جن کے پاس زمین کا کوئی ایسا خطہ موجود نہیں، جہاں وہ آزاد اور خود مختار حیثیت سے رہ سکیں، لہٰذا انہیں دوبارہ زندگی کی شروعات کے لیے ایک علیحدہ ریاست دی جائے۔ اس پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں اُن کو اسرائیلی ریاست الاٹ کردی گئی۔ بعد میں تحقیق ہوئی تو یہودیوں کا دعویٰ سراسر جھوٹا اور من گھڑت نکلا۔ تب یہودیوں نے ایک قانون بنوا دیا کہ ہولوکاسٹ کی مبینہ صداقت کو کہیں بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ جو شخص ہولوکوسٹ کے جھوٹ پر تحقیق کرے گا، وہ قابل گردن زدنی ہوگا۔ 19 جون 2004ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ نے حکومت کو یہ اختیار دیا کہ دنیا میں کبھی، کسی جگہ بھی اگر کوئی شخص 60 لاکھ کی تعداد کو کم بتانے کی کوشش کرے تو وہ اس پر مقدمہ چلا سکتی ہے اور اس ملک سے اسے نفرت پھیلانے کے جرم "Hate Criminal" کے طور پر مانگ سکتی ہے، گرفتار کر سکتی ہے اور سزا دے سکتی ہے۔ جرمنی جیسا ملک سالانہ 50 ملین مارک آج تک اسرائیل کو ادا کر رہا ہے اور یہ جرمانہ 2030ء تک ادا کیا

جائے گا۔ اب وہاں یہ سوال اٹھ رہا ہے کہ کیا واقعی اُس وقت جرمنی میں 60 لاکھ کے قریب یہودی موجود تھے؟

فروری 1988ء میں کینیڈین حکومت نے 'ہولوکاسٹ' کو چیلنج کرنے والے ایک شخص ارنسٹ زنڈل (Ernest Zundel) پر ''جھوٹی اطلاعات پھیلانے'' کے الزام میں کارروائی کی۔ صفائی کے وکلا نے جیل خانوں کو گیس کے ذریعے سزائے موت دینے کی خاطر چیمبرز بنانے کی ایک ماہر فرم کی خدمات حاصل کیں۔ اس کمپنی کے ماہر فریڈلے شیٹز (Fredley Sheetz) کو یہ فریضہ سونپا گیا کہ وہ آشوٹز میں لوگوں کو دکھائے جانے والے چیمبرز کا جائزہ لے کر ماہرانہ رپورٹ پیش کرے۔ لیوشٹر ایک غیر سیاسی شخص ہے اور امریکہ کی کئی جیلوں میں سزائے موت کے مختلف طریقوں کے سلسلے میں تعمیر اور توضیع کی سند ہے۔ اپنی تحقیق کے دوران موصوف نے مبینہ گیس چیمبروں کی تعمیر کا جائزہ لینے کے علاوہ زائکلون بی کی کیمیائی صفات پر تحقیق کی۔ اس نے بتلایا کہ زائکلون بی (Zyklon-B) ایک ایسا مادہ ہے جو ہوا سے مل کر مہلک ہائیڈروجن سائنائیڈ گیس خارج کرتا ہے۔ یہ اردگرد کی سطوح کے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور لوہے کے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور لوہے کے ساتھ مل کر ایک اور مادہ فیروسائنائیڈ (Ferro Cyanide) بنتی ہے اور اگر اسے لوہے یا اینٹوں کے چیمبر میں چھوڑا جائے تو وہ خصوصی نیلا رنگ چھوڑ دیتی ہے۔ (ایسے رنگ کو اشاعت کی صنعت میں اکثر و بیشتر استعمال کیا جاتا ہے)۔ لیوشٹر نے بتلایا کہ آشوٹز کے چیمبرز اپنی ساخت کے حوالے سے ناقص ہیں۔ اس نے وہاں کی دیواروں سے کئی سیمپل لیے اور مختلف لیبارٹریوں میں تجزیے کے بعد بھی فیرو سائنائیڈ کا ایک دھبہ تک نہیں ملا۔ اس کے برعکس کپڑوں اور سامان کی جوؤں کی تلفی کے چیمبرز میں یہ رنگ بہرحال موجود تھا۔ مزید تجزیوں کے بعد اس نے ثابت کیا کہ جوئیں مارنے والے چیمبروں میں سائنائیڈ کے کیمیائی عمل کے باعث فیروسائنائیڈ کی خاطر خواہ مقدار موجود تھی اور لیوشٹر نے تصدیق کی کہ جوئیں مارنے کے ان چیمبروں کی تعمیر بہت اچھی ہے۔ اس کا ہوا کا اخراج نہیں اور وہ حفاظت کے اصولوں کے تحت بنائے گئے

ہیں جبکہ مبینہ طور پر انسانوں کی ہلاکت کے لیے بنائے گئے چیمبرز بس یونہی بنائے گئے ہیں جس کو چلانے والے خود بھی مر سکتے تھے۔

جب لیوشٹر نے اپنی رپورٹ شائع کی تو ہولوکاسٹ کے مبلغین ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے اسے بدنام کیا، ڈرایا دھمکایا اور حتیٰ کہ قید تک کروا دیا۔ اس کی مالی حالت کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہودی گروپوں نے مختلف جیلوں کو مذموم خط لکھے تا کہ اس سے وہ معاہدے منسوخ کر دیں اور اس کی آبائی سٹیٹ میساچیوسٹس میں اس پر بغیر لائسنس کے انجینئرنگ کرنے کا مقدمہ تک چلوایا گیا۔ جرمن حکومت نے لیوشٹر کو نومبر 1991ء میں شہر ویزن ہائم (Wachenheim) میں اپنی تحقیقات سے متعلق لیکچر دینے کے جرم میں چھ ہفتے قید کی سزا دی حتیٰ کہ اس کی رپورٹ کا جرمن میں ترجمہ کرنے والے ایک سابقہ شریف النفس سکول ٹیچر گوونمرڈ ڈیکرٹ کو بھی ایک سال سزائے قید دی گئی اور بین الاقوامی ذرائع نے واویلا کیا کہ اس کو ناکافی سزا دی گئی ہے۔ جرمن وزیر انصاف سالین نے اس سزا کو ہولوکاسٹ کا شکار ہونے والے ہر شخص کے منہ پر ایک طمانچے کے مترادف قرار دیا۔ صرف جرمنی پر ہی بس نہیں کچھ عرصہ بعد اس دھان ہان فریڈلے شیٹز کو برطانیہ سے بھی زبردستی نکال باہر کیا گیا تھا۔ ہولوکاسٹ کی جھوٹی حقیقت کو سچ ثابت کرنے کے لیے یہودی کوئی بھی ہتھکنڈا اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

بدنام زمانہ گستاخ رسول ملعون سلمان رشدی کی حفاظت پر برطانوی حکومت کی جانب سے ماہر اور کہنہ مشق محافظین کو تعینات کیا گیا تھا، جن میں سے ایک محافظ اور کمانڈو ڈرائیور رون ایونس (Ron Evans) بھی تھا، رون ایونس کے حوالے سے برطانوی میڈیا کا کہنا ہے کہ وہ اپنے کام میں پیشہ ورانہ مہارت رکھتا تھا۔ اور اس نے سابق برطانوی وزیر اعظم جان میجر کے ڈرائیور کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی ہیں، اس لیے اس کے سلمان رشدی کے حوالے سے تجربات کافی اہم ہیں۔ رون نے سلمان رشدی کی حفاظت کے دوران گزرے ایام کے دلچسپ تجربات پر On Her Masjesty's Service کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں رون نے ملعون

سلمان رشدی کی حفاظت کے دوران اس بات کو محسوس کیا کہ مسلمانوں کی مقدس ترین ہستیوں کے خلاف دل آزار کتاب لکھنے والا لکھاری اپنی عادات وخوارق میں ایک گندہ آدمی ہے، جو اپنی طبیعت میں انتہائی خسیس اور بے حد بدد ماغ ہے، برطانوی کمانڈو اور ملعون رشدی کے ڈرائیوروں نے اپنی تازہ ترین کتاب میں لکھا ہے کہ سلمان رشدی کی حفاظت کے دوران انہوں نے اسے ایک انتہائی بھدا اور پلید شخص پایا، جو کھانے پینے اور رہنے سہنے میں بھی اپنی بری فطرت کا اظہار کرتا تھا، جبکہ وہ مسلمانوں کے ممکنہ حملوں سے بعض اوقات اس قدر پریشان ہو جاتا کہ ہمیں بلاوجہ ادھر ادھر کھڑا کر دیتا تھا اور کبھی تو حالات اس قدر تنگ کر دیتا تھا کہ ہمیں ہاتھ پیر باندھ کر کسی الماری یا سیڑھیوں کے نیچے بنے ہوئے احاطے میں اسے ڈال دینا پڑتا تھا۔ جس کے بعد اس کی جسمانی اور ذہنی حالت میں بہتری آ جاتی تھی اور ہم اسے کچھ دیر کے بعد کھول کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔

ملعون سلمان رشدی کا برطانوی اخبارات سے بات چیت میں کہنا تھا کہ اس کے سابق ڈرائیور محافظ رون ایونس کی کتاب میں اسے ایک کاہل الوجود، بددماغ خسیس، پلیڈ بھدے اور بدوضع شخص کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے، جو میری ''بے عزتی'' کے مترادف ہے، اس حرکت پر میں رون کے خلاف قانونی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا ہوں اور میں نے اپنے وکیل Mark Stephens کے ذریعے اس کتاب کی ناشر کمپنی John Blake Publishing Ltd. اور رون کو قانونی نوٹس بھیجا ہے، جس میں اسے کتاب میں سے متنازع ابواب نکال دینے کو کہا ہے۔ پوچھنا چاہیے کہ جب تمہاری اپنی شخصیت پر زد آئی تو تمہیں قانون یاد آ گیا لیکن جب تم نے ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین کی تو تم نے کہا کہ آزادی اظہار ہے؟ تف ہے ایسی آزادی پر۔

اقوام متحدہ سمیت دنیا کے تمام ممالک کے منشور یا آئین میں یہ بات متفقہ طور پر درج ہے کہ ہر شخص کو اس وقت تک اپنے خیالات اور عقائد کے اظہار کا حق حاصل ہے جب تک وہ قانون میں بیان کردہ حدود میں رہے۔ تاہم کوئی بھی شخص اس

بات کا مجاز نہیں کہ وہ جھوٹ کی اشاعت کرے یا ایسی اطلاعات پھیلائے جو عوامی جذبات کو مشتعل کریں یا تہمت تراشی کرے یا دوسرے لوگوں پر طعن و تشنیع کرے یا ان پر ہتک آمیز الزامات لگائے۔کوئی شخص دوسروں کے مذہبی عقائد کی توہین یا تضحیک نہیں کرے گا یا ان کے خلاف عوام میں عداوت نہیں پھیلائے گا۔ دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام ہر شخص کا فرض ہے۔

ہر شخص کو اپنے خیالات، آرا اور عقائد کا حق حاصل ہے اور اسے ان کے اظہار کا حق اس وقت تک حاصل ہے جب تک وہ قانون کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتا ہے۔ اسی طرح پاکستان کے آئین کی دفعہ 20 پاکستان کے تمام شہریوں کو اپنے مذہب کو ماننے، عمل کرنے اور اشاعت کرنے کا حق دیتی ہے لیکن یہ حق قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع ہے۔تاہم اشاعت کے حوالے سے قادیانیوں کا یہ حق ان کے گستاخانہ اور دل آزار لٹریچر کی وجہ سے آئین کی دوسری شقوں کے ذریعے محدود کیا گیا ہے۔

عباس اطہر اپنے کالم ''آزادیٔ اظہار'' میں لکھتے ہیں:

❑ ''مغربی دنیا کا ایک بہت بڑا مسئلہ آزادی اظہار ہے جس پر وہ کبھی اپنے ''اصولوں'' سے دستبردار نہیں ہوتی۔توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد اسی اصول کو بنیاد بنا کر معافی مانگنے سے انکار کیا گیا اور آزادی صحافت کو آڑ بنایا گیا۔میڈیا کی آزادی مغربی دنیا میں بہت مقدس سمجھی جاتی ہے اور اس کا ایک تازہ ترین نمونہ یہ ہے کہ امریکی محکمہ دفاع نے کہا ہے کہ آسٹریلوی ٹیلی ویژن چینل کو عراق کی ابوغریب جیل میں قیدیوں پر مظالم کی تصاویر نہیں دکھانا چاہئیں تھیں کیونکہ اس سے اشتعال بڑھے گا اور غیر ضروری تشدد کی کارروائیاں سامنے آسکتی ہیں۔جس اصول کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، اسی کے تحت دنیا بھر میں احتجاج کے باوجود یورپی یونین نے اپنے میڈیا کی آزادی کو محدود کرنے کے مطالبات مسترد کر دیے ہیں۔ یہ آزادیٔ اظہار اس اعتبار سے بڑی مقدس ہے کہ یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کے جذبات کی توہین تو آزادیٔ اظہار ہے لیکن یہودیوں کی توہین کو ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سوال مسلمانوں نے ہی نہیں خود

یورپی صحافیوں نے بھی اٹھایا ہے۔ یہودیوں کے معاملے میں آزادیٔ اظہار کی صورت حال یہ ہے کہ ہر وہ فقرہ یا اشارہ جو یہودیوں کو ناپسند ہو، یہود دشمنی قرار پاتا ہے اور یورپ میں دوسرے ہر جرم کی معافی ہوسکتی ہے لیکن یہود دشمنی کی نہیں۔ یہود دشمنی کا تناظر اتنا وسیع ہے کہ یہ کہنا بھی یہود دشمنی کے زمرے میں آتا ہے کہ ہٹلر نے اتنی تعداد میں یہودی نہیں مارے تھے، جتنے بیان کیے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ سارا رویہ یورپی حکومتوں اور پریس کا ہے۔عوامی سطح پر آج بھی یہودیوں کے خلاف اتنی ہی نفرت پائی جاتی ہے جتنی ماضی میں تھی۔فرق صرف یہ ہے کہ حکومتی پابندیوں کے باعث لوگوں کو ''جرأت اظہار'' کا ذرا کم ہی موقع ملتا ہے تاہم لوگوں کا داؤ لگ جائے تو وہ یہودیوں کی قبروں پر غصہ اتار لیتے ہیں''۔

یورپ میں یہود دشمنی کو Taboo (شجر ممنوعہ) بنانے کا ذمہ دار امریکہ ہے۔ جنگ عظیم کے خاتمے پر یورپ امریکہ کا مفتوحہ علاقہ بن گیا اور یہود ''مقدس'' قرار پائے۔ نائن الیون کے بعد کی دنیا میں فلسطینیوں کو یہ مشورہ دیا جارہا تھا کہ وہ صابرہ اور شتیلہ میں ہزاروں عورتوں اور بچوں کے قاتل شیرون کو ''امن کا چیمپئن'' مان لیں اور یہ بھی قبول کرلیں کہ ان کی جدوجہد آزادی دراصل دہشت گردی ہے جس کا خاتمہ ہونا ضروری ہے۔ یورپ ماضی میں ہمیشہ یہود دشمن رہا۔ یورپ کی یہود دشمنی، یہود عاشقی میں اس طرح تبدیل ہوئی کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے مفتوحہ یورپ (جرمنی، آسٹریا وغیرہ) میں تعمیر نو کے دوران سب سے زیادہ خرچہ یہودیوں کے قتل عام اور نازیوں کے مظالم کی کہانیوں پر مبنی فلموں، ٹی وی ڈراموں، کتابوں اور دوسرے لٹریچر پر صرف کیا۔ جنگ عظیم دوئم کے بعد پیدا ہونے والی یورپ کی ساری نئی نسل نے پروپیگنڈے کے اس طوفان کے سائے میں آنکھ کھولی۔ یہ نسل جب جوان ہوئی اور حقائق پر دوسرے زاویے سے نظر ڈالنے کا موقع ملا تو ان کی سوچ کچھ اور ہوگئی لیکن نہ نظر آنے والی امریکی زنجیروں میں جکڑی حکومتوں اور یہودیوں کی ترغیبات کا شکار یورپی میڈیا بدستور یہود عاشقی میں مبتلا رہا۔

Taboo اتنا مضبوط ہے کہ جرمنوں سمیت کسی حکومت کو آج تک یہ جرات نہیں ہو سکی کہ وہ دوسری جنگ عظیم میں امریکیوں کے ہاتھوں جرمنیوں کے قتل عام کا احوال بیان کر سکے۔ جرمنی کے سرکاری نصاب میں سارا زور یہودیوں کے مظلومانہ قتل عام پر ہے یا پھر نازیوں کے ظالم ہونے پر۔ اب ایک فلم بنی ہے جس میں جرمنوں نے کچھ کچھ جرات سے کام لیا ہے۔ یہ فلم ''ڈریسڈن دی انفرنو'' "Dresden The Inferno" کے نام سے جرمنی کے سینماؤں میں نمائش کے لیے پیش کی گئی۔ ڈریسڈن جرمنی کا ایک ہنستا بستا شہر تھا جہاں مشرقی علاقوں سے آنے والے ہزاروں جرمن پناہ گزین بھی آباد تھے لیکن 13 اور 14 فروری 1945ء کو امریکہ اور برطانیہ نے اس پر تاریخ کی بدترین بمباری کی۔ اس بمباری میں پچاس ہزار سے زیادہ شہری ہلاک ہوئے۔ از راہ مروت فلم ریلیز ہونے کی خبر میں یہ تعداد 35 ہزار بتائی گئی۔ اس فلم میں امریکہ کے ظالم دکھانے کی جرأت نہیں کی گئی، صرف معروضی انداز میں ایک محبت کی کہانی کے حوالے سے شہر کی تباہی دکھائی گئی۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ جرمنی میں ایک ایسی فلم بنی جس میں کم از کم یہ تو بتایا گیا کہ ڈریسڈن میں ہزاروں شہری امریکی بمباری سے مارے گئے۔ اتنی جرأت کرنے کے لیے فلم سٹار کو اپنی فلم میں پہلے تو یہ بتانا پڑا کہ جنگ کے اصل ذمہ دار یعنی اصل ظالم خود جرمن تھے۔ پھر یہ بھی بتایا پڑا کہ امریکہ اور برطانیہ بمباری کر کے ڈریسڈن کے شہریوں کا قتل عام نہیں کرنا چاہتے تھے (شاید وہ ظلم کا قلع قمع کر رہے تھے)۔ اب تک جرمن صرف نازیوں کے مظالم کی فلمیں دیکھتے رہے، پہلی بار وہ امریکی کارروائی کی فلم دیکھ رہے تھے، یہ انقلاب بھی خاصا اہم ہے۔

فرانس کے صدر کے بیان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغرب میں آزادیِ اظہار مطلق ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ شیکسپیئر مغربی تہذیب کی ایک بڑی علامت ہے۔ مغرب میں بڑی شخصیتوں پر جب بھی کوئی سروے ہوتا ہے شیکسپیئر پہلے، دوسرے یا تیسرے نمبر پر ضرور آتا ہے۔ شیکسپیئر کا ڈراما Merchant of venice مشہورِ زمانہ ہے، مگر یہ ڈراما مغرب کے بعض ملکوں میں اسٹیج نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اس

ڈرامے میں شائی لاک نام کے ایک شخص کا کردار موجود ہے۔ یہ شخص یہودی ہے، چنانچہ اس ڈرامے کو یہود دشمن سمجھا جاتا ہے اور اسے اسٹیج نہیں کیا جاتا۔ شیکسپیئر مغربی دنیا کا سب سے بڑا فن کار ہے مگر مغرب نے یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے اس بڑے فن کار کی ایک تخلیق کو اسٹیج سے دور رکھا ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مغربی ممالک میں یہودی مقدس ہوسکتے ہیں تو رسول اکرم ﷺ کیوں مقدس نہیں ہوسکتے؟ دنیا میں یہودیوں کی تعداد دو ڈھائی کروڑ سے زیادہ نہیں، جبکہ دنیا میں ایک ارب 80 کروڑ مسلمان ہیں، اور ان مسلمانوں کے لیے انسانوں میں رسول اکرم ﷺ سے زیادہ محترم کوئی نہیں۔ مغرب اگر دو ڈھائی کروڑ لوگوں کی حساسیت کا خیال رکھ سکتا ہے تو وہ ایک ارب 80 کروڑ مسلمانوں کی حساسیت کا خیال کیوں نہیں رکھ سکتا؟ مغرب میں آزادیِ اظہار کتنی محترم ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ امریکہ کے ممتاز شاعر اور نقاد ایزرا پاونڈ نے ایک زمانے میں اٹلی جاکر مسولینی کی تعریف کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایزرا پاونڈ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کے شاگردوں نے جن میں نوبیل انعام یافتہ شاعر ٹی ایس ایلیٹ بھی شامل تھا، اسے نفسیاتی مریض ثابت کرکے ایک اسپتال میں داخل کرا دیا۔ ایزرا پاونڈ کئی سال اسپتال میں پڑا رہا تب جاکر اس کی جان بچی۔ نوم چومسکی مغرب کے ممتاز ترین دانش ور ہیں۔ وہ مغرب بالخصوص امریکہ کے ناقد ہیں۔ ان کی تنقید ان کے اظہارِ رائے کی ایک صورت ہے، مگر مغرب کا حکمران طبقہ اور ذرائع ابلاغ اس آزادیِ رائے کو قبول نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نوم چومسکی کبھی سی این این یا بی بی سی پر نظر نہیں آتے۔ مغرب کے لیے آزادیِ اظہار اہم ہوتی تو نوم چومسکی ہر دوسرے دن سی این این اور بی بی سی ورلڈ میں جلوہ افروز ہوتے۔ یہ حقیقت راز نہیں کہ مغرب کے ہر ملک میں ''قومی مفاد'' کو ایک تقدیس حاصل ہے، اور ذرائع ابلاغ قومی مفاد کے خلاف نہ کچھ شائع کرتے ہیں، نہ نشر کرتے ہیں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کے سلسلے میں یہ آزادیِ اظہار اتنی آزاد ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے کارٹون بنا سکتی ہے۔

باقی یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ امریکی اور برطانوی کبھی قتل عام کرتے

ہیں نہ قیدیوں کی تذلیل۔ یہ دونوں کام تو تعمیر نو اور قوموں کو آزادی دلانے کے نیک عمل کے دوران خود بخود ہو جاتے ہیں۔ برطانوی فوجی اگر عراقی بچوں کو ٹھڈے مارے مار کر ہلاک کر دیتے ہیں اور ان کی لاشوں پر بھی ''ٹھڈا'' بازی جاری رکھتے ہیں۔ تو یہ بھی انسانی حقوق کے احترام کا ایک انداز ہوتا ہے۔ بچوں کے ساتھ ہونے والے ان واقعات کی نئی وڈیو فلم پر دنیا میں شور مچا اور ٹونی بلیئر نے اس فلم کی تحقیقات کا اعلان بھی کیا۔ حالانکہ دونوں عمل ہی غیر ضروری اور بے نتیجہ نکلے۔ نہ تو شور مچانے سے کچھ ہوا اور نہ تحقیقات سے ''ٹھڈا بازی'' رُکی۔ یہ تو آزادی اظہار کا وہ پہلو ہے جو امریکہ اور یورپ نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔''

جہاں تک آزادی یا آزادیٔ اظہار رائے کا تعلق ہے تو دنیا کے کسی بھی دستور میں ''آزادی مطلق'' کا حق نہیں دیا گیا۔ مثلاً سب سے پہلے فرانس کو لے لیں جہاں کے اخبارات نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں اہانت آمیز خاکے شائع کیے اور اس کی آڑ میں ''آزادیٔ اظہار رائے'' کو اپنا حق قرار دیا اور فرانس کے ملعون صدر نے خاکوں کی اشاعت کی سرکاری سطح پر سرپرستی کی اور ان خاکوں کو سرکاری عمارتوں پر آویزاں کیا گیا۔ فرانس کے دستور کے آرٹیکل نمبر 1 میں کہا گیا ہے۔ ''انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفاد عامہ کے پیش نظر کیا جائے گا''۔ آرٹیکل نمبر 4 میں کہا گیا ہے: ''آزادی کا حق اس حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعہ کیا جائے گا''۔ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر 5 میں کہا گیا ہے: ''ہر شخص کو تحریر، تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے''۔ مگر اس کے ذیلی آرٹیکل نمبر 3 میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ حقوق شخصی عزت و تکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جا سکیں گے۔ امریکی دستور میں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں، امریکی سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق دستور میں ایسی تحریر اور تقریر کی اجازت نہیں جو عوام میں اشتعال انگیزی یا امن عامہ میں خلل اندازی کا

سبب بنے یا اس سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہو، ریاست کو ایسی آزادی سلب کرنے کا اختیار ہے۔اسی طرح آزادی مذہب کے نام پر توہین مسیح کے ارتکاب کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہی حال برطانیہ کا ہے، وہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا برطانوی ملکہ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کی اجازت نہیں۔ وہاں ہائیڈ پارک میں ''اسپیکر کارنر'' کے نام سے ایک گوشہ مختص ہے جہاں مخصوص اوقات میں ہر شخص کو جو جی میں آئے، کہنے اور یاوہ گوئی کی چھوٹ دی گئی ہے حتیٰ کہ خدا اور اس کے رسولوں کے بارے میں بھی ہرزہ سرائی کی کوئی ممانعت نہیں۔لیکن یاد رہے یہاں کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرے یا ملکہ کی شان میں گستاخی کرے۔ خلاف ورزی کی صورت میں برطانیہ کا قانون حرکت میں آ جائے گا اور آزادیٔ رائے ختم ہو جائے گی۔ جب خود ان قوموں کے دساتیر میں ''آزادیٔ اظہار رائے'' کو مشروط کیا گیا ہے کہ اس کی اسی وقت اجازت ہے جب وہ کسی کے حق اور جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ نہ بنے، ایسے میں اس عمل کا جواز کیونکر ہوسکتا ہے کہ کائنات کی سب سے محترم اور مقدس ہستی کی توہین کی جائے، جو دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے اربوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن ہے!! کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مغرب، اسلام سے مذہبی تعصب میں اندھا ہو چکا ہے۔''

دریں اثنا قانونی حلقوں نے اس بات کو بھی محل نظر قرار دیا ہے کہ امریکہ خود کو آزاد اور مکمل طور پر سیکولر ملک قرار دیتا ہے مگر اس کے ہاں صرف مسیحی افراد کو اپنے دین پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے، جبکہ مسلمانوں کو ایسی آزادی حاصل نہیں۔ اسلامی شعائر کے تحت وہاں زندگی نہیں گزاری جاسکتی جبکہ وہاں پر مذہب کو مکمل آزادی دینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔امریکہ کی انہی اسلام دشمن پالیسیوں کی وجہ سے مسلمان اس سے بجا طور پر نفرت کرتے ہیں۔امریکہ اظہار آزادی کے نام پر اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے والوں کو قانون کی چھتری فراہم کرتا ہے۔لیکن جب مسلمانوں کے ردعمل سے اس کے مفادات پر زد پڑتی ہے تو اسے قابل گردن زنی سمجھا جاتا ہے۔ہم پوری دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کی آزادی اظہار دراصل مسلمانوں کے خلاف آزادی

آزار ہے۔ وہ اسلام، قرآن اور سرور کونین سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کے خلاف نازیبا حرکات کا مظاہرہ کر کے پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات مجروح کرتے ہیں، ان کی دل آزاری کرتے ہیں اور پوری دنیا میں امن و امان کی صورت حال کو خراب کرتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ ان سارے مذموم اعمال کو آزادی اظہار کا خوش نما نام دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر 16

کہا جاتا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کی مخالفت کرنے پر خانیوال اور گوجرہ میں عیسائیوں کی بستیوں پر حملہ کر کے انہیں شدید نقصان پہنچایا گیا، کیا ایسا کرنا اسلامی انصاف اور اصولوں کے مطابق ہے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ شانتی نگر پر حملے کا قانون ناموس رسالت ﷺ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ضلع خانیوال سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع عیسائی بستی شانتی نگر ہیروئن، شراب کی تیاری، دوسرے شہروں میں فروخت اور قمار بازی کے اڈوں کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ واقعات کے مطابق یہ بستی ضلع خانیوال کے تھانہ صدر کی حدود میں آتی ہے۔ تھانہ کے ایس ایچ او عزیز الرحمٰن ڈوگر نے بستی میں موجود جرائم پیشہ مافیا کے خلاف گھیرا تنگ کرنا شروع کیا اور 17 جنوری 1997ء کو مافیا کے سرغنہ بابا راجی کے گھر چھاپہ مارا، جہاں سے بھاری مقدار میں ہیروئن، شراب اور ناجائز اسلحہ برآمد ہوا۔ پولیس نے بابا راجی اور اس کے کئی ساتھیوں کو گرفتار کر کے تھانے میں بند کر دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد راجی بابا کے دوسرے ساتھی تھانہ پہنچے اور پولیس سے اس کی رہائی کے لیے بات چیت کی تو پولیس نے 20 ہزار روپے کا تقاضا کیا۔ راجی بابا کے ساتھیوں نے 4 ہزار روپے دینے چاہے، لیکن پولیس نہ مانی جس پر یہ لوگ واپس آ

گئے۔ یہاں آ کر ان لوگوں نے پولیس کو بلیک میل کرنے کے لیے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پولیس پر الزام لگایا کہ انہوں نے چھاپہ کے دوران بائبل کی توہین کی اور اسے زمین پر پھینکا۔ چنانچہ راجی بابا کے ساتھیوں نے بائبل میں سے کچھ اوراق پھاڑ کر پوری بستی کے عیسائیوں کو دکھایا اور انہیں اشتعال دلایا۔ اس پر عیسائیوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ بائبل کی توہین کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری بستی میں پھیل گئی جس پر تھوڑی دیر میں پوری بستی کے مکین اور آس پاس کی بستیوں کے مسیحی جمع ہو گئے۔ عیسائیوں نے فون کے ذریعے انجیل کی بے حرمتی کے خود ساختہ واقعہ کی خبر ملتان، میاں چنوں، خانیوال شہر، ساہیوال اور چیچہ وطنی تک پہنچا دی اور وہاں سے بھی سینکڑوں افراد شانتی نگر پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک بہت بڑا احتجاجی جلوس نکال کر انجیل مقدس کی بے حرمتی کرنے والے پولیس افسران کو پھانسی دینے اور ان کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس پر ڈپٹی کمشنر خانیوال نے ان پولیس اہلکاروں کے خلاف مقدمہ درج کرنے کی ہدایت کی۔ مقدمہ درج ہونے کے فوراً بعد ان پولیس اہلکاروں نے فوری طور پر ضمانت قبل از گرفتاری کروالی۔ دوسرے دن عیسائیوں کا جوش اور غصہ اس وقت انتہا کو پہنچ گیا، جب انہوں نے ان پولیس اہلکاروں میں سے ایک کو جو معطل ہو چکا تھا، الیکشن ڈیوٹی کرتے دیکھ لیا۔ چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ ایک بڑا احتجاجی جلوس نکالا۔ جلوس کے شرکاء ڈنڈوں، لاٹھیوں اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ شرکاء جلوس نے راستے میں آنے والی پل پچاسی ہزار کی مسجد پر دھاوا بول دیا۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس رات 27 رمضان المبارک کی بابرکت شب کے حوالے سے ختم قرآن کی محفل ہو رہی تھی۔ مشتعل عیسائیوں نے کسی قسم کا خیال رکھے بغیر مسجد کے میناروں کو مسمار کرنے کے بعد قرآن مجید کے کئی نسخوں کو آگ لگا دی۔ عیسائیوں کی اس ناپاک جسارت کے بعد مسلمانوں میں شدید اشتعال پھیل گیا۔ چنانچہ اس سے اگلے روز علاقہ بھر کی تمام مساجد میں اعلان ہوا کہ عیسائیوں نے مسجد مسمار کرنے کے بعد قرآن مجید کے نسخوں کو آگ لگا دی ہے۔ یہ اعلانات شہر بھر کی تمام مساجد سے مسلسل ہوتے رہے۔ اس پر

ہزاروں مشتعل افراد نے شانتی نگر میں عیسائیوں کی املاک کو نقصان پہنچانا شروع کیا۔ پولیس کی بھاری نفری نے مظاہرین پر آنسو گیس پھینکی اور ہوائی فائرنگ کی۔ پولیس سے جھڑپوں کے نتیجے میں ایک شخص محمد الیاس ولد محمد اسلم ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے۔ پولیس نے 200 سے زائد افراد کو گرفتار کر لیا۔ یوں اس بستی میں جہاں 1916ء سے مسلمان اور عیسائی ایک اچھے شہریوں کی طرح رہ رہے تھے، چند گندے انڈوں کی وجہ سے حالات کشیدہ ہو گئے۔ شہر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

اسلام اور پاکستان دشمن عناصر نے اس افسوسناک واقعے کو بھی پاکستان کے خلاف منفی پراپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا جس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ پاکستان میں اقلیتیں محفوظ نہیں ہیں اور وہاں انہیں دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ ایسے پروپیگنڈے کے ذریعے عالمی ذرائع ابلاغ ایک تیر سے دو شکار کر رہے ہیں۔ ایک طرف وہ اب تک پاکستان کو ایک غیر مہذب ملک ثابت کر رہے ہیں اور دوسری طرف وہ اسلام کو ایک تنگ نظر مذہب بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں سراسر بے بنیاد ہیں۔ حالانکہ پاکستان میں اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلموں کے جان و مال کا تحفظ حکومت اور معاشرے کی اولین ذمہ داری ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کو نہ صرف بنیادی انسانی حقوق حاصل ہیں بلکہ اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے سلسلے میں بھی ان سے کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم افواج، عدلیہ، انتظامیہ اور زندگی کے دیگر شعبوں میں اقلیتی مذہب اور عقائد رکھنے والے افراد مسلمانوں کے شانہ بشانہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس واقعہ کی آڑ میں پاکستان کے سیکولر اور بے دین طبقے نے پاکستان کی نظریاتی اساس اور نفاذ اسلام کے حوالے سے کیے گئے اقدامات کو شدید تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس واقعہ کو مغربی میڈیا میں اس طرح اچھالا گیا جیسے پورا پاکستانی معاشرہ اس جرم میں شامل تھا۔ تاہم حکومت نے ایک طرف سانحے کی تحقیقات

کے لیے ٹربیونل قائم کر دیا، تو دوسری طرف متاثرین کی بحالی کے لیے کام کیا۔ سرکاری اداروں کے ساتھ رضا کار تنظیموں نے جس لگن اور محنت سے کام کیا، اس کا نتیجہ ہے کہ سانحے میں جن افراد کے مکان جل گئے تھے، اُنہیں پختہ مکان مل گئے جو اُن کے پرانے مکانات سے کہیں زیادہ بہتر ہیں، اور جن مکانات کو معمولی نقصان پہنچا تھا، اُن کی مناسب مرمت کر دی گئی۔ مکانات کی تعمیر و مرمت کے ساتھ متاثرین کو نقد امداد فراہم کی گئی۔

حکومت پنجاب نے اس سانحہ کی تحقیقات کے لیے ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس تنویر احمد خاں کی سربراہی میں یک رکنی تحقیقاتی ٹربیونل قائم کیا جس نے ستمبر 1997ء میں پنجاب حکومت کو اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس سانحہ کا ذمہ دار قادیانی جماعت خانیوال کا صدر نور احمد ہے جس نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلم عیسائی تصادم کروایا۔ افسوس! حکومت نے اس سانحہ کے ذمہ دار قادیانی شر پسند کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ المیہ یہ ہے کہ سیکولر اور عیسائی راہنماؤں نے اس واقعہ کی آڑ میں اپنے جلسے اور جلوسوں میں قانون ناموس رسالت ﷺ اور دیگر شرعی قوانین کو کالعدم قرار دینے کے مطالبے کیے اور اسلام کے خلاف نہایت دل آزار نعرے لگائے۔

اسی طرح سانحہ گوجرہ کا بھی قانون ناموس رسالت ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ 31 جولائی 2009ء کو صوبہ پنجاب کے ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تحصیل گوجرہ کے علاقہ کوریاں میں چک نمبر 95/JB میں یہ سانحہ ہوا۔ اس افسوس ناک واقعہ میں 8 انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور 30 کے قریب گھروں کو نقصان پہنچا۔ تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیموں نے اس واقعہ کی سخت مذمت کی اور اس میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔

عینی شاہدین کے مطابق چک 95/JB کے رہائشی طالب مسیح کی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں مہندی کی تقریب میں لوگ کرنسی نوٹ نچھاور کر رہے تھے۔ اس دوران طالب مسیح کے بارہ سالہ بیٹے اور ایک دوسرے شخص مختار مسیح نے پانچ پانچ روپے کے نوٹ لٹانا شروع کیے تو ان نوٹوں کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے مقدس اوراق بھی

پھینکنے شروع کیے۔ جس کے بعد وہاں جھگڑا شروع ہوگیا اور عیسائی افراد نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف انتہائی سخت اور توہین آمیز زبان استعمال کی۔ دونوں جانب سے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا گیا۔ لیکن پولیس نے بروقت مداخلت کر کے معاملہ سنبھال لیا۔ اس دوران اعلان کیا گیا کہ اگلے روز یعنی ہفتے کو ہڑتال کی جائے گی۔ ہڑتال والے روز سنی تحریک نے ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا اور جلسے کے بعد احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس جب ریلوے لائن کے قریب واقع عیسائی آبادی کے پاس پہنچا تو کرسچن بستی کی جانب سے اس جلوس پر فائرنگ کی گی جس سے متعدد افراد زخمی ہوگئے۔ اس کے بعد یہ علاقہ میدان جنگ بن گیا اور بعد میں یہ تصادم خونی فسادات میں تبدیل ہوا۔ یہ ہے اس واقعہ کا پس منظر جس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اول تو توہین قرآن کا واقعہ پیش آیا اور دوسرا یہ کہ تصادم کا آغاز مسلمانوں کے بجائے مسیحی افراد کی جانب سے ہوا۔ یاد رہے کہ اقلیتی رکن پنجاب اسمبلی انجینئر شہزاد نے مقامی صحافیوں کے روبرو تسلیم کیا کہ گوجرہ میں قرآن پاک کے مقدس اوراق کی توہین کی گئی۔

بتایا جائے کہ کیا اس پورے واقعہ میں کہیں اس بات کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہے کہ کسی مقامی عدالت نے، کسی وکیل نے، یا مقامی تھانے نے اس قانون کو بنیاد بنا کر لوگوں کو اکسایا ہو کہ جا کر عیسائی آبادی پر حملے کرو، اور نہ ہی اس قانون کی کسی بھی شق میں یہ لکھا ہوا کہ ایسے کسی بھی واقعے میں لوگ خود ہی مجرموں کو سزا دے دیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ایک مشتعل ہجوم کی کاروائی تھی جو کہ انہوں نے جذبات سے مغلوب ہوکر کی تھی جبکہ پہل بھی فریق مخالف کی جانب سے ہوئی تھی۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسے تمام لوگوں کو سزا ملنی چاہیے جنہوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لیا اور معصوم انسانی خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

جو لوگ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ناموس رسالت ﷺ کے قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ان سے ہمارا یہ سوال ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر افراد ٹریفک سگنلز کی پابندی نہیں کرتے تو کیا اس بات کو بنیاد بنا کر ٹریفک کے تمام سگنلز اور

ٹریفک قوانین کو ختم کر دینا چاہیے؟ ہمارے اس معاشرے میں اکثر لوگ جب کسی چور کو پکڑتے ہیں تو عموماً اس کو موقع پر ہی سزا دیتے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں تو ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہیں کہ لوگوں نے چوروں اور ڈکیتوں کو جب پکڑا تو موقع پر ہی مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔ کیا ان واقعات کو بنیاد بنا کر چوروں اور ڈکیتوں کے خلاف قانون اور سزاؤں کو ختم کر دینا چاہیے؟ یقیناً ہر باشعور فرد یہی کہے گا کہ نہیں ایسا نہیں بلکہ جو لوگ بھی قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں، ان کو سزا ملنی چاہیے نہ کہ اس قانون ہی کو ختم کر دیا جانا چاہیے۔

یہودیوں نے اپنے اوپر ہٹلر کے مظالم اور اپنی مظلومیت کا اتنا ڈھنڈورا پیٹا اور اتنا زیادہ پروپیگنڈا کیا کہ انہوں نے ایک فرضی ہولوکاسٹ تخلیق کر لیا کہ گیس چیمبر میں لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا گیا۔ حالانکہ کئی مؤرخین اور صحافیوں نے ثابت کیا کہ یہ واقعہ جھوٹا اور فرضی ہے اور اتنے بڑے پیمانے پر یہودیوں کا کوئی قتل عام نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود پورے یورپ میں ہولوکاسٹ کے خلاف بات کرنا یا اس کو غلط کہنا جرم ہے اور کئی ممالک میں تو اس کے خلاف بات کرنے کی سزا موت ہے۔ سوچیں اور غور کریں کہ ایک فرضی، جھوٹے اور من گھڑت واقعے پر بات کرنا تو قابل گردن زدنی جرم ہے لیکن اربوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکن، آقائے دوجہاں، حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کے خلاف قانون پر اعتراض کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایک مسلمان ملک میں؟ اگر یہ قانون ختم ہو گیا تو پھر ایسے واقعات ختم نہیں ہوں گے بلکہ مزید بڑھیں گے۔ کیوں کہ ابھی تک تو یہ بات لوگوں کو روکتی ہے کہ ایک قانون موجود ہے اور مجرم کو قانون کے حوالے کیا جائے لیکن جب یہ قانون نہیں رہے گا تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر خدانخواستہ ایسا کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ جب ایسے مجرم کے لیے قانون میں کوئی سزا نہیں ہے تو پھر کیوں نہ مجرم کو موقع پر ہی سزا دے دی جائے۔ چنانچہ اس طرح معاشرے میں خون خرابہ مزید بڑھے گا اور لوگ مجرم کو خود ہی سزا دیں گے۔

اب تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مارچ 2015ء میں یوحنا آباد لاہور کے ایک چرچ میں بم دھماکہ ہوا جس میں کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اس طرح کے بم دھماکے مسجدوں، سکولوں، بازاروں، مزارات اولیاء، تھانوں، فورسز اور حساس تنصیبات پر بھی ہوئے۔ مگر چرچ پر حملے کے بعد مشتعل عیسائیوں نے کئی روز تک فیروز پور روڈ بند رکھی۔ میٹرو بسوں کو بھاری نقصان پہنچایا۔ کئی میٹرو سٹیشنز کو آگ لگا دی گئی۔ درجنوں گاڑیوں کے شیشے توڑ دیئے گئے۔ اس کے علاوہ نہایت افسوس ناک واقعہ پیش آیا کہ وقوعہ کے قریب دو مسلمان (محمد نعیم اور بابر نعمان) ایک گھر میں شیشہ کا کام کر کے واپس جا رہے تھے کہ مشتعل ہجوم نے انہیں پکڑ لیا۔ ڈنڈوں، سریوں اور اینٹوں سے بے پناہ تشدد کرنے کے بعد ان کے گلوں میں رسی ڈال کر انہیں سڑک پر گھسیٹا گیا۔ پھر دونوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی اور نہایت بہیمانہ طریقے سے زندہ جلا دیا۔ ان کی مسخ شدہ جلی ہوئی کوئلہ لاشوں کو بانس پر لٹکا کر خوب تضحیک کی گئی۔ ایک ایسی درندگی اور سفاکی جس پر انسانیت بھی لرز اُٹھی۔ اس سانحہ فاجعہ کی ہولناک تصاویر سوشل میڈیا پر موجود ہیں۔ انہیں دیکھنے کے بعد مضبوط اعصاب کے مالک کسی بھی آدمی پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں تحقیقات کے نتیجہ میں پتہ چلا کہ وہ دونوں بے گناہ تھے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ ان کے چہروں پر داڑھی تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس سانحہ کے ذمہ داروں کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلتا اور انہیں قرار واقعی سزا دی جاتی مگر ابھی تک اس سانحہ کے ذمہ داروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

خانیوال والے واقعہ میں قادیانی مجرم کو سزا نہ دینے اور اس واقعہ میں دو بے گناہ مسلمانوں کو زندہ جلا دینے والے عیسائیوں کے خلاف کارروائی نہ کرنے جیسے پے در پے واقعات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عملی طور پر پاکستانی ریاست غیر ملکی طاقتوں کی خوشنودی کی خاطر پاکستانی اقلیتوں کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے نا قابل بیان مظالم کو بھی نہ صرف یہ کہ بڑی فراخ دلی سے برداشت کر جاتی ہے بلکہ ایسے

مجرم اقلیتی افراد کو خلاف قانون تحفظ بھی دیتی ہے۔ ہماری ریاست کے اسی طرز عمل کا شاخسانہ ہے کہ قانون ناموس رسالت 295 سی کے تحت توہین رسالت کے کسی ایک مجرم کو بھی آج تک سزا نہیں دی گئی بلکہ ایسے کئی مجرموں کو حیلوں بہانوں سے با قاعدہ ریاستی سرپرستی میں رہا کروا کے بیرون ملک روانہ کر دیا گیا جیسا کہ آسیہ ملعونہ کے ساتھ کیا گیا۔

اعتراض نمبر 17

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کو مذہبی رنجش اور تعصب کی بنیاد پر قتل کر دیا جاتا ہے جو سراسر زیادتی ہے۔

جواب: یہ کہنا کہ قانون ناموس رسالت کے مخالفین کو تعصب یا مذہبی رنجش کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے، سراسر جھوٹ اور یک طرفہ پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 4 دسمبر 2011ء کو روزنامہ ایکسپریس میں اسلام آباد کے معروف کرائم رپورٹر افتخار چوہدری کی چونکا دینے والی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے بڑی تحقیق اور ذمہ داری کے ساتھ لکھا کہ اقلیتی امور کے وفاقی وزیر شہباز بھٹی کا قتل دہشت گردی نہیں بلکہ ذاتی دشمنی اور کاروباری رنجش کا نتیجہ ہے۔ یہ انکشاف تھانہ آئی نائن کی حدود میں واقع سیکٹر I-8/3 میں مقتول شہباز بھٹی کی انسداد دہشت گردی کے ایکٹ کے تحت درج قتل کے مقدمہ کی ایف آئی آر نمبر 94 کی پولیس تفتیش میں ہوا۔ ایس ایس پی اسلام آباد کے مطابق پولیس تفتیش میں کچھ ایسی چیزیں سامنے آئی ہیں جن کے بعد مقتول شہباز بھٹی کے اہل خانہ نے پولیس سے درخواست کی ہے کہ اس کیس کو بند کر دیا جائے کیونکہ وہ ان چیزوں کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتے۔ ایس ایس پی کے مطابق مجموعی طور پر اس کیس میں 150 افراد کو شامل تفتیش کیا گیا۔ آخری ملزم حافظ نذر الاسلام کو رکن پنجاب اسمبلی طاہر نوید بھٹی نے نامزد کیا تھا، اُسے گرفتار کر کے جسمانی ریمانڈ لیا گیا تو وہ بھی پولیس تفتیش

میں بے قصور نکلا۔ تاہم اس نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا کہ دو افراد ملک عابد اور ضیاء الرحمٰن جو اس وقت دبئی میں ہیں، وہ اس قتل میں ملوث ہیں۔ اس پر وفاقی پولیس نے ملک عابد اور ضیاء الرحمٰن کو انٹر پول کے ذریعے گرفتار کرنے کے لیے وفاقی سیکرٹری داخلہ کو سمری بھجوائی جس پر انھوں نے ملزمان کو انٹر پول کے ذریعے گرفتار کرنے کے لیے ڈی جی انٹر پول کو خط لکھا۔

تفتیش میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مقتول شہباز بھٹی کے ویزوں سمیت دیگر کئی کاروبار تھے۔ ویزوں کے کاروبار میں شہباز بھٹی نے اپنے عہدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کروڑوں روپے کمائے۔ جن لوگوں کے ویزے نہ لگ سکے، انہیں رقوم بھی واپس نہ کیں جس پر ان کا متعلقہ افراد سے کئی بار زبانی جھگڑا بھی ہوا۔ اس کے علاوہ شہباز بھٹی کے پاس شراب کے کئی پرمٹ تھے۔ اس سلسلہ میں وہ ایک بااثر مافیا کے سربراہ کے طور پر کام کرتے تھے۔ شہباز بھٹی کی سرپرستی میں کھلے عام ایف ایٹ، جی نائن اور جی ایٹ میں واقع پچاس سے زائد کوٹھیوں اور گیسٹ ہاؤسز میں شراب سپلائی کی جاتی تھی۔ ذرائع کے مطابق یہاں غیر ملکی شراب کے نام پر مہنگے داموں جعلی شراب فروخت ہوتی تھی جس سے شہباز بھٹی یومیہ لاکھوں روپے کماتے تھے۔ ذرائع نے مزید بتایا کہ جی ایٹ ون جے سالک کالونی میں مبینہ شراب کی سات بھٹیوں میں جعلی، غیر معیاری اور نہایت مہلک شراب تیار ہوتی تھی جو شہباز بھٹی کی ملکیت بتائی جاتی ہیں۔ اس بھیانک اور گھناؤنے کاروبار میں شہباز بھٹی کے ساتھ کئی سیاسی اور بااثر افراد شامل تھے۔ ان افراد کا شہباز بھٹی کے ساتھ منافع کے تعین اور تقسیم پر کئی بار جھگڑا بھی ہو چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہباز بھٹی کا قتل اسی کاروباری رقابت کا نتیجہ ہے۔ 12 ستمبر 2011ء کو آئی جی اسلام آباد پولیس جناب بن یامین نے ایک نجی ٹیلی ویژن کو بتایا کہ شہباز بھٹی کو ذاتی لین دین کے معاملے میں قتل کیا گیا۔ ان لوگوں نے کرائے کے قاتلوں کے ذریعے شہباز بھٹی کو قتل کرایا۔

اس سے پہلے 6 مئی 1998ء کو رات بشپ آف فیصل آباد ڈاکٹر جان

جوزف پراسرار طور پر قتل ہوئے۔عیسائی راہنماؤں نے بشپ کے اس قتل کو مذہبی رنگ دیا اور کہا کہ انہوں نے قانون ناموس رسالت ﷺ کے خلاف خودکشی کی ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔تفصیلات کے مطابق جب 14 اکتوبر 1996ء کو محمد اکرم مدعی نے ایوب مسیح کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج کروایا تو بیرون ملک سے بشپ ڈاکٹر جان جوزف کو مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں پندرہ لاکھ ڈالر کی کثیر رقم فراہم کی جو ان کے فیصل آباد کے اکاؤنٹ میں منتقل کیے گئے۔فیصل آباد کے ایک وکیل کو کیس کی پیروی کے لیے نامزد کیا گیا۔کیس کی پیروی کے سلسلے میں ہر پیشی پر وکیل کو چار ہزار روپے یومیہ ادا کیے گئے اور دیگر اخراجات کے لیے ساہیوال کے فادر یعقوب کو مقرر کر کے ایک کثیر رقم فراہم کی گئی۔مقدمہ کی کارروائی ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج پاکپتن کی عدالت میں شروع ہوئی تو مدعا علیہ کی درخواست پر کیس کی سماعت ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ساہیوال کی عدالت میں منتقل کر دی گئی جہاں ملزم پارٹی نے ملی بھگت سے جعلی فائرنگ کا ڈرامہ رچایا جس پر سیکرٹری داخلہ کے حکم پر کیس کی حساس نوعیت کے پیش نظر سماعت سنٹرل جیل کے اندر کرنے کا حکم دیا گیا اور 27 نومبر 1996ء سے سماعت جیل کے اندر ہوتی رہی اور بالآخر توہین رسالت کے جرم میں ملزم ایوب مسیح کو سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ جب ایوب مسیح کو سزائے موت سنا دی گئی تو ڈاکٹر جان جوزف اور فادر یعقوب کے درمیان اخراجات کا تنازعہ پیدا ہو گیا۔این این آئی کے مطابق یہ رقم دونوں میں وجہ عناد تھی اور اخراجات کے مسئلہ پر ڈاکٹر جان جوزف اور ان کے ساتھیوں میں جھگڑا ابھی ہو چکا تھا۔(روزنامہ ''دن'' لاہور 11 مئی 1998ء)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنماؤں خواجہ خان محمد، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا اللہ وسایا، صاحبزادہ طارق محمود اور مولانا اسماعیل شجاع آبادی نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ ''بشپ جان جوزف کاروباری طور پر بہت پریشان رہتے تھے۔ان کی ستیانہ روڈ فیصل آباد میں ''ناصر گارمنٹس'' کے نام سے ایک بڑی فیکٹری ہے جہاں سے تیار کردہ مال بیرون ملک بھی جاتا ہے۔یہ فیکٹری چند

سالوں سے مسلسل خسارے میں جا رہے تھی۔ مزید برآں انہوں نے سینکڑوں لوگوں سے امریکہ کا ویزا لگوانے کی خاطر بھاری رقوم حاصل کی ہوئی تھیں۔ اس سلسلہ میں ان کا کئی لوگوں سے متعدد مرتبہ جھگڑا بھی ہوا اور معاملہ تھانے تک بھی گیا۔ ایک مرتبہ مقامی صوبائی وزیر نے بھی انہیں ان رقوم کی واپسی کے لیے کہا تھا۔ متاثرہ لوگوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں ثبوت کے ساتھ وزیر اعظم ہاؤس کو خطوط لکھے ہیں مگر بشپ کے اثر ورسوخ کی بنا پر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ راہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بشپ جوزف کی تحقیقات ہائی کورٹ سے کرائے تا کہ اس سازش سے پردہ اٹھ سکے۔ (روزنامہ ''مساوات'' لاہور، 12 مئی 1998ء)

معروف عیسائی راہنما میجر (ریٹائرڈ) ٹی ناصر اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''گزشتہ روز ملک بھر میں تعزیرات پاکستان 295 سی کے خاتمے کے لیے پرامن و پرتشدد مظاہرے ہوئے۔ چند افراد مبینہ طور پر ہلاک ہوئے، درجنوں زخمی اور سینکڑوں گرفتار۔ ہم نے قوم کو ان مظاہروں سے روکنے کی کوشش کی اور غدار کا خطاب پایا۔ آج مورخہ 16 مئی 1998ء معلوم ہوا کہ 295 سی ختم نہ ہو سکی۔ بشپ جان جوزف کی موت یا قتل پر تمام حقائق کے منظر عام پر آنے سے بیشتر یہ تمام کارروائی بلاجواز تھی۔ میں مسیحی قوم سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مظاہرے، یہ توڑ پھوڑ، کلام مقدس کے کس حکم کی تعمیل میں کی گئی؟ سبھی مذہبی و سیاسی راہنماؤں نے مسیحیوں کے جذبات کو بھڑکا کر یہ نامعقول کارروائی کی ہے۔ کاش ہمارے مذہبی اور سیاسی راہنما رومیوں 13 باب 1 تا 3 پڑھ لیتے تو نہ بشپ صاحب قتل ہوتے، نہ مسیحی مزید مشکلات کا شکار ہوتے۔ افسوس کہ ہمارے مسیحی راہنما اپنی دینی ذمہ داری کو بھول چکے ہیں۔ آج کے پاسبان اس قابل بھی نہیں کہ موقع ومحل کے مطابق کام کا وعظ بھی کر سکیں۔ یہاں میڈیکل سائنس پر وعظ ہوتے ہیں، کلیسیا خاموش رہتی ہے۔ مسیحی بنیادی عقائد کے خلاف لیکچر دیے جاتے ہیں، کلیسیا خاموش رہتی ہے۔ یہاں بدعتی تعلیم دی جاتی ہے، کلیسیا خاموش رہتی ہے۔ یہاں عبادت کو ناچ گانے میں تبدیل کر دیا گیا ہے، کلیسیا

خاموش ہے۔ مسیحیوں کو شراب کے پرمٹ بھی مذہبی راہنماؤں کی سفارش پر ملتے ہیں اور قوم مسیح بڑے ہوٹلوں میں لائنیں لگا کر شراب خریدتی ہیں۔ زندہ مسیح کی کتنی بڑی گواہی دی جاتی ہے! مسیحیوں کے لیے شراب پینے کا حکم کہاں درج ہے؟ ذرا ہمیں بھی معلوم ہو، لیکن گزشتہ کئی برسوں سے صرف ایک رٹ لگائی جاتی ہے کہ 295 سی ختم کرو۔ کیوں؟ کیا دوسرے مذاہب کی بزرگ ہستیوں کی توہین کا بھی اجازت نامہ چاہیے؟ ہمارے ہر فرقے کے بشپ مناسب تعلیم دینے سے بھی قاصر ہیں۔ بے شمار بشپ پیدا ہو گئے ہیں، ایک سے زائد شادیاں رچا کر بشپ بن جاتے ہیں، سارے مل کر اپنے حلقوں میں مالی بدعنوانی کرتے ہیں اور جب کوئی پکڑا جائے تو آسانی سے چھوٹ جاتا اور گلے میں صلیب لٹکائے خود کو فرشتہ ظاہر کرتا ہے۔ شفائیہ کروسیڈز کے نام پر ڈھونگ کیا جاتا ہے۔ اربوں روپے کی مالیت کی کلیسیائی املاک فروخت کر دی گئیں۔ کتنے جلوس نکلے؟ امریکن مشن کی اپنی تعزیر میں 295 سی سے ملتی جلتی شق غیر تحریری صورت میں موجود ہے اور امریکن مشن کی اس ذاتی قانون نے کتنے مسیحیوں کو مقدمات چلائے بغیر زندہ درگور کر دیا ہے۔ کیا یہ احساس ہے مسیحی قوم میں؟

قومی اخبارات اب تک یہی فرما رہے ہیں کہ تقدس ماب بشپ جان جوزف نے خودکشی کی ہے، لیکن ان کی موت پر جتنا غور کیا جائے، یہ بات ہی سامنے آتی ہے کہ ان کو قتل کیا گیا۔ قاتل کون ہے؟ اگر ٹھیک سمت میں تحقیق ہو تو معلوم کرنا چنداں مشکل کام نہیں۔ چونکہ میرا پیشہ ہتھیاروں سے کھیلنا رہا ہے، لہٰذا چند ایک ضروری نکات ذہن میں آئے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

1- کیا بشپ صاحب کو معلوم نہیں تھا کہ خودکشی ناقابل معافی گناہ ہے اور کیا ایسے بلند حوصلہ شخص سے خودکشی کی امید ہو سکتی ہے؟

2- اگر بشپ صاحب نے احتجاجی طور پر خودکشی کرنی تھی تو دن کے اجالے میں عوام کے سامنے یا عدالت میں خودکشی کرتے۔ رات کے وقت جب عدالت بند تھی، دیکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا، خودکشی کرنا عجیب سی بات لگتی ہے۔

-3 اگر بشپ صاحب نے پستول کی نالی اپنی کنپٹی پر رکھ کر فائر کیا تو:

(i) جس جگہ فائر ہوا وہاں پستول سے نکلنے والے شعلے سے جلنے کا نشان ہونا ضروری ہے۔

(ii) گولی کے دخول کی جگہ کاربن کی موجودگی کا ہونا ضروری ہے۔

(iii) اگر دماغ میں گولی ماری جائے تو جسم کا ہر حصہ اپنی جگہ پر ساقط ہو جاتا ہے۔ایسی صورت میں اگر ہتھیار گرتا بھی ہے تو نعش کے قریب ترین ہونا ضروری ہے۔

(iv) جس ہاتھ سے گولی چلائی جائے، اس پر بارود کے ذرات رہ جاتے ہیں۔کیا بشپ صاحب کے ہاتھ پر بارود کے ذرات موجود تھے؟

(v) نعش جس طریقہ سے زمین پر ملی، بشپ صاحب کا داہنا ہاتھ سینے پر تھا، یہ ناممکن ہے۔وہ پستول (پستول اس لیے کہ ریوالور کا خول ریوالور میں رہ جاتا ہے، جبکہ پستول کا خول باہر گرتا ہے) جس سے بشپ صاحب نے مبینہ طور پر خودکشی کی، اس کا خول کہاں گیا اور نعش اور ہتھیار میں کتنا فاصلہ تھا؟

-4 جب بشپ صاحب مبینہ طور پر خودکشی کرنے لگے تو ان کے ساتھی ان سے کتنے فاصلے پر تھے اور کیا انہوں نے بشپ صاحب کو روکنے کی کوشش کی؟

-5 بشپ صاحب کی مبینہ خودکشی کے فوراً بعد پولیس کو اطلاع دی گئی؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا تھی؟

-6 کیا بشپ صاحب کے دونوں ساتھیوں کے علاوہ کوئی تیسرا بھی وہاں موجود تھا، جو شاید پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت اندھیرے میں وہاں موجود تھا؟ اور کیا بشپ صاحب کے دونوں ساتھی مشکوک نہیں؟

بشپ صاحب کی مبینہ خودکشی یا قتل کا معاملہ نہایت پیچیدہ ہے اور اس کی ہر زاویے سے تحقیق ہی حقائق کو منظر عام پر لا سکتی ہے۔امید ہے کہ پولیس کے ماہرین اصل حقائق تک ضرور پہنچیں گے"۔ (ماہنامہ ''کلام حق'' گوجرانوالہ، مئی جون 1998ء)

اسی طرح ایک اور دلچسپ کیس ملاحظہ کیجیے: فیصل آباد کا مشہور قادیانی سرجن

ڈاکٹر شمس الحق طیب جنوری 2000ء میں قتل ہوا۔ قادیانی جماعت نے اسے مذہبی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے اس قتل کا الزام مسلمانوں پر عائد کر دیا۔ لاہور میں بی بی سی کے نمائندے نے بھی بغیر کسی تحقیق کے گوئبلز کے فلسفے پر عمل کرتے ہوئے بین الاقوامی میڈیا پر خبر دے دی کہ ڈاکٹر شمس الحق طیب مذہبی دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ انہوں نے قادیانی جماعت کے بانی آنجہانی مرزا قادیانی کی بدروح کو خوش کرنے کے لیے اس خبر کو خوب مرچ مصالحہ لگا کر قادیانیوں کی مظلومیت کا رونا رویا اور کہا کہ پاکستان میں قادیانی غیر محفوظ ہیں۔ اس خبر سے عالمی برادری میں مسلمانوں کا وقار خاک میں مل گیا۔ اس سازش کے پس پردہ حقائق کچھ اس طرح بولتے ہیں کہ فیصل آباد کے ایس ایس پی جناب آفتاب احمد چیمہ نے 4 ماہ کی تگ و دو کے بعد قتل کیس کے مرکزی ملزم محمود احمد قادیانی کو گرفتار کیا جس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے شمس الحق طیب کو قتل کرنے کا اعتراف کیا۔ واقعات کے مطابق ملزم محمود احمد قادیانی، ڈاکٹر شمس الحق طیب کی کوٹھی میں کام کرتا تھا جہاں اس کی دوستی ڈاکٹر شمس کی خوبصورت سالی شاہدہ سے ہوگئی۔ ایک روز شاہدہ اور ملزم محمود احمد دونوں ڈاکٹر شمس کی کوٹھی میں رنگ رلیاں منا رہے تھے کہ اچانک عین موقع پر ڈاکٹر شمس آ گئے۔ اس نے دونوں کو غیر اخلاقی حالت میں دیکھا تو غصے سے پاگل ہوگیا۔ محمود موقع سے فرار ہوگیا۔ اس واقعہ کے اگلے روز محمود احمد قادیانی نے اپنے ساتھیوں بابر رشید، واجد علی عرف بھولا، عمران اور محمد ندیم کے ہمراہ ڈاکٹر شمس کو قتل کر دیا۔ ایس ایس پی آفتاب چیمہ نے پانچوں ملزمان کو 15 مئی 2000ء کو صحافیوں کے سامنے پیش کیا جہاں محمود احمد قادیانی اور اس کے ساتھیوں نے ڈاکٹر شمس کے قتل کا اعتراف کیا۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ جس دن ڈاکٹر شمس الحق طیب قتل ہوا اس رات مغربی میڈیا بالخصوص بی بی سی نے اپنے ایک پروگرام میں کہا کہ قادیانی سرجن کو مذہبی تعصب کی بنا پر قتل کیا گیا۔ اس پروگرام میں قادیانی جماعت کے ترجمان نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دی جانی والی ترمیم کو ختم کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

ایک سے زائد بار اس طرح ہوا ہے کہ جب کوئی اقلیتی عقیدے کا حامل شخص کسی ذاتی جھگڑے یا کاروباری رنجش کے سبب بھی مارا جاتا ہے تو قادیانی گروپ پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے اور پاکستان کے آئین و قانون میں اسلامی دفعات کے خلاف جھنڈے اٹھائے باہر نکل آتا ہے۔ اس سلسلہ میں مذہب کا دانستہ ذکر کیا جاتا ہے۔ معمولی سی تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ حقائق اس کے برعکس ہیں۔ 2016ء بونیر سے PTI کا اقلیتی MPA اور وزیر سردار سورن سنگھ کا قتل ہوا۔ اس پر خوب اقلیتی کارڈ کھیلا گیا۔ ملالہ کے والد ضیاء الدین نے لندن سے اس کی ذمہ داری مختلف مذہبی تنظیموں پر ڈال دی اور حکومت پر شدید تنقید کی۔ پولیس تحقیق سے پتہ چلا کہ قتل کا ذمہ دار اقلیتی نشست کے لیے رن اپ امیدوار بلدیو کمار تھا۔ دارالحکومت اسلام آباد کے سکھ صحافی ''ہرمیت سنگھ'' کا بھائی ''پروندر سنگھ'' پشاور میں قتل ہوا تو بھی ہمارا لبرل طبقہ حسب معمول اقلیتی کارڈ کھیل کر پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے لگا۔ تفتیش پر پتہ چلا، کہ ''پروندر'' کو اُس کی منگیتر نے قتل کرایا تھا۔ اس طرح کے درجنوں واقعات ہیں کہ جن میں کسی اقلیتی فرد کے قتل پر اس طرح ہی ہنگامہ آرائی کی گئی لیکن بعد میں وہ یا تو لین دین کا جھگڑا نکلا یا پھر کوئی ذاتی سکینڈل۔ اب حال ہی میں چک نمبر 33 دھرروالی شاہ کوٹ ضلع ننکانہ صاحب میں برطانوی نژاد قادیانی مقصود احمد کا قتل ہوا۔ اس پر قادیانی جماعت سمیت ہمارے لبرل طبقے نے خوب شور مچایا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ آئین و قانون میں قادیانوں کے خلاف تمام پابندیاں ختم کی جائیں۔ بعد ازاں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ قتل خاندانی اختلافات کی بنا پر مقصود احمد کے سالے نے کیا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات پڑھنے کے بعد غیر جانبدار ہو کر آپ خود انصاف فرمائیں کہ ان واقعات میں کہیں بھی کوئی مذہبی تعصب کی بو محسوس ہوتی ہے؟ یہ خالصتاً ذاتی نوعیت کے واقعات ہیں جن کا مذہب سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں ایک خاص طبقہ ہمیشہ اس تاک میں رہتا ہے کہ جونہی کسی اقلیتی شخصیت کے ساتھ کوئی ذاتی نوعیت کا واقعہ ہو، فوراً اسے مذہب کے کھاتے میں ڈال دیا جائے اور یک طرفہ

پروپیگنڈا کر کے مسلمانوں کو بدنام کیا جائے اور پھر اس کی آڑ میں اسلامی قوانین بالخصوص قانون ناموس رسالت ﷺ ختم کرنے پر زور دیا جائے۔

اعتراض نمبر 18

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ ہمیں قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کا پاکستان چاہیے۔ قائد اعظم ایک سیکولر شخصیت تھے، وہ سیاست میں مذہب کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو پاکستان میں اسلامی قوانین کے بجائے سیکولر قوانین و نظریات نافذ ہوتے۔

جواب: اس لایعنی، بے ہودہ اور بے بنیاد اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا شمار عالم اسلام کی ان برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جن کے کارنامے اپنی انفرادیت اور تنوع کے باعث دنیا بھر میں رشک کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ ایک خالی خولی سیاست دان نہیں بلکہ ایک بااصول کراماتی شخصیت تھے۔ قائد اعظم نے 1946ء کے انتخابات کے دوران اور بعد ازاں ہندوستان کے طول و عرض کا دورہ کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ وہ متحدہ ہندوستان میں مسلم اکثریتی علاقوں اور صوبوں پر مشتمل ایک مسلم سٹیٹ کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔ 1935ء سے 1947ء تک قائد اعظمؒ نے کسی عوامی جلسے، اخباری بیان یا پریس کانفرنس میں یہ نہیں کہا کہ وہ پاکستان کے روپ میں ایک سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی محقق ایسا کوئی ایک مطبوعہ حوالہ پرنٹ میڈیا سے ڈھونڈ لائے تو راقم الحروف اسے اس کے وزن کے برابر سونا انعام میں دینے کے لیے تیار ہے۔ قائد اعظمؒ سیکولر ہوتے تو وہ مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بجائے کمیونسٹ پارٹی، سوشلسٹ پارٹی یا کسی نیشنلسٹ پارٹی میں شامل ہونے

کو ترجیح دیتے۔ وہ ایک صاف گو اور کھرے آدمی تھے۔ سیکولرازم کی طرف ان کا ذہنی و نفسیاتی جھکاؤ ہوتا تو وہ خود اس پوزیشن میں تھے کہ سیکولر پارٹی کے نام سے ایک الگ جماعت قائم کر لیتے۔ قائداعظمؒ کو سیکولر ثابت کرنے کی کوششیں وہ عناصر کر رہے ہیں، جن کا فکری تشخص اور نظریاتی شجرہ نسب عوام کے نزدیک مشکوک ہے یا جن کے آبا و اجداد نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

1892ء میں قائداعظمؒ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ گئے۔ انہوں نے درجنوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کا دورہ کیا مگر فیصلہ نہ کر سکے کہ کس کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیں؟ بالآخر انہوں نے لندن کی مشہور قانونی درسگاہ ''لنکنز ان'' میں داخلہ لے لیا۔ جس بات نے انہیں اس یونیورسٹی میں داخلہ لینے پر آمادہ کیا وہ یہ تھی کہ اس درس گاہ کے مرکزی دروازہ پر دنیا کے عظیم ترین مقننین کی فہرست آویزاں تھی جن میں حضور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا اسم مبارک بھی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا۔ لندن جیسے شہر میں جسے رقص و سرود کی پرورش گاہ تصور کیا جاتا ہے، قائداعظمؒ نے اپنے قیام کے دوران یہاں رقص و سرود کے کسی پروگرام میں کبھی شرکت نہیں کی۔ قائد اعظمؒ نے 1918ء میں بمبئی کی ممتاز شخصیت سر ڈنشا کی بیٹی رتی سے شادی کی۔ شادی سے پہلے آپ نے رتی کے قبول اسلام کی شرط رکھی۔ رتی ڈنشا پہلے مسلمان ہوئیں اور پھر ان کا نکاح محمد علی جناحؒ سے ہوا۔ یاد رہے کہ قائداعظم محمد علی جناح رتی ڈنشا کو مولانا شاہ احمد نورانیؒ کے سگے تایا حضرت مولانا نذیر احمد صدیقیؒ کے پاس لے گئے جنہوں نے رتی کو کلمہ پڑھوایا، اپنے ہاتھ پر مسلمان کیا اور پھر ان دونوں کا نکاح پڑھوایا۔

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت اور دلچسپ اتفاق ہے کہ قائداعظمؒ کی واحد اولاد یعنی ان کی بیٹی دینا جناح نے 14 اور 15 اگست 1919ء کی درمیانی شب کو جنم لیا۔ ایک مؤرخ کے بقول ان کی دوسری اولاد ٹھیک 28 برس بعد 14 اور 15 اگست 1947ء کی درمیانی شب کو معرضِ وجود میں آئی اور اس کا نام پاکستان رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ اپنی اولاد کو دل و جان سے چاہتے تھے اور خاص طور پر دینا جناح ان

کی زندگی کی پہلی محبت کی آخری نشانی تھی لیکن اس کے باوجود دینا نے کسی مسلمان نوجوان کے بجائے ایک پارسی عیسائی نوجوان نیوائیل وادیا سے شادی کا فیصلہ کیا تو قائدِ اعظم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے تعلق توڑ لیا۔ دینا ان کے جگر کا ٹکڑا تھی، اس سے بیٹی کی حیثیت سے تعلقات رکھے جا سکتے تھے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی لاتعداد مثالیں ہیں کہ لبرل قسم کے مسلمان مذہبی رشتہ ٹوٹنے کے باوجود اولاد سے سماجی تعلقات نبھاتے ہیں۔ لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قائداعظمؒ نے بیٹی سے مذہب کا رشتہ منقطع ہونے کے بعد اس سے ہر قسم کے رشتے توڑ لیے۔ دوستوں سے کبھی دینا کا ذکر تک نہ کیا جیسے ان کی کوئی اولاد ہی نہ تھی اور پھر مرتے دَم تک دینا کی شکل نہ دیکھی۔ شادی کے بعد دینا نے چند ایک بار اپنے والد گرامی کو خطوط لکھے۔ قائداعظمؒ نے ایک مہذب انسان کے مانند ان خطوط کے جوابات دیے لیکن ہمیشہ اپنی بیٹی کو ''ڈیئر دینا''! یا پیاری بیٹی! کہہ کر مخاطب کرنے کے لیے بجائے مسز وادیا کے نام سے مختصر جوابات دیے۔ (بحوالہ سٹینلے والپرٹ، جناح آف پاکستان، صفحہ 370) یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائداعظمؒ کی بیٹی مسز وادیا اپنے باپ سے ملنے اور اپنے باپ گورنر جنرل کو دیکھنے کے لیے پاکستان آنا چاہتی تھی، اس نے اجازت چاہی، دوستوں نے قائد اعظمؒ سے درخواست کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ دینا پہلی اور آخری بار قائداعظمؒ کی وفات کے موقع پر ہی پاکستان آسکی اور مرحوم باپ کی میت پر آنسو بہا کر واپس چلی گئی۔

27 جولائی 1944ء کی بات ہے، قائداعظم کا رات کا کھانا ڈھیری حسن آباد (راولپنڈی) میں عبدالغنی ٹھیکیدار کے ہاں تھا۔ کھانے کی میز پر راولپنڈی مسلم لیگ کے صدر محمد جان بیرسٹر نے پوچھا: سر! آپ جو پاکستان بنانا چاہتے ہیں، اس کا دستور کیا ہوگا؟

قائداعظم: یہ تو اس وقت کی دستور ساز اسمبلی کا کام ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔

محمد جان: اگر ہم فرض کر لیں کہ آپ کی موجودگی میں پاکستان بنتا ہے اور آپ اس ملک کے سربراہ ہیں تو پھر دستور کی حیثیت کیا ہوگی؟

قائداعظم: اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کے پاس تیرہ سو سال

سے دستور موجود ہے۔

محمد جان: اس دستور کو غیر مسلم بھی تسلیم کریں گے؟

قائداعظم: میں قرآن کا بہت بڑا عالم ہونے کا دعویدار تو نہیں لیکن قرآن کا جتنا علم مجھے ہے، اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ قرآنی دستور تو وہ ہے جس کے متعلق غیر مسلم خود کہیں گے کہ یہ ہم پر لاگو کیا جائے۔

محمد جان: قرآن میں شراب ممنوع ہے، کیا پاکستان میں شراب بند ہوگی؟

قائداعظم: بے شک! پاکستان میں شراب پر پابندی ہوگی۔

(یہ گفتگو میاں حیات بخش صدر انجمن فیض الاسلام راولپنڈی کے سامنے ہوئی اور ان کے حوالے سے ''آتش فشاں'' کے قائداعظم نمبر میں نقل کی گئی۔)

1945ء میں بمبئی میں عیدالفطر کے موقع پر آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کرسکتی''۔

مزید فرمایا: ''میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے، اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔''

نومبر 1945ء میں قائداعظمؒ نے پشاور میں کہا: ''آپ نے سپاس نامے میں مجھ سے پوچھا ہے کہ ''پاکستان میں کون سا قانون ہوگا؟'' مجھے آپ کے سوال پر سخت افسوس ہے۔ مسلمانوں کا ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب ہے، یہی

مسلمانوں کا قانون ہے اور بس...... اسلام پاکستان کے قانون کی بنیاد ہوگا اور پاکستان میں کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں ہوگا۔"

قائداعظم 1946ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں الہ آباد میں نواب سر محمد یوسف کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وکلاء کا ایک وفد ملاقات کے لیے آیا۔ ارکان وفد میں سے ایک وکیل نے قائداعظم سے پوچھا کہ "پاکستان کا دستور کیا ہوگا؟ کیا پاکستان کا دستور آپ بنائیں گے؟" قائداعظم نے فرمایا: "پاکستان کا دستور بنانے والا میں کون ہوں؟ پاکستان کا دستور تو تیرہ سو سال پہلے بن گیا تھا۔"

11 اکتوبر 1947ء کو سول، بحری، بری اور فضائی افواج کے افسران سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا: "قیام پاکستان جس کے لیے ہم گزشتہ دس برس سے کوشاں تھے، اللہ کے فضل و کرم سے آج ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن اپنی مملکت کا قیام دراصل ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے، بذات خود کوئی مقصد نہیں۔ تصور یہ تھا کہ ہماری ایک مملکت ہونی چاہیے جس میں ہم رہ سکیں اور آزاد افراد کی حیثیت سے سانس لے سکیں۔ جسے ہم اپنی صوابدید اور ثقافت کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول جاری و ساری ہوں۔"

20 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "اگر ہم قرآن حکیم سے راہنمائی حاصل کریں تو بالآخر فتح ہماری ہوگی...... میرا آپ تمام لوگوں سے یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔"

13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: "ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

27 جنوری 1948ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیہ میں "شریعت اسلامیہ" پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا:

''کون کہتا ہے کہ پاکستان کے آئین کی اساس شریعت پرنہیں ....؟ جولوگ ایسا کہتے ہیں وہ مفسد ہیں۔''

فروری 1948ء میں امریکہ کے عوام سے اپنے ایک نشری خطاب میں فرمایا:

''مجلس دستورساز پاکستان کوابھی پاکستان کے لیے دستورمرتب کرنا ہے۔ مجھے اس بات کوتو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہوگی، لیکن مجھے اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔آج بھی ان کا اطلاق عملی زندگی میں ویسے ہی ہوسکتا ہے جیسے کہ 13 سو برس قبل ہوسکتا تھا۔اسلام نے ہر شخص کے ساتھ عدل اور انصاف کی تعلیم دی ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے مرتبین کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے باخبر ہیں''۔

14 فروری 1948ء کوشاہی دربار سبی (بلوچستان) میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمدعلی جناح نے فرمایا: ''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام حضرت محمدﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اوراصولوں پررکھیں۔''

یکم جولائی 1948ء کوسٹیٹ بینک آف پاکستان کراچی کی افتتاحی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ کا تحقیقی شعبہ، بینکاری کے طور پر طریقوں کو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں جو کام کرے گا میں ان کا دلچسپی کے ساتھ انتظار کروں گا۔اس وقت مغربی اقتصادی نظام نے تقریباً ناقابل حل مسائل پیدا کردیے ہیں اور ہم میں سے اکثر کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید کوئی معجزہ ہی دنیا کواس بربادی سے بچاسکے جس کا اسے اس وقت سامنا ہے۔ یہ افراد کے مابین انصاف کرنے اور بین الاقوامی سطح سے ناچاقی کو دور کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔اس کے برعکس گزشتہ نصف صدی میں دو عالمی جنگوں کی زیادہ تر ذمہ داری بھی

اس کے سر ہے۔ مغربی دنیا اس وقت اپنی میکانکی اور صنعتی اہلیت کے باوصف جس بدترین ابتری کی شکار ہے، وہ اس سے پہلے تاریخ میں کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ مغربی اقدار، نظریے اور طریقے خوش وخرم اور مطمئن قوم کی تشکیل کی منزل کے حصول میں ہماری مدد نہیں کرسکیں گے۔ ہمیں اپنے مقدر کو سنوارنے کے لیے اپنے ہی انداز میں کام کرنا ہوگا اور دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی اساس انسانی مساوات اور معاشرتی عدل کے سچے اسلامی تصور پر استوار ہو۔ اس طرح سے ہم مسلمان کی حیثیت سے اپنا مقصد پورا کرسکیں گے اور بنی نوع انسان تک پیغام امن پہنچاسکیں گے کہ صرف یہی اسے بچا سکتا ہے اور انسانیت کو فلاح و بہبود، مسرت وشادمانی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔"

اگست **1941**ء میں قائداعظم جب حیدرآباد تشریف لے گئے تو ان سے "اسلامی حکومت" کی وضاحت چاہی گئی تو انہوں نے اس سوال کے جواب میں نوجوان طلباء کو بتلا دیا کہ:

"اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ کی ذات ہے جس کے لیے تعمیل کا مرکز "قرآنِ مجید" کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔"

قائداعظم کے یہ اور دیگر اس طرح کے بیانات "حیاتِ قائد اعظم" اور "قائداعظم: تقاریر و بیانات" جیسی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ بیانات اس قدر واضح اور مترشح ہیں کہ ان کی مزید وضاحت اور تعبیر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قائداعظم اپنے بیانات میں تواتر سے قرآن مجید اور اسلام کو تیرہ سو سال پہلے کا آئین قرار دیتے اور اسے دیگر اقوام کے سامنے نہایت فخر سے بیان کرتے تھے۔ مگر افسوس

آج کس قدر مغالطہ آمیز اور گمراہ کن بیانات دیے جارہے ہیں۔ایسے بیانات صرف وہ شخص دے سکتا ہے جس کی بدنصیبی نے اسے اسلام، اسلامی تاریخ، اسلام کے سیاسی فلسفہ اور نظام حیات کے مطالعے سے محروم رکھا ہو۔

یہ اہم بات بھی ریکارڈ کا حصہ رہنی چاہیے کہ قائداعظم کی صدارت میں جتنے چھوٹے بڑے، اہم یا غیر اہم اجلاس ہوئے، ان کے شروع میں تلاوت قرآن مجید باقاعدگی کے ساتھ ہوتی تھی، حالانکہ سیکولر حضرات قرآن کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے۔

1927ء میں لاہور کے ایک پبلشر راج پال نے پروفیسر چماپتی کی کتاب شائع کی جس میں حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ناروا حملے کیے گئے تھے۔اس کتاب کے چھپتے ہی مسلمانوں میں غم وغصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔چنانچہ اس کتاب کے پبلشر راج پال پر فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلا، ماتحت عدالت نے مقدمہ کی سماعت کے بعد ملزموں کو دو سال قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی لیکن عدالت عالیہ کے چیف جسٹس سر شادی لال نے (جو مسلمانوں کے لیے اپنے روایتی تعصب کے بہت مشہور تھا) راج پال کو بری کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور 24 ستمبر 1927ء کو ایک مسلمان خدا بخش نے راج پال پر حملہ کیا لیکن وہ بدبخت بچ گیا۔ 19 اکتوبر 1927ء کو ایک اور نوجوان عبدالعزیز نے دوبارہ راج پال پر حملہ کیا لیکن اس بار بھی قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور وہ موت کے منہ میں جانے سے بچ گیا۔اس کے بعد لاہور کے سریاں والا بازار کے غازی علم الدین نے 6اپریل 1929ء کو راج پال پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غازی علم الدین کو گرفتار کر کے ان پر سیشن عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں کام کرنے والے ہندوؤں کی اکثریت نے اس مقدمے کا چالان حیرت انگیز برق رفتاری سے تیار کرا کے عدالت میں بھیج دیا اور عدالت نے استغاثہ کے چند گواہوں کے بیان لیے اور ملزم پر فرد جرم عائد کر دی اور صفائی لیے بغیر 10 اپریل کو مقدمہ سیشن کورٹ کے سپرد کر دیا۔سیشن جج مسٹر ٹیپ نے علم الدین پر زیر دفعہ 302 تعزیرات ہند فرد جرم

عائد کر دی اور 22 مئی 1929ء کو پھانسی کا حکم سنایا۔ اس کے ساتھ ہی مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 376 کی رو سے اپنے فیصلے کی توثیق کرانے کے لیے مقدمہ کی مکمل فائل ہائی کورٹ بھیج دی۔

مسٹر ٹیپ سیشن جج کے فیصلے سے مسلمانوں کو سخت رنج ہوا اور انہوں نے علم الدین کی جان بچانے کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ لاہور کے ایک جلسے میں فیصلہ ہوا کہ علم الدین کی جان بچانے کے لیے ہائی کورٹ میں اپیل کی جائے گی۔ قائداعظم محمد علی جناح ان ایام میں بمبئی میں پریکٹس کر رہے تھے اور صرف محمد علی جناح کے نام سے جانے جاتے تھے۔ علم الدین کے بعض عزیزوں کی خواہش تھی کہ مقدمہ کی پیروی کے لیے کسی بہت بڑے وکیل کی خدمات حاصل کی جائیں۔ علامہ اقبال کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے ذاتی رائے یہ دی کہ اس مقدمہ کی پیروی کے لیے محمد علی جناح کی خدمات حاصل کی جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا، اس طرح قائداعظم کو بمبئی سے لاہور بلوانے کے محرک و موئید علامہ اقبال بنے۔ لاہور کے مشہور وکیل فرخ حسین بیرسٹرایٹ لاء نے قائداعظم کی معاونت کی۔ مقتول کی طرف سے جے لال کپور اور سرکار کی طرف سے دیوان لال مقرر ہوئے۔ 17 جولائی 1929ء کو جسٹس براڈوے اور جسٹس جانسن کے روبرو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ قائداعظمؒ محمد علی جناح نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر انتہائی قابلیت کے ساتھ غازی علم الدین کا مقدمہ لڑا۔ انہوں نے انتہائی مدلل اور علمی دلائل دیئے۔ عینی گواہوں کے بیانات اور سیشن جج کے فیصلہ کی کمزوریوں کو واضح کر کے کیس کے بخیے ادھیڑ دیئے۔ مختصراً انہوں نے عدالت کو بتایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات پر رکیک حملے کرنا جرم ہے۔ راجپال کی کتاب انتہائی دلآزار ہے۔ اسے پڑھ کر کوئی بھی مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کی ناموس کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملزم کا یہ قتل انتہائی اشتعال انگیزی پر مبنی ہے، اس لیے غازی علم الدین کے خلاف زیر دفعہ 302 قتل عمد کے بجائے 308 قتل بوجہ اشتعال کارروائی کی جانی چاہیے اور ملزم کو موت کے بجائے سات سال قید کی سزا کا مستوجب سمجھنا چاہیے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے عدالت میں ٹھوس دلائل اور گفتگو پڑھنے کے لائق ہے۔ صفحات کی کمی کے پیش نظر میں انہیں یہاں نقل کرنے سے قاصر ہوں۔ مشہور متعصب ہندو اخبار ''پرتاب'' نے اس مسئلہ پر کئی نوٹ لکھے، گپ شپ اور چلنت کے نام سے دو کالم چھپتے تھے، ان میں قائداعظم پر ذاتی حملے کیے گئے۔ افسوس، عدالت عالیہ کے ججوں نے مسلم دشمنی کی بنا پر سیشن جج کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے غازی علم الدین کی سزائے موت برقرار رکھی۔

قائداعظمؒ محمد علی جناح نے جس قابلیت سے مقدمہ کی پیروی کی، اس پر روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی نے اپنی اشاعت مورخہ 20 جولائی 1929ء کو ''مسٹر جناح کی باطل شکن تقریر'' کے زیرعنوان انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا:

❑ ''لاہور ہائی کورٹ سے بھی میاں علم الدین کی اپیل کا فیصلہ صادر ہو گیا اور پھانسی کا جو حکم سیشن عدالت سے ہوا تھا، وہی بحال رہا۔ محمد علی جناحؒ کی مدلل اور مؤثر تقریر کو پڑھنے کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے دلائل کس قدر وزنی تھے اور انہوں نے ماتحت عدالت کی شہادتوں میں جن نقائص کا ذکر کیا تھا، ان سے مقدمہ کس درجہ کمزور ہو گیا تھا مگر ہائی کورٹ کے ججوں نے خدا معلوم کن وجوہ کی بنا پر ان دلائل کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ محمد علی جناحؒ کی تقریر کے بعد پھانسی کی سزا کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔'' (الجمعیۃ 20 جولائی 1929ء، ص4)

مسلمانوں نے ہائی کورٹ میں اپیل خارج ہونے کے بعد پریوی کونسل لندن میں اپیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپیل کا مسودہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زیرنگرانی تیار کیا گیا۔ اس میں واقعات اور قانونی ضابطوں کی تفصیل درج کرنے کے بعد اس بات پر زور دیا گیا کہ پریوی کونسل کو یہ صداقت مان لینی چاہیے کہ مسلمانوں کو پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی ذات مقدّس سے اس قدر پُرخلوص محبت ہے کہ وہ ناموس رسالت ﷺ پر ہر لمحہ جان دینے کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں، اس لیے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے شخص کو موت کی سزا اور شاتم کو موت کی نیند سلانے والے عاشق رسولؐ کو

غازی کے خطاب سے نوازا جانا چاہیے۔ لیکن پریوی کونسل نے اس اپیل کو نہ صرف منظور ہی نہیں کیا بلکہ دفعہ 153 اور دفعہ 304 کے تحت اشتعال انگیز قتل کے معاملے کی وضاحت بھی نہ کی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ انگریز مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو کو اپنا سمجھتا ہے اور اس کی ناجائز طرف داری کر رہا ہے۔

اگر قائداعظمؒ سیکولر ہوتے تو وہ غازی علم الدین شہیدؒ کے مقدمے کی پیروی کے بجائے روایتی سیکولروں کی طرح یہ کہتے کہ چونکہ سیکولرازم کے تحت ہر شخص کو فکر کی آزادی کا حق حاصل ہے، اس لیے راجپال نے اہانت رسولؐ پر مبنی مواد شائع کر کے اپنے حق کا استعمال کیا ہے، اس لیے میں ''آزادی اظہار کے علمبردار'' راجپال کی طرف سے عدالت میں پیش ہوں گا۔ حالانکہ اس کے برعکس گستاخ راجپال کو قتل کرنے والے غازی علم دین کا مقدمہ لڑنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناحؒ خصوصی طور پر لاہور آتے رہے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ قائداعظم غازی علم دین کے اقدام کو درست سمجھتے تھے۔ یہ ان لوگوں کے لیے بھی جواب ہے جو یہ بودی دلیل دیتے نظر آتے ہیں کہ گستاخ کی سزا ہے بھی تو وہ مسلم ممالک میں نافذ کرنے کے لیے ہے، کیونکہ جس وقت غازی علم دین نے راجپال کو انجام تک پہنچایا اور قائداعظم نے ان کا مقدمہ لڑا، اس وقت برصغیر پر انگریزوں کی حکمرانی تھی۔

31 اکتوبر 1929ء کو غازی علم الدین کو میانوالی جیل میں پھانسی دی گئی۔ پنجاب کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ غازی علم الدین کو میانوالی، جہاں انہیں پھانسی دی گئی تھی، اس کے بجائے لاہور میں سپرد خاک کیا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک وفد نے جس میں علامہ محمد اقبالؒ، سر محمد شفیع، غلام محی الدین قصوری اور میاں عبدالعزیز (مالواڈہ) شامل تھے، نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی اور غازی کو لاہور میں دفن کیے جانے کی اجازت طلب کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مسلمان زعما کے دلوں میں غازی علم الدین شہید کے لیے کتنی محبت اور عزت تھی۔ لاہور میں جنازہ ہوا۔ غازی علم الدین کے جنازے میں تقریباً چھ لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ جنازے کا جلوس تقریباً

پانچ میل لمبا تھا۔ غازی علم الدین کو لاہور کے قدیم اور معروف قبرستان میانی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس موقع پر تحریک پاکستان کے فکری باپ حضرت علامہ اقبالؒ نے روتے ہوئے تاریخی جملہ فرمایا:

''اسیں گلاں ای کردے رہ گئے، تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا''!

6 مارچ 1934ء کو غازی عبدالقیوم شہید نے ایک گستاخ رسولؐ ناتھورام کو واصل جہنم کیا۔ ناتھورام نے حضور پاک ﷺ کی شان میں گستاخانہ پمفلٹ شائع کیا تھا۔ حکومت نے 1936ء میں غازی عبدالقیوم کو پھانسی کی سزا دی۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ غازی عبدالقیوم شہید کے جنازے کے ہجوم پر پولیس نے فائر کھول دیا جس کے نتیجے میں بہت سے مسلمان موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ شہر میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ نئی دہلی میں لیجسلیٹو اسمبلی میں اس واقعہ کو اٹھایا گیا۔ مسلمان ممبر اسمبلی جناب کے ایل گابا K.L. GABA نے 21 مارچ 1935ء کو تحریک التوا کو روک کر پولیس کے گولی چلانے اور مسلمانوں کی ہلاکتوں پر بحث کرنے کی تجویز پیش کی۔ SIR HENRY CRAIK ہوم ممبر نے حکومت کا دفاع کرتے ہوئے کہا: اگر مسلمانوں کے ہجوم کو جنازے کا کاندھا دینے کی اجازت دے دی جاتی تو امن وامان کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ قائداعظم نے سرہنری کریک کے بیان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ قائداعظم نے کہا: ''ان کے خیال میں معزز ممبر نے عقل و دانش کو بروئے کار لانے کے بجائے تن آسانی سے کام لیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ آنریبل ہوم ممبر نے 20 ہزار کے مجمع کو کنٹرول کرنے کا کیا انتظام کیا؟ جیل سے قبرستان دو میل کے فاصلے پر ہے۔ 20 ہزار کا مجمع قبرستان کیسے پہنچ گیا؟ بادشاہ آتا ہے تو آپ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دیتے ہیں۔ آپ نے تو مجمع کو ذبح کرنے کے لیے ان پر گولی چلادی۔ آپ کو معلوم تھا کہ لوگوں کے جذبات بھڑکے ہوئے ہیں، جنازے کو کاندھا دینا مجمع کا حق تھا۔ حالات کے خراب ہونے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، میرا مطالبہ یہ ہے کہ اس سنگین واقعے کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن قائم کیا جائے۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آنریبل ہوم ممبر، کمیشن قائم کرنے کی کیوں

مخالفت کرر ہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس موقع پر سول اتھارٹی کیا کر رہی تھی؟ گولی چلانے کا حکم کس نے دیا تھا؟ ہوم ممبر سر ہنری کریک نے کہا گولی چلانے کا حکم فوجی کمانڈر نے دیا۔ قائداعظم نے اس پر یہ ریمارکس دیے کہ فوجی کمانڈر نے میرے خیال میں حالات کی نزاکت کا خیال نہیں کیا۔ گولی چلانے کا فیصلہ عجلت میں کیا۔ آپ اسے ERROR OF JUDGEMENT کہہ سکتے ہیں۔ کمیشن مکمل تحقیقات کرنے کا ذمہ دار ہے، وہ حکومت کو آئندہ کے لیے سبق سکھائے گا یا وہ انہیں عقل سکھائے گا کہ ایسے موقعوں پر دانشمندی کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟ ایسے موقعوں پر غیر ذمہ دارانہ اقدام حالات کو بگاڑنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ عجلت میں کیے گئے فیصلے بڑی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ غیر ذمہ دارانہ بیانات کے نتائج بھی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ کا کام قانون وضع کرنا ہوتا ہے، قانون کی تشریح عدالتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے اکابرین کے فکرونظر سے آگاہی حاصل کرتی ہیں۔ پچھلے واقعات اصلاح احوال کا سبب بنتے ہیں۔'' (جناب سعید صدیقی کا کالم ''ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز'' مطبوعہ روزنامہ جنگ، لاہور 21 جنوری 2011ء)

فروری 1936ء میں کراچی کے مسلمانوں نے ایک وفد حکیم الامت علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وفد جس میں مولانا ثناء اللہ، عبدالخالق اور حاجی عبدالعزیز شامل تھے، لاہور پہنچا اور میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مقدمے کی روداد تفصیل کے ساتھ سنائی۔ اس کے بعد عرض کیا کہ آپ وائسرائے سے ملاقات کریں۔ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لائیں اور انہیں اس پر آمادہ کریں کہ غازی عبدالقیوم کی سزائے موت عمر قید میں بدل دی جائے۔ وفد نے اصرار کے ساتھ کہا کہ اگر آپ نے سعی و توجہ فرمائی، تو پوری توقع ہے کہ غازی عبدالقیوم کی جانب سے رحم کی اپیل حکومت ہند ضرور منظور کر لے گی۔

علامہ اقبالؒ وفد کی یہ گفتگو سن کر دس بارہ منٹ تک بالکل خاموش رہے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وفد کے ارکان منتظر اور مضطرب تھے کہ دیکھیے علامہ کیا

فرماتے ہیں۔ توقع یہی تھی کہ جواب اثبات میں ملے گا کہ ایک عاشق رسولؐ کا معاملہ دوسرے عاشق رسولؐ کے سامنے پیش ہے۔ اس سکوت کو پھر علامہ اقبالؒ ہی کی آواز نے توڑا۔ انہوں نے فرمایا ''کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟'' ارکان وفد نے کہا ''نہیں اس نے تو ہر عدالت میں اپنے اقدام کا اقبال اور اعتراف کیا ہے۔ اس نے نہ تو بیان تبدیل کیا اور نہ لاگ لپیٹ اور اینچ پینچ کی کوئی بات کہی۔ وہ تو کھلے خزانے کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے۔ مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔''

وفد کی اس گفتگو کو سن کر علامہ کا چہرہ تمتما گیا۔ انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا ''جب غازی عبدالقیوم کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، تو میں اس کے اجروثواب کی راہ میں کیسے حائل ہوسکتا ہوں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لیے وائسرے کی خوشامد کروں، جو زندہ رہا تو غازی ہے اور مر گیا تو شہید ہے۔'' علامہ اقبالؒ کے لہجے میں اس قدر تیزی تھی کہ وفد کے ارکان اس سلسلے میں مزید کچھ اور کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ غازی عبدالقیوم کو جس دن پھانسی دی گئی، کراچی کی تاریخ میں وہ دن مسلمانوں کے جوش واضطراب کا یادگار دن تھا۔ دلوں میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ کاش! یہ شہادت ہمیں میسر آتی۔ لاہور میں غازی علم الدین اور کراچی میں غازی عبدالقیوم کے ان واقعات کا علامہ اقبالؒ نے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا اور اپنے اس قلبی تاثر کو تین شعروں میں بیان فرما دیا۔ یہ اشعار ''لاہور اور کراچی'' کے عنوان سے ''ضرب کلیم'' میں شائع ہو چکے ہیں مگر غازی عبدالقیوم کے لیے رحم کی درخواست کے اس واقعہ کی روشنی میں ان اشعار کا مفہوم کچھ اور زیادہ ابھرتا ہے:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مرد مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرف لاتدع مع اللہ الھا اخر

علامہ اقبال کی شہرۂ آفاق فارسی شاعری کی کتاب ''رموزِ بے خودی'' جب 1918ء میں شائع ہوئی تو علامہ اقبالؒ نے اپنی اس طویل نظم کے ایک حصہ کا عنوان ''آئین ملتِ محمدیہ قرآن است'' رکھا، اس عنوان کے تحت 135 اشعار درج ہیں۔ علامہ اقبال کے درج ذیل معروف اشعار بھی ان میں شامل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

ملتے را رفت چوں آئین ز دست
مثل خاک اجزائے او از ہم شکست
ہستی مسلم ز آئین است و بس
باطن دین نبی ﷺ این است و بس
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم
نوع انساں را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعالمین ﷺ
نسخہ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

ان اشعار کا آسان ترجمہ ومفہوم کچھ یوں ہے: علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

''جس قوم نے آئین (قرآن) ہاتھ سے جانے دیا، اس کے اجزا خاک کی صورت پریشان ہوگئے۔ مسلمانوں کی قوت کا دارو مدار آئین پر ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کے دین کا باطن بھی آئین میں ہے۔ قرآن ایک زندہ وتابندہ کتاب ہے، اس کی حکمت لازوال اور اس کی دانش قدیم ہے۔ یہ نوع انسانی کے لیے آخری پیغام ہے۔ حضرت محمد ﷺ جو رحمت للعالمین ہیں، اس کے حامل ہیں۔ اگر مسلمانوں کی طرح جینے کا ارماں رکھتے ہو تو جان لو کہ قرآن کے علاوہ کوئی ہادی نہیں مل سکتا۔''

علامہ محمد اقبالؒ نے ملتِ اسلامیہ کے لیے قرآن مجید کو آئین قرار دیا ہے۔
درحقیقت پوری اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کی سیاسی فکر کا یہ بنیادی نکتہ رہا ہے اور اس کے متعلق کبھی شکوک وشبہات یا ذہنی تحفظات وارد نہیں کیے گئے۔ اسلامی تاریخ میں جن برگزیدہ ہستیوں نے اسلام کی سیاسی فکر پر قلم اُٹھایا ہے، ان سب مفکرین اسلام نے قرآن مجید کو اسلام کی سیاسی فکر ونظام ریاست کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظمؒ اپنے اسلاف کی اسی تابندہ فکر کے علم بردار تھے۔

اعتراض نمبر 19

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ بائبل میں کسی بھی جرم کی سزا موت نہیں ہے۔ لہٰذا گستاخ رسول کی سزا موت نہیں ہونی چاہیے۔

جواب: عیسائی حضرات کا یہ موقف نہایت کم علمی پر مبنی ہے کہ عیسائی مذہب میں کسی بھی جرم کی سزا موت نہیں ہے۔ بائبل میں خدا پر لعنت کرنے، خداوند کے نام پر کفر بکنے، کاہن اور قاضی کی گستاخی کرنے، والدین کی توہین کرنے، ارتداد اختیار کرنے، یہودی مذہب کی توہین کرنے، یوم سبت کی توہین کرنے اور قتل کی سزا موت ہے۔ اس سلسلہ میں چند حوالے ملاحظہ کیجیے:

بائبل میں خدا، خداوند، روح القدس اور بادشاہ کی توہین یا گستاخی کرنے کی سزا موت ہے۔

❑ ”اور تو بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کرے، اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔ اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے، ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے۔ خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی، جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔“ (احبار: باب 24 فقرہ 15، 16)

❑ ''جو روح القدس کے حق میں کفر بکے، اس کو معاف نہ کیا جائے گا''۔

(لوقا: باب 12، فقرہ 10)

❑ ''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر (توہین) روح القدس کے حق میں ہو، وہ معاف نہ کیا جائے گا''

(متی: باب 12، فقرہ: 31)

سینٹ تھامس ایکوناس کا شمار کیتھولک عیسائیت کے مشہور ترین مذہبی راہنماؤں اور فلسفیوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی شہرت یافتہ کتاب ''مدخل الٰہیات'' (Summa theologica) باب دوم میں لکھتا ہے: ''کلمہ کفر قتل سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے''۔

❑ ''اور دو آدمیوں کو جو شریر ہوں، اُس کے سامنے کر دو کہ وہ اُس کے خلاف یہ گواہی دیں کہ تو نے خدا پر اور بادشاہ پر لعنت کی، پھر اُسے باہر لے جا کر سنگسار کرو تا کہ وہ مر جائے''۔ **(1۔سلاطین: باب 21 فقرہ 10)**

❑ ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بنی آدم کے سب گناہ اور جتنا کفر وہ بکتے ہیں، معاف کیا جائے گا لیکن جو کوئی روح القدس کے حق میں کفر بکے، وہ ابد تک معافی نہ پائے گا بلکہ ابدی گناہ کا قصوروار ہے''۔ **(مرقس: باب 3 فقرہ: 28، 29)**

بائبل کا اُردو میں ترجمہ کرتے ہوئے اُردو مترجم نے **Blasphemy** کا ترجمہ کفر کر دیا ہے۔ یہ درست ہے کہ انبیاء کی گستاخی کفر بھی ہے مگر **Blasphemy** کا صحیح ترجمہ توہین و گستاخی ہی ہے۔ لہٰذا اس کا درست ترجمہ یہ ہوگا:

❑ ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بنی آدم کے سب گناہ اور جتنی گستاخی وہ بکتے ہیں، معاف کیا جائے گا لیکن جو کوئی روح القدس کے حق میں گستاخی بکے، وہ ابد تک معافی نہ پائے گا بلکہ ابدی گناہ کا قصوروار ہے''۔ **(مرقس: باب 3 فقرہ: 28، 29)**

❑ ''اور دیکھ بنیمینی جیرا کا بیٹا بحوریمی سمعی تیرے ساتھ ہے جس نے اُس دن جب کہ میں محنایم کو جاتا تھا، بہت بُری طرح مجھ پر لعنت کی، پر وہ یردن پر مجھ سے ملنے کو آیا اور میں نے خداوند کی قسم کھا کر اس سے کہا کہ میں تجھے تلوار سے قتل نہیں کروں گا، سو تو اُس کو

بے گناہ نہ ٹھہرانا کیونکہ تو عاقل مرد ہے اور تو جانتا ہے کہ مجھے اُس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے پس تو اُس کا سفید سر لہولہان کر کے قبر میں اتارنا۔'' (1۔سلاطین: باب 2، فقرہ 8، 9)

بائبل میں کاہن اور قاضی کی گستاخی کی سزا موت ہے۔

- ''شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں، اسی کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں، اس سے دائیں یا بائیں نہ مڑنا۔ اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہا نہ سُنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دور کر دینا اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔'' (استثناء: باب 17 فقرہ 11 تا 13)

اگر کاہن کی بیٹی بھی غلط راستے پر چلے گی تو اسے سنگسار تو دور کی بات، زندہ آگ میں جلایا جائے گا کیونکہ اس کے کسی بُرے فعل سے کہانت بدنام ہوئی اور کاہن کو لوگوں میں شرمندگی اُٹھانا پڑی۔ توریت میں لکھا ہے:

- ''پس تو کاہن کو مقدس جاننا کیونکہ وہ تیرے خدا کی غذا گزرانتا ہے...... اور اگر کاہن کی بیٹی فاحشہ بن کر اپنے آپ کو ناپاک کرے تو وہ اپنے باپ کو ناپاک ٹھہراتی ہے۔ وہ عورت آگ میں جلائی جائے''۔ (احبار 21:8، 9)

مرتد کی سزا کے بارے میں توریت کا کہنا ہے:

- ''جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے تو وہ بالکل نابود کر دیا جائے''۔ (خروج: باب 22 فقرہ 20)

- ''اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیرا بیٹا یا بیٹی یا تیری ہم آغوش بیوی یا تیرا دوست جس کو تو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے، تجھ کو چپکے چپکے پھسلا کر کہے کہ چلو ہم اور دیوتاؤں کی پوجا کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف بھی نہیں۔ یعنی ان لوگوں کے دیوتا جو تمہارے گرداگرد تیرے نزدیک رہتے ہیں یا تجھ سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک بسے ہوئے ہیں۔ تو تو اس پر اس کے ساتھ رضامند نہ ہونا اور نہ اس کی

بات سُننا۔تو اس پر ترس بھی نہ کھانا اور نہ اس کی رعایت کرنا اور نہ اسے چھپانا۔ بلکہ تو اس کو ضرور قتل کرنا اور اس کو قتل کرتے وقت پہلے تیرا ہاتھ اس پر پڑے۔اس کے بعد سب قوم کا ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا تا کہ وہ مر جائے۔'' (استثناء: باب 13 فقرہ: 6 تا 10)

بائبل کی کتاب اعمال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مبلغ کو سنگسار کرنے کا ذکر موجود ہے جس نے یہودی مذہب کی توہین کی تھی۔

❑ ''جب انہوں نے یہ باتیں سنیں تو جی میں جل گئے اور اس پر دانت پیسنے لگے۔مگر اس نے روح القدس سے معمور ہو کر آسمان کی طرف غور سے نظر کی اور خدا کا جلال اور یسوع کو خدا کی داہنی طرف کھڑا دیکھ کر کہا کہ دیکھو: میں آسمان کو کھلا اور ابن آدم کو خدا کی داہنی طرف کھڑا دیکھتا ہوں۔مگر انہوں نے بڑے زور سے چلا کر اپنے کان بند کر لیے اور ایک دل ہو کر اس پر جھپٹے اور شہر سے باہر نکال کر اس کو سنگسار کرنے لگے اور گواہوں نے اپنے کپڑے ساؤل نامی ایک جوان کے پاؤں کے پاس رکھ دیے۔پس یہ ستفنس کو سنگسار کرتے رہے اور وہ کہہ کر دعا کرتا رہا کہ اے خداوند یسوع: میری روح کو قبول کر۔پھر اس نے گھٹنے ٹیک کر بڑی آواز سے پکارا کہ اے خداوند: یہ گناہ ان کے ذمہ نہ لگا اور یہ کہہ کر سو گیا اور ساؤل اس کے قتل پر راضی تھا۔'' (اعمال: باب 7، فقرہ: 54 تا 59)

بائبل میں یومِ سبت کی توہین کی سزا موت ہے۔

❑ ''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دینا کہ تم میرے سبتوں کو ضرور ماننا۔اس لیے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان تمہاری پشت در پشت ایک نشان رہے گا تا کہ تم جانو کہ میں خداوند تمہارا پاک کرنے والا ہوں۔پس تم سبت کو ماننا، اس لیے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے، وہ ضرور مار ڈالا جائے۔جو اس میں کچھ کام کرے، وہ اپنی قوم میں سے کاٹ ڈالا جائے۔چھ دن کام کاج کیا جائے لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے جو خداوند کے لیے مقدس ہے۔جو کوئی سبت کے دن کام کرے، وہ ضرور مار ڈالا جائے۔پس بنی اسرائیل سبت کو مانیں اور پشت در پشت اُسے دائمی عہد جان کر اُس کا لحاظ رکھیں''۔(خروج: باب 31 فقرہ: 12 تا 17)

❑ ''اور موسیٰ نے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو جمع کر کے کہا جن باتوں پر عمل کرنے کا حکم خداوند نے تم کو دیا ہے، وہ یہ ہیں۔ چھ دن کام کاج کیا جائے لیکن ساتواں دن تمہارے لیے روزِ مقدس یعنی خداوند کے آرام کا سبت ہو۔ جو کوئی اس میں کچھ کام کرے، وہ مار ڈالا جائے۔ تم سبت کے دن اپنے گھروں میں کہیں بھی آگ نہ جلانا۔'' (خروج: باب 35 فقرہ 2،3)

❑ ''اور جب بنی اسرائیل بیابان میں رہتے تھے۔ اُن دنوں ایک آدمی ان کو سبت کے دن لکڑیاں جمع کرتا ہوا ملا۔ اور جن کو وہ لکڑیاں جمع کرتا ہوا ملا تھا، وہ اسے موسیٰ اور ہارون اور ساری جماعت کے پاس لے گئے۔ انہوں نے اُسے حوالات میں رکھا کیونکہ اُن کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اُس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یہ شخص ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت لشکر گاہ کے باہر اُسے سنگسار کرے۔ چنانچہ جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا، اُس کے مطابق ساری جماعت نے اُسے لشکر گاہ کے باہر لے جا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا''۔ (گنتی: باب 15 فقرہ 32 تا 36)

بائبل میں ماں باپ کی توہین کرنے پر موت کی سزا

❑ ''بائبل میں ماں باپ کی توہین کرنے پر موت کی سزا ہے۔ اور جو اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے، وہ قطعی مار ڈالا جائے''۔ (خروج: باب 21 فقرہ: 17)

بائبل میں مختلف جرائم کے ارتکاب پر موت کی سزا

❑ ''اور تم میرے آئین کو ماننا اور اس پر عمل کرنا۔ میں خداوند ہوں جو تم کو مقدس کرتا ہوں اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے، وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ اس نے اپنے باپ یا ماں پر لعنت کی ہے۔ سو اس کا خون اسی کی گردن پر ہوگا۔ اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے، وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں۔ اور جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے صحبت کرے، اس نے اپنے باپ کے بدن کو بے پردہ کیا۔ وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں۔ اُن کا خون اُن ہی کی گردن پر ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بہو سے صحبت کرے

تو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں۔ انہوں نے اوندھی بات کی ہے۔ ان کا خون اُن ہی کی گردن پر ہوگا۔ اور اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جیسے عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے نہایت مکروہ کام کیا ہے۔ سو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں۔ اُن کا خون اُن ہی کی گردن پر ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور اپنی ساس دونوں کو رکھے تو یہ بڑی خباثت ہے۔ سو وہ آدمی اور وہ عورتیں تینوں کے تینوں جلا دیئے جائیں۔ تا کہ تمہارے درمیان خباثت نہ رہے اور اگر کوئی مرد کسی جانور سے جماع کرے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ اور تم اُس جانور کو بھی مار ڈالنا۔ اور اگر کوئی عورت کسی جانور کے پاس جائے اور اُس سے ہم صحبت ہو، تو اُس عورت اور جانور دونوں کو مار ڈالنا۔ وہ ضرور جان سے مارے جائیں، اُن کا خون اُن ہی کی گردن پر ہوگا۔ اور اگر کوئی مرد اپنی بہن کو جو اُس کے باپ کی یا اُس کی ماں کی بیٹی ہو، لے کر اُس کا بدن دیکھے اور اُس کی بہن اُس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے، وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جائیں۔ اُس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا، اُس کا گناہ اُسی کے سر لگے گا''۔ (احبار: باب 20 فقرہ: 8 تا 17)

- ''اور اسرائیلی شطیم میں رہتے تھے اور لوگوں نے موآبی عورتوں کے ساتھ حرام کاری شروع کر دی کیونکہ وہ عورتیں اِن لوگوں کو اپنے دیوتاؤں کی قربانیوں میں آنے کی دعوت دیتی تھیں اور یہ لوگ جا کر کھاتے اور ان کے دیوتاؤں کو سجدہ کرتے تھے۔ یوں اسرائیلی بعل فغور کو پوجنے لگے۔ تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا اور خداوند نے موسیٰ سے کہا: قوم کے سب سرداروں کو پکڑ کر خداوند کے حضور دھوپ میں ٹانک دے تا کہ خداوند کا شدید قہر اسرائیل پر سے ٹل جائے۔ سو موسیٰ نے بنی اسرائیل کے حاکموں سے کہا کہ تمہارے جو جو آدمی بعل فغور کی پوجا کرنے لگے ہیں، ان کو قتل کر ڈالو۔''

(گنتی: باب 25 فقرہ 1 تا 5)

- ''پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا! تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دے کہ بنی اسرائیل میں سے یا اُن پردیسیوں میں سے جو اسرائیلیوں کے درمیان بودو باش کرتے

ہیں جو کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو مولک کی نذر کرے، وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ اہل ملک اُسے سنگسار کریں"۔ (احبار: باب 20 فقرہ 1، 2)

❑ "تم اُس پہاڑ کے پاس نہیں آئے جس کو چھونا ممکن تھا اور وہ آگ سے جلتا تھا اور اُس پر کالی گھٹا اور تاریکی اور طوفان اور نرسنگے کا شور اور کلام کرنے والے کی ایسی آواز تھی جس کے سننے والوں نے درخواست کی کہ ہم سے اور کلام نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس حکم کو برداشت نہ کر سکے کہ اگر کوئی جانور بھی اُس پہاڑ کو چھوئے تو سنگسار کیا جائے۔

(عبرانیوں کے نام کا خط: باب 12 فقرہ 18 تا 20)

❑ "یہ وہ شریعت اور احکام اور قوانین ہیں جو خداوند نے کوہ سینا پر اپنے اور بنی اسرائیل کے درمیان موسیٰ کی معرفت مقرر کیے۔ (احبار: باب 26 فقرہ: 46)

بائبل پر عمل کرنے کی اہمیت کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کا فرمان ہے:

❑ "تم اپنے لیے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لیے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اُسے سجدہ کرو، اس لیے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ تم میرے سبتوں کو ماننا اور میرے مقدس کی تعظیم کرنا، میں خداوند ہوں۔ اگر تم میری شریعت پر چلو اور میرے حکموں کو مانو اور اُن پر عمل کرو۔ تو میں تمہارے لیے بروقت مینہ برساؤں گا اور زمین سے اناج پیدا ہوگا اور میدان کے درخت پھلیں گے یہاں تک کہ انگور جمع کرنے کے وقت تم داوتے رہو گے اور جوتنے بونے کے وقت تک انگور جمع کرو گے اور پیٹ بھر اپنی روٹی کھایا کرو گے اور چین سے اپنے ملک میں بسے رہو گے اور میں ملک میں امن بخشوں گا اور تم سوؤ گے اور تم کو کوئی نہیں ڈرائے گا اور میں برے درندوں کو ملک سے نیست کر دوں گا اور تلوار تمہارے ملک میں نہیں چلے گی"۔ (احبار: باب 26 فقرہ: 1 تا 6)

بائبل پر عمل نہ کرنے کے نقصانات کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کا فرمان ہے:

❑ "لیکن اگر تم میری نہ سنو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو، اور میری شریعت کو

ترک کرو اور تمہاری روحوں کو میرے فیصلوں سے نفرت ہو اور تم میرے سب حکموں پر عمل نہ کرو بلکہ میرے عہد کو توڑو۔ تو میں بھی تمہارے ساتھ اس طرح پیش آؤں گا کہ دہشت اور تپ دق اور بخار کو تم پر مقرر کردوں گا جو تمہاری آنکھوں کو چوپٹ کر دیں گے اور تمہاری جان کو گھلا ڈالیں گے اور تمہارا بیج بونا فضول ہوگا کیونکہ تمہارے دشمن اس کی فصل کھالیں گے۔ اور میں خود بھی تمہارا مخالف ہو جاؤں گا اور تم اپنے دشمنوں کے آگے شکست کھاؤ گے اور جن کو تم سے عداوت ہے وہی تم پر حکمرانی کریں گے اور جب کوئی تم کو رگیدتا بھی نہ ہوگا تب بھی تم بھاگو گے اور اگر اتنی باتوں پر بھی تم میری نہ سنو تو میں تمہارے گناہوں کے باعث تم کو سات گنا سزا اور دوں گا اور میں تمہاری شہزوری کے فخر کو توڑ ڈالوں گا اور تمہارے لیے آسمان کو لوہے کی طرح اور زمین کو پیتل کی مانند کر دوں گا''۔ (احبار: باب 26 فقرہ: 14 تا 19)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کے بارے میں واضح طور پر کہا تھا:

- ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائے ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی اِن چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا، وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو اُن پر عمل کرے گا اور اُن کی تعلیم دے گا، وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راست بازی فقیہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے۔''

(متی: باب 5، فقرہ 17 تا 20)

عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعت موسوی کو منسوخ نہیں فرمایا تھا جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے پہلے باب میں ہی اس بات کا اعتراف موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے شریعت موسوی منسوخ نہیں ہوئی بلکہ

نافذ العمل رہی ہے۔ اس لیے کہ شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسوح مسیح کی معرفت پہنچی۔ لہٰذا عیسائیوں کے نزدیک گستاخ کی سزا کے حوالے سے یہودیت میں گستاخ کی سزا کے باب میں بیان کیے گئے احکامات اسی طرح حجت ہیں جس طرح وہ یہودیوں کے لیے حجت ہیں۔

عیسائی حضرات قانون ناموس رسالت ﷺ (تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C) کو اکثر تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں جبکہ پال کی تعلیم یہ ہے:

- ''ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابع دار رہے، کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں، وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے، وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے اور جو مخالف ہیں، وہ سزا پائیں گے کیونکہ نیکوکار کو حاکموں سے خوف نہیں بلکہ بدکار کو ہے۔ پس تو اگر حاکم سے نڈر رہنا چاہتا ہے تو نیکی کر۔ اس طرح سے تیری تعریف ہوگی کیونکہ وہ تیری بہتری کے لیے خدا کا خادم ہے لیکن اگر تو بدی کرے تو ڈر کیونکہ وہ تلوار بے فائدہ لیے ہوئے نہیں اور خدا کا خادم ہے کہ اس کے غضب کے موافق بدکار کو سزا دیتا ہے۔'' (رومیوں: باب 13، فقرہ 1 تا 4)

عیسائیوں سے پوچھنا چاہیے کہ اگر بائبل میں خدا پر لعنت کرنے، خداوند کے نام پر کفر بکنے، کاہن اور قاضی کی گستاخی کرنے، یوم سبت کی توہین کرنے، بتوں کی پوجا اور ارتداد پر موت کی سزا ہے تو ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے دل کی دھڑکن حضور سیّدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین پر موت کی سزا کیوں نہیں؟

عیسائیت سمیت تمام اہل کتاب کے نزدیک مقدسات کی توہین گناہ و جرم تھا، صرف یہ ہی نہیں بلکہ ہر مذہب میں مقدسات کی توہین جرم بیان کی گئی ہے جس کے سدباب کے لیے ہر مذہب نے سزائیں بیان کی ہیں۔ دنیا میں نظام عدل تب ہی قائم رہ سکتا ہے جب حقدار کو اس کا حق ملتا رہے اور کسی کی حق تلفی ہونے سے بچانے کے لیے ہمیشہ مہذب تہذیبوں میں مناسب قانون سازی ہوتی رہی ہے اور اس کو نافذ کیا جاتا رہا ہے۔ یہ حقوق صرف جان و مال کے حوالے سے ہی نہیں رہے بلکہ عزت و حرمت کی

پاسداری بھی حقوق میں ہی شامل ہے۔

رب کا محبوب جسے اس نے رحمۃ للعالمین ﷺ بنا کر بھیجا اور وہ دنیا میں اپنے اوپر پتھر پھینکنے والوں کے لیے بھی ہدایت و راہنمائی کی دعائیں کرتا رہا، جو ساری زندگی بلاتفریق رنگ ونسل خیر بانٹتا رہا جس کی تعلیمات دنیا کے لیے امن کا پیغام اور راہ نجات ہیں، جو رب کے غضبناک ہونے پر بھی امت کے لیے رحمت و بخشش کا طلبگار ہے، جو مومنین کی حکم عدولی اور کوتاہیوں پر بھی رب کے عدل کے بجائے فضل وکرم کا خواں ہے۔ جو دکھی دلوں کا مداوا، مظلوموں کا دادرس اور مسکینوں کا والی ہے۔ چاہیے تو یہ ہے کہ تمام جن وانس اس کا حق پہچان کر اس کا شکر بجا لائیں اور اس کے کہے پر عمل پیرا ہو کر دارین کی سعادتیں اپنے دامنوں میں سمیٹ لیں۔ کجا یہ کہ اس کی بارگاہ میں دیدہ دلیری اور بے باکی کا مظاہرہ کریں۔ تو اس صورت میں رب کا قانون ظاہر و باہر ہے۔ ایسے افراد پھر دنیا میں کسی رحم و ہمدردی کے مستحق نہیں، ان کے لیے شریعت کے بیان کردہ قانون ''**من سب نبیا فاقتلوہ**'' پر عمل کیا جائے گا۔ یہ ارباب اختیار کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قانون پر عمل داری کو یقینی بنائیں اور اگر اس میں کمی کوتاہی کی جاتی ہے تو پھر امام مالکؒ کی تنبیہ یاد رکھیں: ''**مابقاء الامة بعدشتم نبیها**'' (جس امت کے نبی کو گالی دی جائے اور وہ اس پر سمجھوتہ کرلے تو اس امت کا وجود ہی مٹ جاتا ہے)

لہٰذا مذہبی مقدسات کے لیے سب وشتم روکنے کے لیے قانون سازی کوئی نیا کام نہیں جو پاکستان کی حکومت نے ہی کر دیا ہے۔ تمام ادیان میں ہر دور میں ایسے قانون موجود تھے جن کے ذریعے مذہبی مقدسات کی توہین سے لوگوں کو روکا جاتا تھا۔ اور توہین رسالت پر سزائے موت کا قانون صرف شریعت محمدی کا نہیں ہے بلکہ تمام اہل کتاب میں ہمیشہ یہی قانون رہا ہے۔

جب آپ ﷺ کو ہر مذہب کی کتاب نے اپنے مذہب کی مقدس شخصیات میں بیان کیا ہے تو اب ان کی کتب میں جو بھی مقدسات کی توہین و گستاخی کے حوالے سے سزا کا قانون بیان ہوا ہے، وہ قانون آپ ﷺ کی توہین و گستاخی کرنے والے پر بھی

لاگو ہوگا۔یعنی صحف قدیمہ ہوں یا موجودہ تورات وانا جیل،ان کی روشنی میں بھی گستاخوں کے لیے سزائے موت کا جو قانون بیان ہوا ہے، اس قانون کے تحت رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کو بھی سزائے موت ہی ملے گا اور گستاخ رسول کی سزا کا قانون صرف قرآن وسنت کا قانون نہیں ہے بلکہ ہر مذہب کی مقدس کتاب کا یہی قانون ہے۔

اعتراض نمبر20

عیسائی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ تعزیرات پاکستان میں حضرت محمد(ﷺ) کی توہین پر سزا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے مرتکب کو بھی ایسی ہی سزا ملنی چاہیے۔

جواب: ہم عیسائی راہنماؤں کے اس مطالبہ کی زبردست تائید کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں وہ جو بھی لائحہ عمل اختیار کریں گے، ہم ان سے بھرپور تعاون کریں گے، کیونکہ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رنگا رنگ مخلوقات میں انسان سب سے اعلیٰ و اشرف ہے، جسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ پھر گروہ انسانیت میں وہ سعادت مند بڑی عظمتوں کے حامل ہیں، جنہیں وحی ربانی کی تسلیم واطاعت کا شرف حاصل ہوا اور اس گروہ مسلمین میں سے لاتعداد عظمتوں کے امین و حامل وہ ہیں جنہیں نبوت و رسالت کا تاج پہنایا گیا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے بڑی امانت کا امین قرار دیا اور سب سے بڑی نعمت سے نوازا۔ یہ گروہ پاک باز، انسان ہو کر بھی اتنا عظیم المرتبت ہے کہ معصومیت ان کے لوازم میں سے ہے۔ بچپن سے آخر تک ان کی تعلیم و تربیت اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی اور حفاظت میں ہوتی ہے کہ معمولی گناہ بھی ان کے گھر کا رخ نہیں کرسکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مقدس وحی کے حامل اور اس کے مبلغ ہوتے ہیں۔ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس کی تبلیغ کرتے اور

اف تک نہیں کرتے ، چاہے اس راستہ میں ان کا جسم آرے سے چیرا جائے۔ نبی اور رسول ایسی اعلیٰ ترین خوبیوں، صلاحیتوں اور اوصافِ حمیدہ کے مالک ہوتے ہیں کہ لوگ ان کی سیرت اور کردار کو دیکھ کر عش عش کر اٹھتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ جس طرح ہم اپنے آقا حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لا کر مسلمان کہلوانے کے حق دار ہوئے ہیں، ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تمام انبیا و رسل پر ایمان لانا بھی نہایت ضروری ہے۔ ہر لحاظ سے ان کا احترام لازم ہے۔ کسی رسول یا نبی کی شان میں ادنیٰ سی بھی گستاخی موجب کفر وارتداد ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سیدنا مسیح علیہ السلام اپنی بعض خصوصیات کے پیش نظر امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے بن باپ پیدا ہونا، ایک خاص موقع پر زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں دوبارہ دنیا میں واپسی، ایسی امتیازی خصوصیات ہیں جن میں ان کا کوئی دوسرا مقابل نہیں۔ بقول شخصے: عیسائی اور قادیانی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام سے ہمیشہ جو ولولہ انگیز محبت کا اظہار کرتے آئے ہیں، اس کا منبع قرآن حکیم ہی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان مسیح علیہ السلام کا نام زبان پر لانے سے پہلے حضرت اور بعد میں علیہ السلام کا اضافہ کرتے ہیں اور جو مسلمان بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا نام ان مؤدبانہ الفاظ کے بغیر ادا کرتا ہے، اسے گستاخ سمجھا جاتا ہے۔ عیسائیوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نام حضرت محمد ﷺ کے نام مبارک سے پانچ گنا زیادہ مرتبہ مذکور ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا نام 25 مرتبہ اور حضرت محمد ﷺ کا نام 5 مرتبہ۔'' اگرچہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا 25 مرتبہ براہِ راست نام مذکور ہے لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں انھیں کئی ایک مؤدبانہ القابات دیے گئے ہیں۔ مثلاً ابن مریم (بمعنی مریم کا بیٹا) مسیح علیہ السلام (عبرانی مسایا) جس کا انگریزی میں کرائسٹ ترجمہ کیا گیا۔ عبداللہ (اللہ کا بندہ یا

خادم) رسول اللہ (اللہ کا پیغمبر) ۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں ان کو کلمۃُ اللہ، خدا کی رُوح اور خدا کی نشانی جیسے کئی اور پیارے القابات سے بھی یاد کیا گیا ہے اور آپؑ کا یہ تذکرہ قرآن مجید کی پندرہ سورتوں پر محیط ہے۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر پیغمبر کا ذکر انتہائی مؤدبانہ انداز سے کیا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان گزشتہ ساڑھے چودہ سو سال سے ان کے اس بلند پایہ مقام کی قدر و منزلت کرتے چلے آئے ہیں اور ان سے بھولے سے بھی اس میں کوئی کمی سرزد نہیں ہوئی ہے۔ سارے قرآن مجید میں کوئی ایک لفظ، جملہ یا مقام بھی ایسا نہیں جس سے اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر پیغمبر کی تحقیر ہوتی ہو اور جسے ایک حاسد ترین عیسائی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بدترین دشمن قادیانی بھی قابل اعتراض سمجھتا ہو۔

کئی سال بیشتر حکومت نے موجودہ شناختی کارڈوں کی جگہ کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ جاری کرنے کا پروگرام بنایا۔ عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس نئے کارڈ پر بلڈ گروپ اور مذہب کا خانہ بھی ہونا چاہیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟ مجلس کے اس مطالبہ کی تمام دینی جماعتوں نے نہ صرف حمایت کی بلکہ بھرپور انداز میں تحریک کا ساتھ بھی دیا۔ مذہب کا اظہار فخر کی علامت ہے۔ اگر مذہب کا اظہار شرمندگی کا باعث بنتا ہے تو اس پر لعنت بھیج کر اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہودیوں کو اپنے یہودی ہونے پر فخر ہے، عیسائیوں کو اپنے عیسائی ہونے پر فخر ہے، مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے اور ہر مسلمان لاکھوں کے مجمع میں ڈنکے کی چوٹ پر اپنے دین کا اظہار کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے، خواہ اس کے لیے اسے کوئی بھی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔ آئین اور تعزیرات پاکستان کی رُو سے قادیانی خود کو مسلمان کہہ سکتے اور نہ اپنا مذہب اسلام کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن ڈھٹائی کی حد دیکھیے کہ قادیانی خود کو غیر مسلم اقلیت تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ مسلمانوں کو غیر مسلم کہتے ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں، اس لیے آئین اور قانون کی رُو سے قابل تعزیر ہیں۔ حکومت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا، جس پر پورے ملک

میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ قادیانیوں نے اس مطالبہ کی منظوری کو اپنی موت سمجھا، لہٰذا انہوں نے عیسائی اقلیت کو ورغلایا اور پورے ملک میں احتجاجی تحریک شروع کردی۔ پاکستان میں اسلام دشمن سیکولر لابیاں امریکی سفیر کی سرپرستی میں حسب سابق ان کی حمایت میں کھل کر میدان میں آ گئیں، جس کے نتیجے میں حکومت نے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ختم کردیا۔ اس کامیابی پر عیسائی اور قادیانی اقلیت نے خوب جشن منایا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیوں نے عیسائی اقلیت کو استعمال کر کے پاکستان اور بیرون ملک اپنے مذہب کی تبلیغ کی راہ ہموار کی۔ عیسائی اقلیت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ بات لمحہ فکریہ ہے!

مسیحی برادری جو آج کل قادیانیوں کی سرپرستی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے، ذرا مرزا قادیانی کی ان تحریرات اور عقائد کو ملاحظہ کرے کہ کیا وہ ان کی حمایت کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کر رہی ہے یا ناراضی؟ قادیانیت کے جال میں پھنسنے والے اور ان سے نرم گوشہ رکھنے والے مسلمان بھی ذرا مرزا قادیانی کی ان تحریرات کا مطالعہ کر کے فیصلہ کریں کہ کیا ایسا شخص مسلمان ہو سکتا ہے؟ قادیانیوں کی ان گستاخانہ عبارات پر کاش آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش برستی اور وہ نیست و نابود ہو جاتے۔ نقل کفر، کفر نہ باشد کے تحت ہم یہ دل آزار عبارات نہایت دل گرفتہ ہو کر یہاں نقل کر رہے ہیں۔

- ❑ ''وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ایک عورت کے پیٹ میں نو مہینہ تک بچہ بن کر رہا اور خون حیض کھاتا رہا اور انسانوں کی طرح ایک گندی راہ سے پیدا ہوا۔ اور پکڑا گیا اور صلیب پر کھینچا گیا۔''

(ست بچن صفحہ 141 مندرجہ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 265 از مرزا قادیانی)

- ❑ ''عیسیٰ بن مریم، مریم کے خون سے اور مریم کی منی سے پیدا ہوا۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 40 مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 50 از مرزا قادیانی)

- ❑ ''ایک ضعیفہ عاجزہ کے پیٹ سے تولد پا کر (بقول عیسائیوں) وہ ذلت اور

رسوائی اور ناتوانی اور خواری عمر بھر دیکھی کہ جو انسانوں میں سے وہ انسان دیکھتے ہیں کہ جو بدقسمت اور بے نصیب کہلاتے ہیں۔ اور پھر مدت تک ظلمت خانہ رحم میں قید رہ کر اور اس ناپاک راہ سے کہ جو پیشاب کی بدرو ہے، پیدا ہو کر ہر ایک قسم کی آلودہ حالت کو اپنے اوپر وارد کر لیا اور بشری آلودگیوں اور نقصانوں میں سے کوئی ایسی آلودگی باقی نہ رہی، جس سے وہ بیٹا باپ کا بدنام کنندہ ملوث نہ ہو۔''

(براہین احمدیہ صفحہ 368 مندرجہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 440 (حاشیہ) از مرزا قادیانی)

- ''آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی، ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آ جاتا تھا، اپنے نفس کو جذبات سے نہیں روک سکتے تھے، مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔''

(حاشیہ انجام آتھم صفحہ 5 مندرجہ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 289 از مرزا قادیانی)

- ''نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے، یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا یہ میری تعلیم ہے۔'' (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 290 از مرزا قادیانی)

- ''عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا، اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا۔'' (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 290 از مرزا قادیانی)

- ''جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی بلکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا بعض قویٰ سے محروم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔''

(چشمہ مسیحی صفحہ 24 مندرجہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 356 از مرزا قادیانی)

❑ ”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے، اس کا سبب تو یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔“ (کشتی نوح حاشیہ صفحہ 73 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 71 از مرزا قادیانی)

بقول مرزا قادیانی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے، اس جگہ ”پیا کرتے تھے“ صیغہ ماضی استمراری کا ہے اور ہیشگی پر دال ہے۔ یعنی (نعوذ باللہ) ہمیشہ پیا کرتے تھے۔ مرزا قادیانی چونکہ خود ٹانک وائن شراب پیتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے لیے جواز پیدا کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹا الزام لگا دیا۔

❑ ”ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لیے افیون مفید ہوتی ہے پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دی جائے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی لیکن اگر میں ذیابیطس کے لیے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔“

(نسیم دعوت صفحہ 69 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 434،435 از مرزا قادیانی)

❑ ”مسیح کا چال چلن آپ کے نزدیک کیا تھا۔ ایک کھاؤ پیو شرابی۔ نہ زاہد نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔“

(نور القرآن صفحہ 12 مندرجہ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 387 از مرزا قادیانی)

❑ ”آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا مگر شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیز گار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زنا کاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔“

(انجام آتھم صفحہ 7 مندرجہ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 291 از مرزا قادیانی)

- ''ایک کنجری خوبصورت ایسی قریب بیٹھی ہے گویا بغل میں ہے۔کبھی ہاتھ لمبا کر کے سر پر عطر مل رہی ہے، کبھی پیروں کو پکڑتی ہے اور کبھی اپنے خوشنما اور سیاہ بالوں کو پیروں پر رکھ دیتی ہے اور گود میں تماشہ کر رہی ہے۔ یسوع صاحب اس حالت میں وجد میں بیٹھے ہیں اور کوئی اعتراض کرنے لگے تو اس کو جھڑک دیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ عمر جوان اور شراب پینے کی عادت اور پھر مجرد۔ اور ایک خوبصورت کسبی عورت سامنے پڑی ہے جسم کے ساتھ جسم لگا رہی ہے۔ کیا یہ نیک آدمیوں کا کام ہے اور اس پر کیا دلیل ہے کہ اس کسبی کے چھونے سے یسوع کی شہوت نے جنبش نہیں کی تھی۔ افسوس کہ یسوع کو یہ بھی میسر نہیں تھا کہ اس فاسقہ پر نظر ڈالنے کے بعد اپنی کسی بیوی سے صحبت کر لیتا۔ کمبخت زانیہ کے چھونے سے اور ناز و ادا کرنے سے کیا کچھ نفسانی جذبات پیدا ہوئے ہوں گے اور شہوت کے جوش نے پورے طور پر کام کیا ہوگا۔ اسی وجہ سے یسوع کے منہ سے یہ بھی نہ نکلا کہ اے حرام کار عورت مجھ سے دور رہ۔ اور یہ بات انجیل سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ عورت طوائف میں سے تھی اور زنا کاری میں سارے شہر میں مشہور تھی۔''

(نور القرآن صفحہ 74 مندرجہ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 449 از مرزا قادیانی)

- ''یورپ جو زنا کاری سے بھر گیا، اس کا کیا سبب ہے۔ یہی تو ہے کہ نامحرم عورتوں کو بے تکلف دیکھنا عادت ہو گیا۔ اول تو نظر کی بدکاریاں ہوئیں اور پھر معانقہ بھی ایک معمولی امر ہو گیا۔ پھر اس سے ترقی ہو کر بوسہ لینے کی بھی عادت پڑی، یہاں تک کہ استاد جوان لڑکیوں کو اپنے گھروں میں لے جا کر یورپ میں بوسہ بازی کرتے ہیں، اور کوئی منع نہیں کرتا۔ شیرینیوں پر فسق و فجور کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ تصویروں میں نہایت درجہ کی بدکاری کا نقشہ دکھایا جاتا ہے۔ عورتیں خود چھپواتی ہیں کہ میں ایسی خوبصورت ہوں اور میری ناک ایسی اور آنکھ ایسی ہے۔ اور ان کے عاشقوں کے ناول لکھے جاتے ہیں اور بدکاری کا ایسا دریا بہہ رہا ہے کہ نہ تو کانوں کو بچا سکتے ہیں نہ آنکھوں کو نہ ہاتھوں کو۔ نہ منہ کو۔ یہ یسوع صاحب کی تعلیم ہے۔ کاش! ایسا شخص دنیا میں نہ آیا ہوتا۔''

(نور القرآن صفحہ 42 مندرجہ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 417 از مرزا قادیانی)

❑ ''آپ کی انھیں حرکات سے آپ کے حقیقی بھائی آپ سے سخت ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے اور وہ ہمیشہ چاہتے رہے کہ کسی شفاخانہ میں آپ کا باقاعدہ علاج ہو، شاید خدا تعالیٰ شفا بخشے۔''

(انجام آتھم ضمیمہ صفحہ 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 290 از مرزا قادیانی)

❑ ''یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا۔''

(ست بچن صفحہ 171 مندرجہ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 295 از مرزا قادیانی)

❑ ''خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔''

(دافع البلاء صفحہ 13 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 233 از مرزا قادیانی)

❑ ''یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں مگر اس (مرزا قادیانی کے) لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں۔''

(تریاق القلوب صفحہ 89 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 217 از مرزا قادیانی)

''ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے''

(دافع البلاء صفحہ 20 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 240 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی اور رسول ہے، اس سے ہرگز توقع نہ تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی عامیانہ زبان استعمال کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محض اس لیے کردار کشی کی ہے کہ وہ ان کی بلند پایہ شخصیت کو مسخ کر کے آنے والے مسیح کے طور پر اپنی جگہ بنانا چاہتا تھا تاکہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متنفر ہو کر ان کی آمد ثانی کو بھول جائیں اور اسے (یعنی مرزا قادیانی کو) مسیح موعود تسلیم کر لیں۔

حضرت مریم علیہا السلام، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ قرآن حکیم میں حضرت مریم کا بنت عمران (التحریم:12) اور

''اخت ھارون'' (مریم:28) کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ان کی ولادت اور ابتدائی حالات کا ذکر سورۂ آل عمران میں آیا ہے اور بعد کے حالات، بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل ذکر، سورۂ مریم میں آیا ہے، جو حضرت مریم ہی کے نام سے منسوب ہے۔

بقول جناب احمد دیدات ''قرآن مجید کا پورا ایک باب سورۃ مریم حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کے نام سے منسوب ہے۔ایسا بلند پایہ مقام بی بی مریم علیہا السلام کو بائبل میں بھی حاصل نہیں ہے۔رومن کیتھولک کی 73 اور پروٹسٹنٹ کی 66 کتابوں میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جس کا نام بی بی مریم علیہا السلام یا ان کے بیٹے حضرت یسوع علیہ السلام کے نام سے منسوب ہو۔آپ کو بائبل میں متی، مرقس، لوقا، یوحنا، پطرس، پولوس اور ایسے ہی بیسیوں گمنام ناموں سے منسوب کتابیں تو ملیں گی لیکن کوئی ایک واحد کتاب بھی ایسی نہیں جس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کی والدہ بی بی مریم علیہا السلام کے نام سے منسوب ہو۔'' حضرت مریم علیہا السلام ولیہ اور صدیقہ تھیں۔اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمانی جمال اور علمی و عملی کمال عطا فرمایا تھا۔نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ ''مرد تو بہت سارے کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم صاحب کمال ہوئی ہیں اور تمام عورتوں پر عائشہ کو وہی فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو سارے کھانوں پر حاصل ہے۔'' حضرت مریم علیہا السلام کو بہت ساری وہبی خصوصیات کی بنا پر اپنے زمانے کی عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔جو لوگ اللہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ اتنے ہی زیادہ تابع فرمان اور عبادت گزار ہوتے ہیں۔امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا طویل قیام فرماتی تھیں کہ ان کے قدموں میں ورم آجاتا تھا۔قارئین کرام! آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت مریم علیہا السلام کی شان اور عظمت ملاحظہ فرمائی کہ وہ کس قدر اعلیٰ خوبیوں اور روشن سیرت سے آراستہ تھیں۔مگر آنجہانی مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں اس عظیم روحانی شخصیت کا ذکر جس بازاری زبان میں کیا،

اسے پڑھ کر ہر مسلمان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔آیئے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں کیا ہرزہ سرائی کی؟

❑ ’’یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی۔‘‘

(کشتی نوح صفحہ 20 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 18 (حاشیہ) از مرزا قادیانی)

❑ ’’اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا، پھر بزرگانِ قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم تورات عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدد ازواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی۔ یعنی باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آئے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آ گئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے نہ قابل اعتراض۔‘‘

(کشتی نوح صفحہ 20 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 18 از مرزا قادیانی)

❑ ’’پانچواں قرینہ ان کے وہ رسوم ہیں جو یہودیوں سے بہت ملتے ہیں۔ مثلاً ان کے بعض قبائل ناطہ اور نکاح میں کچھ چنداں فرق نہیں سمجھتے اور عورتیں اپنے منسوب سے بلاتکلف ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ قبل نکاح کے پھرنا اس اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے مگر خوانین سرحدی کے بعض قبائل میں یہ مماثلت عورتوں کی اپنے منسوبوں سے حد سے زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات نکاح سے پہلے حمل بھی ہو جاتا ہے جس کو برا نہیں مانتے بلکہ ہنسی ٹھٹھے میں بات کو ٹال دیتے ہیں کیونکہ یہود کی طرح یہ لوگ ناطہ کو ایک قسم کا نکاح ہی جانتے ہیں جس میں پہلے مہر بھی مقرر ہو جاتا ہے۔‘‘

(ایام الصلح صفحہ 74 مندرجہ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 300 از مرزا قادیانی)

❑ ’’مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا تا کہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو۔ اور

تمام عمر خاوند نہ کرے لیکن جب چھ سات مہینے کا حمل نمایاں ہو گیا۔ تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام کے ایک نجار سے نکاح کر دیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کو بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔" (چشمہ مسیحی صفحہ 24 مندرجہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 355، 356 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی ملعون کی متذکرہ بالا انتہائی گستاخانہ عبارات اتنی بے ہودہ اور رکیک ہیں کہ مسلمان ہونا تو بعد کی بات بلکہ کسی بھی مذہب کے مہذب فرد کے لیے انہیں پڑھنے سے ابکائی آنا فطری امر ہے۔ چنانچہ ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ میں سزا کا دائرہ کار بڑھا کر اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیا کرام علیہم السلام شامل کیے جائیں۔

اعتراض نمبر 21

بدنامِ زمانہ گستاخ آسیہ مسیح کی سپریم کورٹ کی طرف سے رہائی اور ریاستی بندوبست کے تحت بیرون ملک روانگی تک عیسائیوں اور قادیانیوں کا یہ مؤقف رہا ہے کہ شان رسالت (ﷺ) میں گستاخی کی مرتکب آسیہ مسیح کے خلاف مقدمہ بے بنیاد، متعصّبانہ اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ ختم کر کے اُسے رہا کر دینا چاہیے۔

جواب: 14 جون 2009ء کو ضلع ننکانہ صاحب کے ایک نواحی گاؤں اٹانوالی میں عیسائی مذہب کی مبلغہ آسیہ مسیح نے قرآن مجید اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نہایت نازیبا، دل آزار اور گستاخانہ کلمات کہے جن کو دہرانے کی میرا قلم اجازت نہیں دیتا۔ وفاقی وزیر اقلیتی اُمور شہباز بھٹی کی مداخلت سے کئی دن تک مجرمہ کے خلاف پرچہ درج نہ ہو سکا۔ وفاقی وزیر کی اس حرکت سے علاقہ بھر میں غم و غصے کی لہر

دوڑ گئی۔ بالآخر 19 جون 2009ء کو آسیہ مسیح کے خلاف تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295/C کے تحت ایف آئی آر نمبر 326 درج کر لی گئی۔ مجرمہ کو گرفتار کر کے حفاظتی اقدام کے طور ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ بھیج دیا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس کیس کی تفتیش پنجاب پولیس میں نیک نامی اور دیانت داری کی مثالی شہرت رکھنے والے جناب سید محمد امین بخاری ایس پی شیخوپورہ نے کی، جنھوں نے 26 جون 2009ء کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ 161 کے تحت آسیہ مسیح کا بیان ریکارڈ کیا اور نہایت جانفشانی، غیر جانبداری اور شفاف طریقے سے اس کیس کے تمام پہلوؤں کی مکمل تفتیش کرتے ہوئے آسیہ مسیح کو واقعی ملزمہ قرار دیا اور اپنی رپورٹ میں لکھا: ''ملزمہ آسیہ مسیح کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اور قرآن مجید کے متعلق گستاخانہ باتیں کرنا ثابت ہوا ہے۔ ملزمہ نے یہ تمام باتیں نہ صرف تسلیم کیں ہیں بلکہ اپنی غلطی کی معافی بھی مانگی ہے۔''

اس مقدمہ کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج ننکانہ صاحب جناب محمد نوید اقبال کی عدالت میں ہوئی۔ ملزمہ کی طرف سے اکبر منور درانی ایڈووکیٹ، طاہر گل صادق ایڈووکیٹ، چودھری ناصر انجم ایڈووکیٹ، جسٹن گل ایڈووکیٹ، طاہر بشیر ایڈووکیٹ، ایرک جون ایڈووکیٹ، منظور قادر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، جبکہ استغاثہ کی طرف سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ننکانہ صاحب کے وکلا پیش ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک اس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ 8 نومبر 2010ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے ایڈیشنل سیشن جج نے جرم ثابت ہونے پر مجرمہ آسیہ مسیح کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C کے تحت سزائے موت کا مستحق قرار دیتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

- ''یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس گاؤں میں عیسائی حضرات کی ایک کثیر تعداد مسلمانوں کے ساتھ کئی نسلوں سے آباد ہے۔ لیکن ماضی میں اس قسم کا کبھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات اور اعتقادات کے سلسلے میں برداشت اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر توہین رسالت ﷺ کا اس قسم کا کوئی واقعہ پہلے کبھی اس گاؤں میں پیش آیا ہوتا، تو یقیناً فوجداری مقدمات اور مذہبی

جھگڑے اس گاؤں میں پہلے سے موجود ہوتے۔ لہٰذا اس دفعہ یقیناً توہین رسالت ﷺ کا اِرتکاب ہوا ہے۔ جس کے باعث مقدمہ درج ہوا اور عوامی اجتماع منعقد ہوا اور یہ معاملہ اس قصبے اور اِردگرد میں موضوع بحث بن گیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ نہ تو مجرمہ خاتون نے اپنی صفائی میں کوئی شہادت پیش کی اور نہ ہی دفعہ 340(2)، ضابطہ فوجداری کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات غلط ثابت کیے۔ مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ استغاثہ نے اس مقدمہ کو کسی شک وشبہ سے بالاتر ثابت کر دیا ہے۔ تمام گواہانِ استغاثہ نے استغاثہ کے مؤقف کی متفقہ اور مدلل انداز میں تائید و تصدیق کی ہے۔ گواہانِ استغاثہ اور ملزمہ، اُن کے بزرگوں، یا ان کے خاندانوں میں کسی دشمنی کا وجود نہیں پایا جا سکا۔ لہٰذا ملزمہ خاتون کو ناجائز طور پر اس مقدمہ میں ملوث کیے جانے کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ ملزمہ کو اس مقدمہ میں کوئی رعایت دیئے جانے کا بھی کوئی جواز موجود نہیں۔ لہٰذا میں ملزمہ آسیہ مسیح زوجہ عاشق مسیح کو زیر دفعہ 295/C تعزیرات پاکستان موت کی سزا کا مجرم ٹھہراتا ہوں۔''

اس فیصلہ کے خلاف دُنیا بھر کی سیکولر لابیاں، نام نہاد ''انسانی حقوق'' کی تنظیمیں اور عیسائی نمائندے میدان میں آگئے۔ عیسائی پوپ بینڈکٹ سے لے کر گورنر پنجاب سلمان تاثیر تک سب نے آسیہ ملعونہ کے دفاع میں احتجاج کرتے ہوئے اس فیصلہ کی مذمت کی اور کہا کہ وہ ایسے کسی فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہونے دیں گے۔ پوپ نے ویٹی کن میں منعقدہ خصوصی دُعائیہ تقریب میں آسیہ مسیح کی رہائی کے لیے نہ صرف اس کا نام لے کر دُعا کرائی بلکہ صدرِ پاکستان سے بھی اپیل کی کہ اس کی سزا معاف کی جائے۔ اُنھوں نے حکومتِ پاکستان سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ قانون توہینِ رسالت ﷺ کو فوری طور پر ختم کیا جائے۔ پوپ کے بیان کے بعد 20 نومبر 2010ء کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر عدالت سے مجرمہ قرار دی جانے والی خاتون سے ملنے کے لیے فوراً ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ پہنچے۔ جہاں اُنھوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل شیخوپورہ کے وی آئی پی کمرہ میں آسیہ مسیح سے خصوصی ملاقات کی اور اُسے حکومتی سطح پر ہر ممکن امداد کا یقین

دلایا۔ وہ گورنر ہاؤس سے اپنے ساتھ آسیہ مسیح کو ملنے والی سزا کی معافی کی ٹائپ شدہ درخواست بھی ہمراہ لائے تھے۔ گورنر سلمان تاثیر نے میڈیا کی موجودگی میں آسیہ مسیح سے کہا کہ یہ آپ کی طرف سے تحریر کردہ درخواست ہے، آپ اس پر دستخط کردیں تاکہ میں بطور گورنر اس درخواست کو صدر آصف علی زرداری تک پہنچا کر سزا کی معافی ممکن بنوا سکوں۔ سزا معافی کے بعد آپ کو یورپ کے کسی ملک میں بھجوا دیا جائے گا۔ اس موقع پر گورنر پنجاب نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملعونہ آسیہ مسیح کو بے گناہ قرار دیا اور کہا کہ دُنیا کی کوئی طاقت آسیہ مسیح کو سزا نہیں دے سکتی۔ اُنھوں نے کہا کہ قانون توہینِ رسالتؐ ایک ''امتیازی، غیر انسانی اور کالا قانون'' ہے، جس کو ہر حالت میں ختم ہونا چاہیے۔ اس پریس کانفرنس کے ذریعے یورپی ممالک کو یہ پیغام بھی دیا گیا کہ حکومت آسیہ مسیح کو سزا دینے کے حق میں نہیں ہے اور حکومت ایسے تمام قوانین کو بھی ختم کردے گی جو اقلیتوں کی ''آزادیِ اظہار'' کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

30 نومبر 2010ء کو ملک کے جید علماءِ کرام نے قانون توہینِ رسالت کو ''کالا قانون'' کہنے اور ملعونہ آسیہ مسیح کی بے جا حمایت و سرپرستی کرنے پر سلمان تاثیر کو گستاخ رسول قرار دیتے ہوئے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ انھی دنوں پیپلز پارٹی کی رُکن قومی اسمبلی و سابق وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات شیری رحمٰن نے قانون توہینِ رسالت ایکٹ کو ختم کرنے کا بل اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کرایا۔ اس سے اگلے روز صدرِ پاکستان آصف علی زرداری نے وفاقی وزیر اقلیتی اُمور شہباز بھٹی مسیح کی سربراہی میں اراکین اسمبلی پر مشتمل 9 رُکنی کمیٹی تشکیل دی جو قانون توہینِ رسالت ﷺ کو ختم کرنے کے حوالے سے ایک ماہ کے اندر حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرے گی۔

4 جنوری 2010ء کو گورنر سلمان تاثیر کو ان کے سرکاری محافظ غازی ملک محمد ممتاز قادری نے فائرنگ کرکے قتل کردیا۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری نے موقع پر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ گرفتاری کے وقت وہ حیران کن حد تک نہایت پرسکون اور مطمئن نظر آرہا تھا۔ اس نے ابتدائی تحقیقات میں اعتراف کیا کہ ''گورنر پنجاب نے

قانون توہینِ رسالت کو ''کالا قانون'' قرار دیا تھا، ایسا کہنا شان رسالت مآب ﷺ میں بدترین توہین کے مترادف ہے۔ چونکہ گستاخِ رسولؐ کی سزا موت ہے۔ سلمان تاثیر گستاخِ رسول تھا۔ مزید براں اس نے قانون توہینِ رسالتؐ کے تحت عدالت سے سزا پانے والی ملعونہ آسیہ مسیح کو بچانے کا عندیہ دے کر خود کو گستاخِ رسول ثابت کردیا تھا۔ اس پر میں نے اپنا فرض پورا کردیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی غلامی میں قبول کرلیں۔ موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں۔''

اس ساری صورت حال کو بگاڑنے میں انتہا پسند سیکولر صحافیوں اور نام نہاد دانشوروں نے نہایت غیر ذمہ دارانہ کردار ادا کیا۔ وہ یکطرفہ طور پر مختلف ٹی وی پروگراموں میں اپنے تئیں مفتی اور قانون دان بن کر متنازعہ گفتگو کر کے جلتی پر تیل کا کام دیتے رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گورنر سلمان تاثیر کے قتل کی ذمہ داری انہی فاشسٹ سیکولر صحافیوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اُس کی ملعونہ آسیہ کے ساتھ جیل میں وی آئی پی ملاقات کرنے، سیشن جج کے فیصلہ پر شدید تنقید کرنے، آسیہ مسیح کو بے گناہ قرار دینے، اُس کی درخواست معافی پر دستخط کروانے، آسیہ کے دفاع میں پریس کانفرنس کرنے، قانون ناموس رسالت ﷺ کو کالا قانون کہنے اور اُسے ختم کروانے کی کوششوں کو نہ صرف سراہا بلکہ ''چڑھ جا بیٹا سولی، رام بھلی کرے گا'' کا درس دیتے رہے۔ سلمان تاثیر کے یہ نادان دوست اگر معمولی سا بھی عقل و شعور رکھتے تو اُسے خلافِ آئین و قانون سرگرمیوں سے روکتے، اسے مشورہ دیتے کہ معاملہ عدالت میں ہے، اسے عدالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مگر امریکی ڈالروں کی چمک میں اندھے ہونے والے بھلا کہاں کسی کو ایسا مشورہ دیں گے۔ آسیہ مسیح نے اپنی کتاب

"Blasphemy: A Memoir: Sentenced to death over a cup of water"

میں اپنے مقدمہ کے حوالہ سے جس قدر جھوٹ بولے ہیں، اِس سے شاید جرمنی کے جوزف گوئبلز کی روح بھی شرما جائے۔ 160 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 2013ء میں امریکہ سے شائع ہوئی۔ آسیہ نے اپنے تمام حالات و واقعات امریکہ کی معروف خاتون

صحافی Anne Isabelle Tollet کو سنائے جس نے اس کتاب کو مرتب کیا۔ یاد رہے کہ مذکورہ صحافی 2008ء سے 2011ء تک اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کے سلسلہ میں اسلام آباد میں مقیم رہی۔ آسیہ مسیح نے اپنی کتاب میں لکھا کہ وہ کھیت میں فالسہ چن رہی تھی۔ پیاس لگنے پر وہ قریب ہی پانی کے کنویں پر گئی اور ایک کپ سے پانی پیا۔ اُس نے وہاں کام کرنے والی ایک عورت کو پانی پلانے کی پیشکش کی جس پر وہاں موجود ایک اور عورت نے زور زور سے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ عورت عیسائی ہے جس نے مسلمانوں کے کپ میں پانی پیا ہے۔ چنانچہ اُس پر توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ درج کر کے اُسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ یہ ہے وہ فرضی کہانی جسے ملکی و غیر ملکی پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں اچھالا گیا اور بین الاقوامی طور پر عیسائیوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اِسی طرح 17 نومبر 2014ء کو معروف امریکی اخبار ''نیو یارک ٹائمز'' میں آسیہ مسیح کے شوہر عاشق مسیح کا عالمی برادری کے نام ایک کھلا خط شائع ہوا جو نہ صرف جھوٹ کا پلندا بلکہ اس میں پاکستانی عدلیہ کی بھی تضحیک کی گئی ہے۔ اِس جھوٹے پروپیگنڈا سے نہ صرف آسیہ مسیح کے شوہر عاشق مسیح کے اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر آئے بلکہ اِس بہتی گنگا میں عیسائی این جی اوز، سیکولر صحافیوں سمیت آسیہ کے وکلا نے بھی خوب ہاتھ دھوئے۔ اِس اہم کیس کے سلسلہ میں، میں یہاں چند اہم باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مجرمہ آسیہ مسیح 14 جون 2009ء کو توہین رسالت کی مرتکب ہوئی۔ 19 جون 2009ء کو اُس کے خلاف تھانہ ننکانہ صاحب میں مقدمہ درج ہوا۔ 8 نومبر 2010ء کو اُسے سیشن کورٹ سے جرم ثابت ہونے پر سزائے موت سنائی گئی۔ 14 اکتوبر 2014ء کو لاہور ہائی کورٹ کے دو معزز جج صاحبان جناب جسٹس سید شہباز علی رضوی اور جناب جسٹس محمد انوار الحق نے سیشن کورٹ کی طرف سے دی گئی مجرمہ کی سزا کو بحال رکھا۔ اس پورے عرصہ میں مسلمانوں کی کسی بھی تنظیم کی طرف سے آسیہ مسیح کے خلاف کوئی جلسہ یا جلوس نہیں نکلا۔ کسی مسجد میں قرارداد تک پاس نہیں کروائی گئی۔ عدالتوں کے باہر دباؤ کی غرض سے کبھی کوئی اجتماع نہیں ہوا۔ آسیہ کے کسی وکیل یا خاندان کے کسی فرد کو کبھی کوئی

دھمکی یا نازیبا الفاظ نہیں کہے گئے۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام کارروائی میں آئین اور قانون کی مکمل پاسداری کی گئی۔ افسوس تو اِس بات کا ہے کہ آسیہ مسیح کے حامی ماورائے آئین و قانون اُس کی رہائی چاہتے تھے۔ اِس کے لیے پس پردہ بڑی سازشیں ہوئیں۔ بین الاقوامی میڈیا میں عالمی برادری کی حمایت کرنے اور خود کو مظلوم ثابت کرنے کے لیے دسمبر 2014ء میں شیخوپورہ جیل میں مجرمہ آسیہ مسیح نے ایک بار پھر توہین رسالت کا ارتکاب کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ، قرآن مجید اور مسلمانوں کے متعلق نہایت گستاخانہ اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے جس پر جیل میں کھلبلی مچ گئی اور تمام قیدیوں میں شدید اشتعال پھیل گیا۔ قریب تھا کہ قیدی غصے میں آ کر مجرمہ آسیہ پر حملہ کر دیتے، محکمہ داخلہ پنجاب کے حکم پر اُسے فوری طور پر ملتان جیل منتقل کر دیا گیا۔ اگر اِس شرارت سے کوئی نقصان ہو جاتا تو ایک بار پھر اُس کا الزام تمام مسلمانوں پر عائد کر دیا جاتا اور قانون ناموس رسالت ﷺ ختم کرنے کے مطالبات شروع ہو جاتے۔ مجھے تو حیرانی ہے کہ خود کو دانشور کہلوانے والے بھی آسیہ مسیح کے سلسلہ میں ماورائے آئین و قانون انصاف چاہتے تھے۔ ایک سیکولر کالم نگار اِن سب میں پیش پیش رہا۔ وہ مجرمہ کو بے گناہ اور معصوم قرار دیتے ہوئے معاشرے کو بے حس قرار دیتا رہا۔ گویا دانش دور صاحب سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج صاحبان کو ظالم اور غاصب قرار دے رہے تھے۔ ؎ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے!

قانون ناموس رسالت ﷺ پر تنقید کرنے والے دراصل حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و ناموس پر سگانِ آوارہ کی سی غوغا آرائی کا لائسنس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کراچی سے شائع ہونے والا انگریزی روزنامہ ''ڈان'' اور ماہنامہ ''ہیرالڈ'' پیش پیش ہیں۔ دسمبر 2014ء کی اشاعت میں ایک بدبخت نے اپنے مضمون میں لاہور ہائی کورٹ کے دو معزز جج صاحبان کی طرف سے مجرمہ آسیہ مسیح کو ماتحت عدالت کی طرف سے دی جانے والی سزا کو بحال رکھنے جانے والے فیصلہ پر تنقید کرتے ہوئے قانون ناموس رسالت ﷺ پر شدید غصے کا اظہار کیا۔

کالم نگار نے اپنی بدترین خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ قانون متنازعہ ترین ہے۔ پوچھنا چاہیے کہ کیا حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین کے مرتکب ہونے والے بلاامتیاز مذہب ومسلک کسی بھی شخص کے لیے قانون بنانا............متنازعہ ہے؟ کیا اس بات کی کھلی چھٹی دے دی جائے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی کی شان میں جو کوئی مرضی کہتا رہے، اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کی جائے؟ ان عقل کے اندھوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ قانون تو ملزم کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اگر یہ قانون ختم ہو جائے (یا اس پر عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہو) تو ملزم کو موقع پر ختم کر دینے کا رواج پڑ جائے گا۔

لاہور ہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلہ میں لکھا تھا:

❑ ”مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C کے احکامات نے یہ بات ممکن بنا دی ہے کہ ملزموں کا عدالتی طریق کار سے مواخذہ کیا جاسکے اور معاشرہ میں یہ رجحان پیدا کر دیا ہے کہ قانونی کارروائی کا سہارا لیا جائے۔ تعزیراتِ پاکستان کی محولہ بالا دفعہ کے تحت مقدمے کے اندراج سے ملزم کو ایک عرصہ حیات میسر آ جاتا ہے۔ اس امر کے پورے مواقع کے ساتھ کہ وہ اپنی پسند کے وکیل کے ذریعے عدالت میں اپنا دفاع کرے اور سزایابی کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں اپیل، نگرانی وغیرہ جیسی داد رسی کا فائدہ اٹھائے۔ کوئی بھی شخص، کجا ایک مسلمان، ممکنہ طور پر اس قانون کی مخالفت نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ من مانی کا سد باب کرتا ہے اور قانون کی حکمرانی کو فروغ دیتا ہے۔ اگر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C کے احکام کی تنسیخ کردی جائے یا انہیں دستور سے متصادم قرار دے دیا جائے تو معاشرہ میں ملزموں کو جائے واردات پر ہی ختم کرنے کا پرانا دستور بحال ہو جائے گا۔“ (پی ایل ڈی 1994ء لاہور 485)

مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا آسیہ مسیح کے خلاف مقدمہ بے بنیاد، متعصّبانہ اور جھوٹ پر مبنی تھا یا حقائق اور قانون کے مطابق تھا؟

......۞......

اعتراض نمبر 22

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ نے قانون ہاتھ میں لیا جو سراسر زیادتی ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ان حضرات کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ نے گورنر سلمان تاثیر کو دھوکہ دہی سے قتل کیا جو قابل مذمت ہے۔

جواب: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے غیر جانبدارانہ اور ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ سلمان تاثیر کو قتل کرنے والے ملک محمد ممتاز قادریؒ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا یا سلمان تاثیر نے؟ میں مختصر عرض کرتا ہوں کہ 14 جون 2009ء کو ضلع ننکانہ صاحب کے ایک نواحی گاؤں اٹانوالی میں عیسائی مذہب کی مبلغہ آسیہ مسیح نے قرآن مجید اور حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں نہایت نازیبا، دل آزار اور گستاخانہ کلمات کہے جن کو دہرانے کی میرا قلم اجازت نہیں دیتا۔ وفاقی وزیر اقلیتی اُمور شہباز بھٹی کی مداخلت سے کئی دن تک ملزمہ کے خلاف پرچہ درج نہ ہوسکا۔ وفاقی وزیر کی اس حرکت سے علاقہ بھر میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ بالآخر 19 جون 2009ء کو آسیہ مسیح کے خلاف تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295/C کے تحت ایف آئی آر نمبر 326 درج کر لی گئی۔ ملزمہ کو گرفتار کر کے حفاظتی اقدام کے طور پر ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ بھیج دیا گیا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس کیس کی تفتیش پنجاب پولیس میں نیک نامی اور دیانت داری کی مثالی شہرت رکھنے والے جناب سید محمد امین بخاری ایس پی شیخوپورہ نے کی، جنھوں نے 26 جون 2009ء کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ 161 کے تحت آسیہ مسیح کا بیان ریکارڈ کیا اور نہایت جانفشانی، غیر جانبداری اور شفاف طریقے سے اس کیس کے تمام پہلوؤں کی مکمل تفتیش کرتے ہوئے آسیہ مسیح کو واقعی ملزمہ قرار دیا اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ملزمہ آسیہ مسیح کا حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں اور قرآن مجید کے

متعلق گستاخانہ باتیں کرنا ثابت ہوا ہے۔ ملزمہ نے یہ تمام باتیں نہ صرف تسلیم کیں ہیں بلکہ اپنی غلطی کی معافی بھی مانگی ہے۔

اس مقدمہ کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج ننکانہ صاحب جناب محمد نوید اقبال کی عدالت میں ہوئی۔ ملزمہ کی طرف سے اکبر منور درانی ایڈووکیٹ، طاہر گل صادق ایڈووکیٹ، چوہدری ناصر انجم ایڈووکیٹ، جسٹن گل ایڈووکیٹ، منظور قادر ایڈووکیٹ، طاہر بشیر ایڈووکیٹ، ایرک جون ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک اس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ 8 نومبر 2010ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے ایڈیشنل سیشن جج نے جرم ثابت ہونے پر ملزمہ آسیہ مسیح کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C کے تحت سزائے موت کا مستحق قرار دیتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

''یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس گاؤں میں عیسائی حضرات کی ایک کثیر تعداد مسلمانوں کے ساتھ کئی نسلوں سے آباد ہے لیکن ماضی میں اس قسم کا کبھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات اور اعتقادات کے سلسلے میں برداشت اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر توہین رسالت ﷺ کا اس قسم کا کوئی واقعہ پہلے کبھی اس گاؤں میں پیش آیا ہوتا، تو یقیناً فوجداری مقدمات اور مذہبی جھگڑے اس گاؤں میں پہلے سے موجود ہوتے۔ لہٰذا اس دفعہ یقیناً توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب ہوا ہے۔ جس کے باعث مقدمہ درج ہوا اور عوامی اجتماع منعقد ہوا اور یہ معاملہ اس قصبے اور اِردگرد میں موضوع بحث بن گیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ نہ تو ملزمہ خاتون نے اپنی صفائی میں کوئی شہادت پیش کی، اور نہ ہی دفعہ 340(2)، ضابطہ فوجداری کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات غلط ثابت کیے۔ مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ استغاثہ نے اس مقدمہ کو کسی شک وشبہ سے بالاتر ثابت کر دیا ہے۔ تمام استغاثہ گواہان نے استغاثہ کے مؤقف کی متفقہ اور مدلل انداز میں تائید وتصدیق کی ہے۔ استغاثہ گواہان اور ملزمہ، اُن کے بزرگوں، یا ان کے خاندانوں میں کسی دشمنی کا وجود نہیں پایا جا سکا۔ لہٰذا ملزمہ خاتون کو ناجائز طور پر اس

مقدمہ میں ملوث کیے جانے کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ ملزمہ کو اس مقدمہ میں کوئی رعایت دیئے جانے کا بھی کوئی جواز موجود نہیں۔ لہٰذا میں ملزمہ مسماۃ آسیہ بی بی زوجہ عاشق کو زیرِ دفعہ 295/C تعزیرات پاکستان موت کی سزا کا مجرم ٹھہراتا ہوں۔''

اس فیصلہ کے خلاف دُنیا بھر کی سیکولر لابیاں، نام نہاد ''انسانی حقوق'' کی تنظیمیں، قادیانی جماعت اور عیسائی نمائندے میدان میں آ گئے۔ عیسائی پوپ بینڈکٹ سے لے کر گورنر پنجاب سلمان تاثیر تک سب نے آسیہ ملعونہ کے دفاع میں احتجاج کرتے ہوئے اس فیصلہ کی مذمت کی اور کہا کہ وہ ایسے کسی فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہونے دیں گے۔ پوپ نے ویٹی کن میں منعقدہ خصوصی دُعائیہ تقریب میں آسیہ مسیح کی رہائی کے لیے نہ صرف اس کا نام لے کر دُعا کرائی بلکہ صدرِ پاکستان سے بھی اپیل کی کہ اس کی سزا معاف کی جائے۔ اُنھوں نے حکومتِ پاکستان سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ قانون توہینِ رسالتؐ کو فوری طور پر ختم کیا جائے۔ پوپ کے بیان کے بعد 20 نومبر 2010ء کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر عدالت سے مجرمہ قرار دی جانے والی خاتون سے ملنے کے لیے فوراً ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ پہنچے۔ جہاں اُنھوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل شیخوپورہ کے وی آئی پی کمرہ میں آسیہ مسیح سے خصوصی ملاقات کی اور اُسے حکومتی سطح پر ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔ وہ گورنر ہاؤس سے اپنے ساتھ آسیہ مسیح کو ملنے والی سزا کی معافی کی ٹائپ شدہ درخواست بھی ہمراہ لائے تھے۔ گورنر سلمان تاثیر نے میڈیا کی موجودگی میں آسیہ مسیح سے کہا کہ یہ آپ کی طرف سے تحریر کردہ درخواست ہے، آپ اس پر دستخط کر دیں تاکہ میں بطور گورنر اس درخواست کو صدر آصف علی زرداری تک پہنچا کر سزا کی معافی ممکن بنوا سکوں۔ سزا معافی کے بعد آپ کو یورپ کے کسی ملک میں بھجوا دیا جائے گا۔ اس موقع پر گورنر پنجاب نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملعونہ آسیہ مسیح کو معصوم قرار دیا اور کہا کہ دُنیا کی کوئی طاقت آسیہ مسیح کو سزا نہیں دے سکتی۔ اُنھوں نے کہا کہ قانون توہینِ رسالتؐ ایک ''امتیازی، غیر انسانی اور کالا قانون'' ہے، جس کو ہر حالت میں ختم ہونا چاہیے۔ اس پریس کانفرنس کے ذریعے یورپی ممالک کو یہ پیغام بھی دیا گیا

کہ حکومت آسیہ مسیح کو سزا دینے کے حق میں نہیں ہے اور حکومت ایسے تمام قوانین کو بھی ختم کر دے گی جو اقلیتوں کی ''آزادیِ اظہار'' کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ سب سے پہلے قانون کو ہاتھ میں کس نے لیا، کس نے عدالتی پراسس میں رکاوٹ ڈالی، کس نے عدالتی فیصلہ ماننے سے انکار کیا؟ کس نے آئین و قانون کی خلاف ورزی کی؟ کس نے ماورائے عدالت کیس کو ہائی جیک کیا؟ کس نے عدالتی امور میں بے جا مداخلت کی؟ کس نے توہین رسالت ﷺ اور توہین عدالت کا ارتکاب کیا؟ پوچھنا چاہیے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی حفاظت کا حلف اٹھانے والے نے کس قانون اور کس ضابطہ اخلاق کے تحت توہین رسالت ﷺ کی مجرمہ کے ساتھ بیٹھ کر پریس کانفرنس کرتے ہوئے اسے معصوم اور بے گناہ قرار دیا۔ سیشن جج کی طرف سے سنائی گئی سزا کو ظالمانہ قرار دیا۔ قانونِ ناموس رسالت ﷺ کو کالا قانون قرار دیا۔ آئین کی کونسی شق اور کون سا قانون انہیں اس بات کی اجازت دیتا تھا؟ ایک آئینی عہدے دار کی ان خرافات کا کیا کسی نے نوٹس لیا؟، اس وقت قانون و آئین حرکت میں کیوں نہ آئے؟ اس سے بڑی توہین رسالت اور توہین عدالت اور کیا ہوسکتی تھی؟ اگر سلمان تاثیر کے حامی اسے اس غیر آئینی اور غیر قانونی عمل سے روک دیتے تو شاید غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ کے قانون کو ہاتھ میں لینے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اس ساری صورت حال کو بگاڑنے میں انتہا پسند سیکولر صحافیوں اور نام نہاد دانشوروں نے نہایت غیر ذمہ دارانہ کردار ادا کیا۔ وہ یک طرفہ طور پر مختلف ٹی وی پروگراموں میں اپنے تئیں مفتی اور قانون دان بن کر متنازعہ گفتگو کر کے جلتی پر تیل کا کام دیتے رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گورنر سلمان تاثیر کے قتل کی ذمہ داری انہی فاشسٹ سیکولر صحافیوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اُس کی ملعونہ آسیہ کے ساتھ جیل میں وی آئی پی ملاقات کرنے، سیشن جج کے فیصلہ پر شدید تنقید کرنے، آسیہ مسیح کو معصوم قرار دینے، اُس کی درخواست معافی پر دستخط کروانے، آسیہ کے دفاع میں پریس کانفرنس کرنے، قانون ناموس رسالت ﷺ کو کالا قانون کہنے اور اُسے ختم کروانے کی کوششوں کو نہ صرف سراہا

بلکہ ''چڑھ جا بیٹا سولی، رام بھلی کرے گا'' کا درس دیتے رہے۔ سلمان تاثیر کے یہ نادان دوست اگر معمولی سا بھی عقل و شعور رکھتے تو اُسے خلافِ آئین و قانون سرگرمیوں سے روکتے، اسے مشورہ دیتے کہ معاملہ عدالت میں ہے، اسے عدالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مگر امریکی ڈالروں کی چمک میں اندھے ہونے والے بھلا کہاں کسی کو ایسا مشورہ دیں گے۔

توہینِ رسالت کی مرتکب آسیہ مسیح کے مقدمے کا اہم پہلو یہ ہے کہ یہ مقدمہ کسی مولوی ملّا یا مذہبی جماعت کی خود ساختہ عدالت میں نہیں چلا، بلکہ ملک کی عام عدالت میں عام قوانین کے تحت چلا اور اس میں آسیہ کو دفاع کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا۔ شفاف عدالتی عمل کے بعد عدالت نے آسیہ کو توہینِ رسالت کے گھناؤنے جرم کا مرتکب پاتے ہوئے اسے سزائے موت سنائی۔ اصولی، اخلاقی اور قانونی اعتبار سے اس سزا کو قبول کر لیا جانا چاہیے تھا۔ آسیہ مسیح کے پرستاروں کے لیے مذکورہ فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کرنا ممکن تھا، لیکن انہوں نے فیصلے کو قبول کرنے اور عدالتِ عظمیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے سیکولر فاشزم کا مظاہرہ کیا۔ سلمان تاثیر نے رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے قانون کو ''کالا قانون'' قرار دیا اور شیری رحمٰن نے اس قانون کو ختم کرانے کے لیے قومی اسمبلی میں بل پیش کر دیا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ پوپ بینی ڈکٹ ملعونہ آسیہ اور سیکولر فاشسٹوں کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی امریکہ نے اعلان کر دیا کہ وہ آسیہ کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے۔ اس صورت حال میں سلمان تاثیر ایک قدم اور آگے بڑھے، انہوں نے آسیہ سے جیل میں ملاقات کی، مجرم ہونے کے باوجود اس کے ساتھ پریس کانفرنس کی اور اعلان کیا کہ وہ صدر آصف زرداری سے آسیہ کی سزا معاف کرا دیں گے۔ اس پر لاہور ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ آسیہ صدر کو معافی کی درخواست نہیں دے سکتی لیکن سلمان تاثیر لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ اس سنگین صورتِ حال میں صدر بلکہ وزیر اعظم کو بھی مداخلت کرنی چاہیے تھی اور اعلان کرنا چاہیے تھا کہ ناموسِ رسالت ﷺ کا تحفظ ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس سلسلہ میں ملک کے عدالتی نظام کو اپنا کام کرنے دیا جائے گا لیکن چھوٹے

چھوٹے معاملات میں مداخلت کرنے والے اور معمولی معمولی باتوں پر اجلاس اور ملاقاتیں کرنے والے اتنے اہم معاملے میں خاموش رہے۔ اس صورت حال سے مذہبی ذہن نے یہ مفہوم اخذ کیا کہ ملک کی ہر چیز، یہاں تک کہ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کی ناموس بھی امریکہ اور سیکولر فاشسٹوں کے ہاتھ میں چلی گئی ہے۔ اس سے دکھ، غم، ملال، بے بسی اور اشتعال کی جو کیفیات پیدا ہوسکتی ہیں، وہ واضح ہیں لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ سلمان تاثیر کو ایک مذہبی انتہا پسند نے قتل کیا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت عیاں ہے کہ سلمان تاثیر کو کسی اور نے نہیں ''سیکولر فاشزم'' نے قتل کیا ہے۔

ملعونہ آسیہ مسیح کا مقدمہ تقریباً ڈیڑھ سال تک عدالت میں زیرِ سماعت رہا۔ خود آسیہ مسیح کئی دفعہ عدالت میں پیش ہوئی۔ اِس طویل عرصہ میں مذہبی جماعتوں کی طرف سے کوئی جلسہ، جلوس یا پریس کانفرنس منعقد نہیں ہوئی حتیٰ کہ اُس کے خلاف کوئی اشتہار یا پمفلٹ بھی تقسیم نہیں ہوا۔ اِس لیے کہ مسلمان سمجھتے تھے کہ مقدمہ عدالت میں ہے اور عدالت اِس کا جو بھی فیصلہ کرے گی، ہمیں قبول ہے۔ اگر معزز عدالت آسیہ مسیح کو رہا کر دیتی تو اہل اسلام کوئی ہنگامہ برپا کرنے کے بجائے اِس فیصلہ کے خلاف عدالتِ عالیہ سے رجوع کرتے۔ مسلمانوں کو عدم برداشت کا طعنہ دینے والوں کو اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ خود اُن میں برداشت کا کتنا مادہ ہے؟ کیا یہ کم برداشت ہے کہ ملعونہ آسیہ کی ناپاک جسارت کے بعد گاؤں کے کسی آدمی نے اُسے ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ قانون کا راستہ اختیار کیا۔ قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین بھی اگر قانون کا راستہ اختیار کرتے تو اپنے عبرتناک انجام کو نہ پہنچتے۔

ہمارے نزدیک تمام مسائل کا حل آئین و قانون کی مکمل پابندی، اس پر عملدرآمد اور احترام میں ہے۔ ماورائے عدالت آئین و قانون کی خلاف ورزی بے شمار مسائل کو جنم دیتی ہیں۔ قانون سے اختلاف کی صورت میں اعلیٰ عدلیہ سے رجوع کرنا چاہیے۔ حکومتی اثر و رسوخ کے ذریعے قانون کو غیر مؤثر کرنے کی کوشش، خود لاقانونیت

کے زمرے میں آتی ہے، اور جو اسے نہیں مانتا، ایک مہذب معاشرے میں اسے دانشور نہیں، احمق کہا جاتا ہے۔

27 جنوری 2011ء کو امریکہ کے ایک کمانڈو اور سی آئی اے کے جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے قرطبہ چوک مزنگ لاہور میں دو افراد کو جدید ترین اسلحے سے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کی مدد کے لیے امریکی قونصل خانے سے آنے والی گاڑی نے ایک تیسرے شخص عباد الرحمٰن کو اپنے پہیوں تلے کچل کر ہلاک کر دیا۔ پنجاب پولیس نے تین افراد کے قاتل امریکی کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کیا تو امریکی حکومت نے قاتل کو اپنا سفارت کار قرار دے کر اس کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ پولیس کے بعض افسران کچھ امریکی سفارت کاروں کے براہ راست رابطے میں رہے تا کہ کمزور تفتیش کے ذریعے ملزم کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاہور میں امریکی قونصل خانے کا اہلکار جعلی نمبر پلیٹ والی گاڑی میں بغیر لائسنس کے اسلحے کے ساتھ کیوں گھوم رہا تھا؟ امریکی حکومت بین الاقوامی قوانین کے تحت اپنے اہلکار کو گرفتاری سے مستثنیٰ سمجھتی ہے لیکن کیا امریکی حکومت ہمیں یہ بتائے گی کہ وہ پاکستان پر ڈرون حملے کس بین الاقوامی قانون کے تحت کرتے تھے؟ ایک پاکستانی شہری عافیہ صدیقی کو کراچی سے گرفتار کر کے پہلے افغانستان اور پھر امریکہ کیسے لے جایا گیا حالانکہ یہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھی؟ سچ تو یہ ہے کہ تین پاکستانیوں کے قاتل امریکی کو عدالتی کارروائی کے بغیر رہا کرنے کا مطالبہ آئین و قانون کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے۔ اگر سلمان تاثیر کو قتل کر دیا جائے تو امریکہ اور اس کے حواری آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں اور اس کے قاتل کو فوری پھانسی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب ایک امریکی دو مسلمانوں کو قتل کر دیتا ہے اور تیسرے کو امریکی قونصل کی گاڑی کچل دیتی ہے تو امریکہ اور اس کے حواری اپنے قاتل کی فوری رہائی چاہتے ہیں اور بالآخر امریکی حکومت زبردست دباؤ کے بعد ہماری اعلیٰ بیوروکریسی سے بھاؤ تاؤ کر کے ریمنڈ ڈیوس کو پراسرار طریقے سے رہا کروا کر امریکہ لے گئی۔ اسے کہتے ہیں لبرل فاشسٹ دہشت گردی۔

جناب ظفر اعوان ایڈووکیٹ اپنے مضمون ''قانون کو ہاتھ میں لینے کا جواز'' میں لکھتے ہیں: ''قانون کو ہاتھ میں نہ لینے کو ایک جامد اور مجرد اصول قرار نہیں دیا جا سکتا، خود تعزیرات پاکستان میں ایسی مستثنیات موجود ہیں، جو مخصوص حالات میں قانون کو ہاتھ میں لینے کا جواز مہیا کر دیتی ہیں۔ لیکن بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قانون کو کسی بھی صورت میں ہاتھ میں نہیں لیا جا سکتا تو اس صورت میں یہ فرض کرنا بلکہ ماننا بھی لازم آتا ہے کہ قانون اپنی پوری قوت، ہیبت اور اثر کے ساتھ موجود ہے اور جس طرح بجلی کی ننگی تار کو چھونے سے فی الفور اس کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح ہمہ وقت اور ہر جگہ، ہر شخص کو اس کی موجودگی کا احساس ہو۔ کسی قانون کی کتاب میں اس کی موجودگی اسی طرح بے معنی ہے جس طرح بجلی کا پاور ہاؤس میں موجود ہونا لیکن تاروں میں موجود نہ ہونا۔

مذکورہ بالا تمہید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سلمان تاثیر کے قتل کے بعد کچھ لوگ یہ درس دیتے ہوئے نہیں تھکتے کہ قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے، یہ رجحان معاشرے کے لیے خطرناک ہے۔ قانون کو ہاتھ میں لینے کے رویے کی کوئی بھی سنجیدہ شخص حمایت نہیں کر سکتا لیکن ہاتھ میں اسی چیز کو لیا جا سکتا ہے جو موجود ہو، قانون کو محسوس اور موجود ہونا چاہیے۔ انارکی قانون کے نہ ہونے سے پھیلتی ہے، کسی فرد یا چند افراد کے قانون کو ہاتھ میں لینے سے نہیں بلکہ قانون اپنی پوری ہیبت، قوت اور اثر سے یعنی قوت قاہرہ سے بالفعل موجود ہو تو ایسے واقعات معاشرے کا تار و پود نہیں بکھیر سکتے بلکہ عبرت ناک سزاؤں کے ذریعے معاشرے کی بقا اور استحکام کا سبب بنتے ہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لینے کے رجحان (جس کے کم از کم پاکستان میں مخصوص اسباب ہیں) سے لاقانونیت اور قانون کا احترام نہ کرنے کا رجحان (جو نام نہاد طبقہ خواص میں بہت زیادہ عام ہے) زیادہ خطرناک ہے۔

ممتاز قادری کا اقدام جرم تھا یا فرض؟ اس بحث میں پڑے بغیر قانون کی موجودگی کے پہلو کی طرف آیئے۔

اس وقت آئین اور قانون کہاں تھے، جب آئین پاکستان اور نظریہ پاکستان کی حفاظت کا حلف اٹھانے والے صدر، گورنر پنجاب کو شیخوپورہ جیل کا دورہ کرنے اور سزائے موت پانے والی مسیحی خاتون آسیہ مسیح سے ملاقات کر کے رحم کی اپیل حاصل کرنے کی ہدایت دے رہے تھے؟ آئین کی کون سی شق اور کون سا قانون انہیں اس بات کی اجازت دیتا تھا؟ کیا یہ براہ راست توہین عدالت نہیں تھی؟

وہ کون سا قانون، کون سا ضابطہ اخلاق تھا جس کے تحت سلمان تاثیر نے شیخوپورہ جیل کے اندر پریس کانفرنس سجائی اور آسیہ مسیح کی سزا کو سخت اور ظالمانہ قرار دیا اور جس قانون کے تحت آسیہ مسیح کو سزا ہوئی تھی، اسے کالا قانون قرار دیا؟ ایک آئینی عہدے دار کی ان خرافات کا کسی نے بھی نوٹس لیا؟ آرٹیکل 248 تو کسی بھی صورت میں مزاحم نہ ہوسکتا تھا، اس لیے کہ یہ فرائض منصبی کی ادائیگی نہیں، بلکہ سراسر غیر آئینی اور غیر قانونی فعل تھا۔ جب سلمان تاثیر نے یہ سب کچھ کیا تو آئین کیوں نہ حرکت میں آیا؟ قانون توہین عدالت کو کیا ہو گیا تھا؟ آئین اور قانون کے ساتھ اس مذاق پر چپ کیوں سادھ لی گئی؟

قانون اس وقت حرکت میں کیوں نہ آیا جب توہین رسالت قانون میں ترمیم کے لیے (جسے عمل درآمد کے طریق کار میں اصلاحات کا پُرفریب نام دیا جا رہا تھا) قائم کردہ کمیٹی کی طرف سے پیپلز پارٹی کی رکن اسمبلی شیری رحمٰن نے بطور پرائیویٹ ممبر قومی اسمبلی میں بل پیش کر دیا۔ آرٹیکل 62 کی اس خلاف ورزی پر اسپیکر یا کسی دیگر نے کوئی نوٹس لیا؟ قانون اس وقت حرکت میں کیوں نہ آیا جب بل میں شیری رحمٰن نے یہ کہا کہ قانون ناموس رسالت Law Madean ہے؟

قانون اس وقت کہاں تھا جب اس وقت کے وفاقی وزیر تعلیم (یا جہالت؟) توہین رسالت ایکٹ کو انسان کا بنایا ہوا اور نامکمل قانون قرار دے رہے تھے؟

کیا قانون اس وقت نشے کی حالت میں تھا جب سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی صدر عاصمہ جہانگیر لندن میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ

پاکستان میں توہین رسالت قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے، پاکستان میں سزائے موت کا خاتمہ کیا جائے اور ایسے مقدمات کی سماعت ہائی کورٹ میں ہونی چاہیے؟

قانون اس وقت کہاں تھا جب دی نیوز کا ایک کالم نگار ''توہین رسالت کے قوانین کیوں دکھائی نہیں دیتے'' کے عنوان سے یوں لب کشائی فرما رہا تھا: ''ہم نے اس خود ساختہ نعرے کو سینے سے لگا رکھا ہے کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ ساتھ ہی اس خودفریبی کا شکار ہیں کہ پاکستان ایک خاص مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا تھا تاکہ خدائی مشن کی تکمیل ہو سکے۔ میرا یہ کہنا مذاق نہیں، انتہائی سنجیدہ لوگوں کو بھی اس سوچ کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ بظاہر سنجیدہ اور معقول دکھائی دینے والے آرمی چیف جنرل کیانی نے بھی ایک موقع پر اعلان کیا کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے، اگر پاکستان واقعی اسلام کا قلعہ ہے تو پھر مجھے کہنا پڑے گا کہ اسلام درحقیقت سخت خطرات کی زد میں ہے''۔

یا جب وہ یہ کہہ رہا تھا: ''تحریک پاکستان کی مخالفت اور قائداعظم پر کڑی تنقید کرنے والے علما نے 1947ء کے بعد ایک فقید المثال یوٹرن لیا، وہ اچانک ہی نظریہ پاکستان کے نگران بن گئے۔ وہ جنہیں بدفطرت قرار دینے کی ضرورت تھی، وہ پاکستان کے نام کے اس مندر کے سب سے بڑے پیشوا بن گئے...... نظریہ پاکستان ایک فریب سے زیادہ کچھ نہ تھا، بظاہر یہ عوامی لیگ کے چھ نکاتی ایجنڈے کا جواب تھا مگر درحقیقت مغربی پاکستان کی سیاسی اشرافیہ بشمول جاگیردار، جنرل اور بیوروکریسی کی اس سوچ کا آئینہ دار تھا، جس کا اظہار 1974ء کے فوراً بعد ہی انہوں نے کر دیا تھا...... 1984ء کا آرڈیننس جس کے تحت کسی قادیانی کو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کو جرم قرار دیا گیا تھا، ضرورت ہے کہ ہم اسے اپنی قانون کی کتابوں سے مٹا دیں۔ کچھ احتجاج ہوں گے مگر یہ صرف توقع ہے۔ یہ اچھا قدم ہمیں قادیانیوں کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی خاطر کرنا چاہیے۔ ایسے قوانین بنانے والوں کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ جنرل ضیاء نے 1984ء میں چار حدود قوانین منظور کیے تھے مگر ان سے بھی کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ان قوانین نے ملک میں شرپسندی پھیلائی ہے، رشوت کے ریٹ بڑھائے ہیں۔

یہ مناسب وقت ہے کہ اس قسم کے برے قوانین کو ختم کیا جائے‘‘۔

قانون نے تو ایسے دریدہ دہن یا زبان دراز کا کچھ نہ بگاڑا۔ آئین اور قانون کی بے حسی، بے عملی، خاموشی اور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی یہ محض چند مثالیں ہیں۔ اگر پاکستان کے بنیادی نظریے، آئین پاکستان، دین اسلام اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک اور علانیہ مخالفت پہ آئین اور قانون حرکت میں نہ آئے تو اس آئین اور اس کے تحت بنائے گئے قوانین کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ عمل درآمد، تابع داری اور احترام کا مطالبہ کریں۔ ایک اور بڑا سوال یہ ہے کہ اگر آرٹیکل 62 اور 63 کے مطابق منتخب ہونے والے اور اپنے عہدے کا حلف اٹھانے والے اتنا بھی نہیں جانتے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ جس پر چودہ صدیوں سے عمل ہو رہا ہے اور یہ ضیاء الحق کا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ اور رسول کا قانون ہے تو ایسے جاہل اور بے دین ہمارے سروں پر کیسے مسلط ہیں؟

ایک اور سوال جو قانون پر عمل درآمد اور اس کے احترام کے تناظر میں بہت اہم ہے، وہ یہ ہے کہ کیا گزشتہ چودہ سو سال میں ایک بھی ایسی مثال ملتی ہے کہ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والے کے خلاف کسی عدالت، قاضی یا جج کے پاس مقدمہ درج کرایا گیا ہو؟ اس نے شہادتیں قلم بند کی ہوں اور پھر کسی شاتم رسول کو سزا دی ہو؟ ایسا کیوں نہیں؟ جواب سیدھا سادا ہے! امت مسلمہ کا ہر فرد ایسی کسی صورت حال میں مستغیث بھی ہے، شاہد بھی ہے، منصف اور قاضی بھی اور اس پر عمل درآمد کرنے والا بھی! اور یہ اس لیے ہے کہ ایسی عبرت ناک اور برموقع اور بروقت سزا کے بعد، پھر صدیوں تک اس قبیح اور ناقابل معافی جرم کے ارتکاب کا امکان نہیں رہتا۔ ذرا غور فرمایئے ایک ممتاز قادری کے اقدام سے گز گز بھر لمبی اور بے قابو زبانوں کو کیسی لگام لگی؟

(روزنامہ اسلام کراچی، 21 فروری 2011ء)

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ہمیں عہد نبوی ﷺ کے معروف گستاخِ رسول کعب بن اشرف کے قتل پر غور کرنا چاہیے۔

کعب بن اشرف ایک مالدار یہودی سردار تھا۔ یہ بدطینت اور شیطان صفت انسان لوگوں کو خاص طور پر قریشِ مکہ کو نبی اکرم ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتا اور برانگیختہ کیا کرتا تھا۔ ہمیشہ اس ٹوہ میں لگا رہتا تھا کہ (نعوذ باللہ) کسی نہ کسی طرح پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کو قتل کرا دے۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ اس نے اس غرضِ فاسد کے تحت رسول اکرم ﷺ کو ایک دعوت پر بھی مدعو کیا تھا مگر رسول کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ بروقت آگاہ کر دیا اور آپ بال بال بچ گئے۔

اس پر مسلمانوں کی طرف سے قاتلانہ کارروائی کی مفصل روداد سیدنا جابر بن عبداللہؓ یوں بیان کرتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: ”کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ ستا رہا ہے۔“ اس پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے یہ پسند ہے۔ انھوں نے عرض کی: کیا آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ بقدرِ ضرورت اس سے جو مناسب سمجھوں، بات کر لوں؟ (خواہ ظاہراً وہ بری اور ناجائز ہی ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس چیز کی اجازت مرحمت فرمائی۔ رات کے وقت جب یہ لوگ مدینہ منورہ سے کارروائی کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو سید الاوّلین والآخرین، امام الانبیا والمرسلین ﷺ نے بنفس نفیس ان کو جنت البقیع (اصل نام الغرقد) تک آ کر الوداع کیا۔ یہ سن 3 ہجری تھا، ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ چاندنی رات تھی۔ مجاہدین کی اس مختصر چھاپہ مار گوریلا ٹیم کو رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ! اللہ تمہاری مدد کرے۔“

محمدؓ بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ شخص (اشارہ

رسول اکرم ﷺ کی جانب تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں مشقت میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب بن اشرف بولا اور کہنے لگا: ابھی آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا، اللہ کی قسم! تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: چونکہ ہم نے اب اس کی اطاعت کر لی ہے۔ اس لیے انھیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں، میں تم سے ایک وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے جو تقریباً ایک سو تیس کلو کے برابر بنتا ہے) غلہ بطور قرض لینے آیا ہوں۔

کعب بن اشرف نے کہا: ہاں! میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کونسی چیز تم گروی میں چاہتے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: تم عرب کے نہایت خوبصورت مرد ہو، ہم تمھارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کعب بن اشرف نے کہا: پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے جواب دیا: ہم اپنے بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کل کلاں انھیں اسی بات پر گالیاں اور طعنے دیے جائیں گے کہ یہ تو وہی ہے، جسے ایک وسق یا دو وسق غلے کے بدلے گروی رکھا گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے بہت بڑی ذلت ہوگی۔ البتہ ہم تمھارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ دیتے ہیں۔

محمدؓ بن مسلمہ نے دوبارہ ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ (کچھ دنوں کے بعد) وہ رات کے وقت کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ابو نائلہؓ بھی تھے اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر اس کے قلعہ کے پاس جا کر انھوں نے آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: اس وقت (اتنی رات گئے) باہر کہاں جا رہے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: باہر محمد بن مسلمہ اور میرا (رضاعی) بھائی ابو نائلہ (مجھ سے ملنے آئے ہیں) اس کی بیوی نے اس سے کہا: مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا: (نہیں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ وہ) میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں۔

عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ جب سیدنا محمدؓ بن مسلمہ اندر گئے تو ان کے

ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سفیان سے پوچھا گیا: کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ عمرو بن دینار نے بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کے نام بتائے تھے۔ تاہم عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمی اور لائے تھے۔ اور انھیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب ہماری طرف آئے گا تو میں اس کے بال اپنے ہاتھوں میں لے لوں گا اور انھیں سونگھوں گا۔ جب تمھیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا...... عمرو بن دینار نے ایک دفعہ یہ بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ نے فرمایا، پھر میں اس کا سر تمھیں بھی سنگھاؤں گا......

بالآخر کعب بن اشرف چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے سر سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: اس سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی۔ عمرو کے سوا دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا: کعب بن اشرف اس بات پر بولا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں: محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کیا تمھارے سر کو سونگھنے کی مجھے اجازت ہے؟ اس نے کہا: سونگھ سکتے ہو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سونگھا۔ پھر دوسری دفعہ محمدؓ بن مسلمہ نے سر کو سونگھنے کی اجازت مانگی۔ اس نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی۔ پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح اسے اپنے قبضہ میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کامیاب قاتلانہ کارروائی کی اطلاع دی۔ (فتح الباری: ج7، ص340)

اس معرکہ میں حضرت حارث بن اوسؓ شدید زخمی ہوئے۔ صحابۂ کرامؓ ان کو اٹھا کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے تو آپ ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگایا، جس سے زخم فوراً مندمل ہو گیا۔

❑ امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:
''کسی شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کے واقعہ کو دھوکہ دہی قرار دے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مجلس میں کسی انسان نے ایسی بات کہہ ڈالی تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا تھا۔''

ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ گستاخِ رسول کو دھوکہ دہی سے قتل کرنا نا صرف شریعت اسلامیہ میں جائز بلکہ صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی عزت و حرمت کا معاملہ اتنا حساس معاملہ ہے کہ آپ ﷺ کی توہین کے مجرم کی سزا میں ہلکی سی بھی تاخیر نہیں کی جا سکتی بلکہ اسلامی تاریخ میں دیکھیں تو بعض دفعہ مسلمان قاضیوں نے ان کو سزا دینے کے لیے جلاد کو بلانے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے ان ملعونوں کو واصل جہنم کر دیا جیسا کہ قاضی مدینہ حضرت سعد بن ابراہیم (تابعی) جو معروف صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پوتے اور سعد بن ابی وقاص کے نواسے تھے، امام بخاری ان کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ابوالہیثم بن محمد بیان کرتے ہیں:

❑ ''ابوالہیثم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سعد بن ابراہیم (تابعی) مدینہ منورہ کے امیر ابن ہشام المخزومی کے دربار میں موجود تھے کہ اس دن اس کے دربار میں ابن محمد بن مسلمہ اور بنو حارثہ کے شخص (مغیرۃ) کے درمیان تکرار ہو گیا۔ ابن محمد بن مسلمہ نے کہا کہ میں کعب بن اشرف کے قاتل کا بیٹا ہوں۔ حارثی کہنے لگا۔ اللہ کی قسم کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔ حضرت سعد منتظر رہے کہ ابن ہشام اس سے (گستاخی پر) باز پرس کرے گا مگر اس نے کوئی ایکشن نہ لیا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں چلے گئے۔ حضرت سعد نے عدالت لگائی تو اپنے غلام شعبہ (جو کہ آپ کا محافظ بھی تھا) سے کہا، میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اگر مغیرہ (حارثی) تجھ سے فرار ہو گیا تو میں تجھے ضرور بالضرور سزا دوں گا۔ (آپ کے محافظ) شعبہ کہتے ہیں میں نے صبح کی نماز اس کے ساتھ پڑھی پھر اسے حضرت سعد کے پاس لے آیا۔ جب حضرت سعد کی

اس پر نظر پڑی تو قمیض پھاڑ دی اور کہا تم ہو جس نے کہا ہے کہ کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔ پھر اس کو 150 کوڑے لگائے، اور اس کا سر اور داڑھی مونڈ ڈالی اور کہا اللہ کی قسم میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا اور تمہیں مجھ سے بچانے والا کوئی نہیں۔

(تاریخ الکبیر از ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ)

اعتراض نمبر 23

قادیانیوں کا کہنا ہے کہ وہ توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن پھر بھی بعض اوقات ان کے خلاف توہین رسالت ﷺ کے تحت مقدمہ درج کروا دیا جاتا ہے جو سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔

جواب: قادیانیوں کا یہ کہنا کہ وہ توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب نہیں کرتے، اپنے مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات اور حقائق و واقعات سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ختم نبوت اسلام کی اساس اور اہم ترین بنیادی عقیدہ ہے۔ دین اسلام کی پوری عمارت اس عقیدہ پر کھڑی ہے۔ یہ ایک ایسا حساس عقیدہ ہے کہ اس میں شکوک و شبہات کا ذرا سا بھی رخنہ پیدا ہو جائے تو ایک مسلمان نہ صرف اپنی متاع ایمان کھو بیٹھتا ہے بلکہ وہ حضرت محمد ﷺ کی امت سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ ایمان و ہدایت محض نبی کریم ﷺ کو سچا جاننے کا نام نہیں بلکہ آپ ﷺ کو صادق و مصدوق سمجھنے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو آخری تسلیم کرنا، ایمان و ہدایت کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید کی ایک سو سے زائد آیات مبارکہ اور حضور نبی کریم ﷺ کی تقریباً دو سو دس احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اس سے انکار یقیناً کفر و ارتداد ہے جس سے کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے۔ عقیدہ ختم

نبوت کا منکر وہی شخص ہوسکتا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو کیونکہ اگر یہ شخص آپ ﷺ کی رسالت کا قائل ہوتا تو جن چیزوں کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے، ان میں آپ ﷺ کو سچا سمجھتا۔ جن دلائل اور طریق تواتر سے آپ ﷺ کی رسالت، نبوت اور دعوت ہمارے لیے ثابت ہوئی ہے، ٹھیک اسی درجہ کے تواتر سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اب قیامت تک کوئی نیا نبی نہ ہوگا اور جس شخص کو ختم نبوت کے اس مفہوم میں شک ہو، اسے خود رسالت محمدی ﷺ میں بھی شک ہوگا۔

مسلمانان عالم کا حضور نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر اجماع اور عقیدۂ جہاد 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلام دشمن طاقتوں بالخصوص انگریزوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا اور ہے۔ ان کی شدید خواہش تھی اور ہے کہ کسی طرح کوئی ایسا اہتمام ہو جائے کہ مسلمانوں کے دل سے حضور نبی کریم ﷺ کی محبت وعقیدت اور جہاد کی روح دونوں ختم ہو جائیں، اب چونکہ ایک نبی کے حکم میں ترمیم و تنسیخ دوسرے نبی کے ذریعے ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی اور لالچ پر سیالکوٹ کی ضلع کچہری کے ایک منشی مرزا قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ بدبخت گورداسپور (بھارت) کی تحصیل بٹالہ کے ایک پسماندہ گاؤں قادیان کا رہنے والا تھا۔ آنجہانی مرزا قادیانی نے پہلے خود کو عیسائیت اور ہندو مخالف مناظر کی حیثیت سے متعارف کروایا اور مسلمانوں کی جذباتی اور نفسیاتی ہمدردیاں حاصل کیں۔ پھر مجدد، محدث، امتی نبی، ظلی نبی، بروزی نبی، مثیل مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہوئے انجام کار باقاعدہ امرونہی کے حامل ایک صاحب شریعت نبی ہونے کے ادعا تک جا پہنچا۔ یعنی باقاعدہ نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا حتیٰ کہ اعلان کیا کہ وہ خود ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ (نعوذ باللہ) پھر اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے کہا کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی شکل میں دوبارہ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کو بھیجا۔ مزید کہا کہ مرزا قادیانی خود ''محمد رسول اللہ'' ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں آیا۔ اس لیے ہمیں کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب کلمہ طیبہ میں ''محمد رسول اللہ'' سے مراد مرزا قادیانی ہے۔

قادیانی اپنے عقائد کے مطابق، آنجہانی مرزا قادیانی کونعوذ باللہ ''محمد رسول اللہ''، اس کی بیوی کو ''ام المومنین''، اس کی بیٹی کو ''سیدۃ النساء''، اس کے خاندان کو ''اہل بیت''، اس کے ساتھیوں کو ''صحابہ کرام''، اس کی نام نہاد وحی والہامات کو ''قرآن مجید''، اس کی گفتگو کو ''احادیث رسول''، اس کے شہر قادیان کو ''مکہ''، ربوہ کو ''مدینہ'' اور اس کے مرگھٹ کو ''جنت البقیع'' قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب باتیں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ بلکہ فاسق و فاجر مسلمان کے لیے بھی نا قابل برداشت ہیں اور اس کرۂ ارض پر کوئی بے حمیت مسلمان ایسا نہیں جو کسی بدبخت سے ایسی گستاخانہ باتیں سننا گوارا کرے۔

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں 7 ستمبر 1974ء کو ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے (مسلمانوں اور قادیانیوں کا تفصیلی موقف سننے کے بعد) قادیانیوں کو ان کے عقائد کی بنا پر متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ قادیانی آئین پاکستان کی اس شق کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں بلکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور باقی لوگ (اہل اسلام) غیر مسلم ہیں کیونکہ وہ ایک نئے نبی (مرزا غلام احمد قادیانی) کی نبوت کے منکر ہیں۔ دراصل ان کا یہ دعویٰ ہی فساد کا باعث بنتا ہے اور فتنے کے دروازے کھولتا ہے۔ جو شخص پاکستان کے آئین کو تسلیم نہیں کرتا، اس کے تحت متعین کی گئی اپنی حیثیت کو نہیں مانتا، اصولی طور پر وہ آئین کے اندر دیے گئے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔ یہ بات ہر مرزائی کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمان، قادیانیوں سے جو اختلاف رکھتے ہیں، وہ ان کے خلاف تعصب، تنگ نظری، عناد یا کسی اور بنیاد پر نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت، عقیدت اور آخری آسمانی کتاب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ مقام محمدیت ﷺ کے نتیجہ میں ہے۔

نہایت قابل غور بات یہ ہے کہ 1993ء میں قادیانی جماعت نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل دائر کی اور اس میں موقف اختیار کیا کہ انھیں خود کو مسلمان کہلوانے، اپنے مذہب کی تبلیغ و تشہیر کرنے، لٹریچر تقسیم کرنے اور سرعام جلسے

وغیرہ منعقد کرنے کی اجازت دی جائے۔ دوران مقدمہ جب مسلمان وکلاء نے مرزا قادیانی، اس کے بیٹوں اور مریدوں کی کتب سے مذکورہ بالا گستاخانہ اور کفریہ عبارات پیش کیں تو فل بنچ کے جج صاحبان انھیں دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے متفقہ طور پر اپنے فیصلے میں قادیانیوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے روکتے ہوئے لکھا کہ ہر قادیانی شعائر اسلامی کی توہین اور اپنے کفریہ عقائد کی بنا پر ''سلمان رشدی'' ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سلمان رشدی بدنام زمانہ گستاخ رسول ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں مزید لکھا کہ اگر قادیانیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی کوشش کی تو انتظامیہ ان کی جان اور مال کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ کیونکہ کوئی مسلمان ایسی دل آزار تحریریں پڑھنے کے بعد اپنے غصہ پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اس کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز لاء اینڈ آرڈر کا موجب بن سکتی ہے جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نقصان ہو سکتا ہے۔ (ظہیر الدین بنام سرکار 1993 SCMR 1718ء)

سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بنچ کے تاریخی فیصلہ (1993 SCMR 1718) کی رو سے کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہلوا سکتا اور نہ ہی اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C اور 298-C کے تحت سزائے موت کا مستوجب ہے۔ اس کے باوجود قادیانی آئین، قانون اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کا مذاق اڑاتے ہوئے خود کو مسلمان کہلواتے، اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے، گستاخانہ لٹریچر تقسیم کرتے، شعائر اسلامی کا تمسخر اڑاتے اور اسلامی مقدس شخصیات و مقامات کی توہین کرتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ قادیانیوں کی ان آئین شکن، خلاف قانون اور انتہائی اشتعال انگیز سرگرمیوں پر قانون نافذ کرنے والے ادارے مجرمانہ غفلت اور خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں جس سے بعض اوقات لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ نقل کفر، کفر نہ باشد کے مصداق، آیئے بوجھل دل کے ساتھ روح فرسا قادیانی عقائد پر ایک نظر ڈالتے ہیں جنھیں پڑھ کر کلیجا پھٹنے کو آتا، دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا، آنکھیں خون کے آنسو روتی، سینہ چھلنی ہوتا، روح میں زہر آلود نشتر چبھتے ہیں اور دماغ مفلوج ہوتا

محسوس ہوتا ہے۔ افسوس صد افسوس! اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک میں ایسے گستاخانہ، دل آزار اور کفریہ عقائد کی سرعام تبلیغ و تشہیر ہوتی ہے!!!

❑ ’’پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے **محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم** اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔‘‘

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 4، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 207 از مرزا قادیانی)

❑ ’’خدا تعالیٰ نے آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا ہے اور آنحضرت ﷺ کا بروز مجھے قرار دیا ہے۔‘‘

(حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ 67، مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 502 از مرزا قادیانی)

❑ ’’مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا مگر بروزی صورت میں۔ میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی۔‘‘

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 12 مندرجہ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 216 از مرزا قادیانی)

❑ ’’میں آدمؑ ہوں، میں نوحؑ ہوں، میں ابراہیمؑ ہوں، میں اسحاقؑ ہوں، میں یعقوبؑ ہوں، میں اسماعیلؑ ہوں، میں موسیٰؑ ہوں، میں داؤدؑ ہوں، میں عیسیٰؑ ابن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی صفحہ 521، مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 521 از مرزا قادیانی)

❑ ’’اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود (مرزا قادیانی) اور نبی کریم ﷺ میں کوئی دُوئی (فرق) باقی نہیں کہ ان دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ **صار وجودی وجوده** (دیکھو خطبہ الہامیہ صفحہ 171) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) میری قبر میں دفن کیا جائے گا جس سے یہی مراد ہے کہ وہ میں ہی ہوں یعنی مسیح

موعود (مرزا قادیانی) نبی کریم ﷺ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا تاکہ اشاعت اسلام کا کام پورا کرے اور **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله** کے فرمان کے مطابق تمام ادیان باطلہ پر اتمام حجت کر کے اسلام کو دنیا کے کونوں تک پہنچاوے تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمد ﷺ کو اتارا تاکہ اپنے وعدہ کو پورا کرے جو اس نے **آخرین منهم لما یلحقوا بهم** میں فرمایا تھا۔" (کلمۃ الفصل صفحہ 104، 105، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- "ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعودؑ کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ ﷺ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعودؑ کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم ﷺ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔" (کلمۃ الفصل صفحہ 113، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- "ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریم ﷺ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے **صار وجودی وجوده** نیز **من فرق بینی وبین المصطفی فما عرفنی و ماریٰ** اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت **آخرین منهم** سے ظاہر ہے، پس مسیح موعودؑ خود محمد ﷺ رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمد ﷺ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔"

(کلمۃ الفصل صفحہ 158 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- "اُس (نبی کریم ﷺ) کے لیے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا، اب کیا تو انکار کرے گا۔"

(اعجاز احمدی صفحہ 71، مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 183 از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کے مندرجہ بالا عقائد ونظریات، جن سے مسلمانوں کو شدید صدمہ پہنچا ہے اوران کے جذبات مجروح ہوئے ہیں، کے بعد مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرح درود وسلام کا مستحق ہے۔ بقول مرزا قادیانی، اللہ تعالیٰ اس پر درود بھیجتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''صلی اللہ علیک و علٰی محمد''

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 661،طبع چہارم از مرزا قادیانی)

''اے محمدی ﷺ سلسلہ کے برگزیدہ مسیح تجھ پر خدا کا لاکھ لاکھ دُرود اور لاکھ لاکھ سلام ہو۔''

(سیرت المہدی جلد سوئم صفحہ 208 از مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

''سلام علیکم طبتم. نحمدک و نصلی. صلوٰۃ العرش الی الفرش''

ترجمہ: (اے مرزا) تم پر سلام تم پاک ہو۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرے پر درود بھیجتے ہیں۔ عرش سے فرش تک تیرے پر درود ہے۔ (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 553 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی دعویٰ کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل وحی اس پر اتری ہے:

اصحاب الصفة وما ادرک ما اصحب الصفة تری اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک.

ترجمہ: صفہ کے رہنے والے اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا ہیں صفہ کے رہنے والے۔ تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ وہ تیرے (مرزا قادیانی) پر درود بھیجیں گے۔''

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 197 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

مطلب یہ ہے کہ اصحاب صفہ مرزا قادیانی پر درود بھیجتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی، مرزا غلام احمد قادیانی کے لیے درود وسلام پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی مرزا قادیانی کو حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کے برابر گردانتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

قادیانیوں کی اس حرکت اور فعل سے واضح طور پر حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کے مقدس اور مبارک نام کی تحقیر اور بے حرمتی ثابت ہوتی ہے۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں"

(روزنامہ بدر قادیان، 25 اکتوبر 1906ء از مرزا قادیانی)

یہ محض "مریداں می پرانند" والی شاعری نہیں ہے، بلکہ یہ اشعار، شاعر نے خود مرزا قادیانی کو سنائے اور اسے لکھ کر پیش کیے۔ مرزا قادیانی نے اس پر جزاک اللہ کہہ کر شاعر کو داد دی اور اس قطعہ کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

- "یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"

(مرزا بشیرالدین محمود کی ڈائری، اخبار الفضل قادیان نمبر 5، جلد 10، 17 جولائی 1922ء)

- "آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ...... عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور یہ تھا کہ سُور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔"

(مرزا قادیانی کا مکتوب، روزنامہ الفضل قادیان 22 فروری 1924ء)

- "حافظ محمد ابراہیم صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ 1903ء کا واقعہ ہے کہ میں ایک دن مسجد مبارک کے پاس والے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تشریف لائے اور اندر سے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) بھی تشریف لے آئے اور تھوڑی دیر میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی آگئے اور آتے ہی حضرت مسیح موعود سے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول کے خلاف بعض باتیں بطور شکایت بیان کرنے لگے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب کو جوش آگیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو کی ایک دوسرے کے خلاف آوازیں بلند ہوگئیں اور آواز کمرے سے باہر

جانے لگی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** (یعنی اے مومنو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز کے سامنے بلند نہ کیا کرو) اس حکم کے سنتے ہی مولوی عبدالکریم صاحب تو فوراً خاموش ہو گئے اور مولوی محمد احسن صاحب تھوڑی دیر تک آہستہ آہستہ اپنا جوش نکالتے رہے اور حضرت اقدس وہاں سے اٹھ کر ظہر کی نماز کے واسطے مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔''

(سیرت المہدی جلد دوم صفحہ 30 از مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

- ''اے عزیزو! تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص کو یعنی مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کے لیے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔''

(اربعین نمبر 14 صفحہ 100، مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 442 از مرزا قادیانی)

''منم مسیح زمان و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد''

ترجمہ: ''میں مسیح زماں ہوں، میں کلیم خدا یعنی موسیٰ ہوں، میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد مجتبیٰ ہوں۔''

(تریاق القلوب صفحہ 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 134 از مرزا قادیانی)

- ''مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر۔''

(اربعین نمبر 4 صفحہ 19، مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 454 از مرزا قادیانی)

قادیانی عقیدہ کے مطابق مرزا قادیانی پر نازل ہونے والی وحیاں ملاحظہ کیجیے:

- **"انا اعطیناک الکوثر. فصل لربک و انحر. ان شانئک ھو الا بتر"**

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 235 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

- **" ورفعناک لک ذکرک"**

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 236 طبع چہارم، از مرزا قادیانی)

- **"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"**

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 538 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

- ”وما ینطق عن الھوی. ان ھو الا وحی یوحی.“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 321 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی.“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 542 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- وقل یایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا.

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 292 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”ودا عیا الی اللّٰہ و سراجا منیرا“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 541 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا.“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 63،543 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”تبت یدا ابی لھب وتب“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 546 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 547 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 547 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

- ”یاایھا المدثرقم فانذر وربک فکبر.“

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 39 طبع چہارم ازمرزا قادیانی)

اعتراض نمبر 24

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ ناموس رسالت ﷺ کا قانون صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا قانون ہے، لہٰذا اسے ختم

ہونا چاہیے۔

جواب: صدر ضیاء الحق کی دشمنی کی آڑ میں قانون ناموس رسالتﷺ کی مخالفت عجیب بات ہے۔ ہمیں سب سے پہلے اس قانون کے بننے کی وجہ معلوم کرنی چاہیے۔ 17 مئی 1986ء کی شام اسلام آباد کے ہوٹل میں ایک سیمینار کے دوران انسانی حقوق کمیشن کی چیئرپرسن اور سپریم کورٹ بار کی سابقہ صدر عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں نہایت توہین آمیز اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ میرا قلم اِس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ ناپاک الفاظ یہاں رقم کروں۔ عاصمہ جہانگیر کی شانِ رسالتﷺ میں گستاخی کے ارتکاب پر راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے معزز اراکین جناب عبادالرحمٰن لودھی ایڈووکیٹ اور جناب ظہیر احمد قادری ایڈووکیٹ نے سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اِن توہین آمیز الفاظ کو واپس لے کر اس گستاخی پر معافی مانگے۔ عاصمہ جہانگیر کے انکار اور اپنے الفاظ پر مسلسل اصرار پر سیمینار میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اگلے دن جب اس واقعہ کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو پورے ملک میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ فوری طور پر توہین رسالت کی سزا نافذ کی جائے اور اِس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو عبرتناک سزا دی جائے۔ دریں اثناء انہی دنوں عاصمہ جہانگیر نے برملا اعلان کیا کہ ”میرے شوہر طاہر جہانگیر قادیانی ہیں۔ میں اس سلسلہ میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ ہم سے بہت بہتر ہیں۔“

(روزنامہ جنگ لاہور 26 جون 1986ء)

عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر کا نوٹس سب سے پہلے قومی اسمبلی میں اسلامی جذبہ سے سرشار خاتون ایم این اے محترمہ آپا نثار فاطمہ نے لیا اور انہوں نے وہاں پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی کہ عاصمہ جہانگیر کے ان توہین آمیز الفاظ کے خلاف حکومت فوری ایکشن لے لیکن چونکہ اس وقت تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت کے جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی، اس لیے اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی

نہ ہوسکی۔ بعدازاں محترمہ آپا نثار فاطمہؒ نے قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کیا جس میں توہین رسالت کی اسلامی سزا، سزائے موت تجویز کی گئی۔ اراکین قومی اسمبلی کی بھاری اکثریت نے اس بل کو منظور کیا اور اس طرح فوجداری ترمیمی ایکٹ نمبر 3 (سال 1986ء) کے ذریعے تعزیرات پاکستان میں دفعہ 295/C کا اضافہ کیا گیا جس کی رُو سے ''اگر کوئی شخص زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا واضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی یا بذریعہ طعن آمیز اشارہ، کنایہ، براہ راست یا بالواسطہ طور پر حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کرتا ہے تو وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا یا اسے سزائے عمر قید دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی کیا جاسکے گا۔''

یاد رہے کہ محترمہ آپا نثار فاطمہ مسلم لیگ نون کے راہنما احسن اقبال کی والدہ تھیں۔ اس قانون میں دو سزائیں تجویز کی گئیں، سزائے موت یا عمر قید کی سزا۔ حالانکہ محترمہ آپا نثار فاطمہؒ کی طرف سے پارلیمنٹ سے پیش کیے گئے بل میں توہین رسالت ﷺ کی سزا صرف سزائے موت تجویز کی گئی تھی مگر وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کی گئی کہ شاتم رسول کی سزا، سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔ اس طرح تعزیرات پاکستان میں 295-C کا اضافہ کر دیا گیا۔ چونکہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا ''عمر قید'' اسلامی قانون کے خلاف تھی۔ 1973ء کے متفقہ دستور کی دفعہ نمبر 227 میں اہل پاکستان کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ خلاف اسلام دفعات کی نشاندہی کر کے ان کو قرآن وسنت کے مطابق تبدیل کرا سکتے ہیں۔ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے زیر نگرانی تیار کردہ اس دستور میں دیے ہوئے حق کو استعمال کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ جناب محمد اسماعیل قریشی نے اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا کہ توہین رسالتؐ کی سزا بطور حد سزائے موت ہے اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی سوئی کی نوک کے برابر کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت نومبر 1989ء کو شروع ہوئی۔ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فل بنچ جناب جسٹس گل محمد خاں چیف جسٹس، جناب

جسٹس عبدالکریم خان کندی، جناب جسٹس عبادت یار خاں، جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھہیم اور جناب جسٹس فدا محمد خاں پر مشتمل تھا۔ عدالت نے آٹھ دن (26 تا 29 نومبر 1989ء، 4 تا 7 مارچ 1990ء) اس درخواست کی سماعت کی اور متعدد سکالروں، تمام مسالک کے جید علما کرام اور اس موضوع پر دسترس رکھنے والے سینئر قانون دانوں کو بھی طلب کیا تاکہ وہ اس موضوع پر اپنی آراء پیش کر کے عدالت کی قانونی معاونت کریں۔

30 اکتوبر 1990ء کو عدالت نے اس درخواست کا متفقہ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے قرار دیا کہ حضرت محمد ﷺ کی توہین یا ان کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم میں متبادل سزا، تاحیات قید، اسلام کی واضح نصوص (احکام) کے منافی ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ دفعہ 295 سی میں ''یا عمر قید'' کا لفظ توہین رسالت کے حوالہ سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اس لیے صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ 30 اپریل 1991ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور ''یا عمر قید'' کے الفاظ ختم کریں، اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خودبخود کالعدم متصور ہوں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا، چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خودبخود کالعدم ہوگئے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ میں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت کو قرآن اور سنت رسول ﷺ سے اخذ کردہ اور درست قرار دیا۔ (PLD 1991 FSC 10)

یاد رہے کہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 203-D کے تحت وفاقی شرعی عدالت ہی اس امر کی مجاز ہے کہ وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے۔ آئین کی اس شق کے مطالعہ کے بعد اس سلسلہ میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس آئینی شق میں کہا گیا ہے:

- ''عدالت از خود نوٹس پر یا پاکستان کے کسی شہری کی پٹیشن پر یا وفاقی یا کسی

صوبائی حکومت کی پٹیشن پر یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کے اصولوں کی روشنی میں کسی بھی قانون یا اس کی شق کے اسلام کے مطابق یا اسلام سے متصادم ہونے کا فیصلہ کر سکے"۔

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ قوانین وضع کرنے ،ان پر نظر ثانی کرنے ،ان میں ترمیم کرنے، ان کی تنسیخ کرنے کے وسیع تر اختیارات رکھتی ہے۔ پارلیمانی طریق کار اور قانون سازی کی روایات کے مطابق پارلیمنٹ کی طرف سے وضع کردہ قانون ناموس رسالت کئی دہائیوں سے نافذ العمل ہے اور آئینی عدالت کے کڑے معیار پر پورا اتر چکا ہے۔ یہ کہنا کہ قرآن وسنت میں توہین رسالت کی سزا موت نہیں ہے، وفاقی شرعی عدالت اس اعتراض کا آئینی شق 203-D کی ذیلی شق 2 کے تحت پہلے ہی باریک بینی سے جائزہ لے چکی ہے اور اس کے فیصلہ کی رو سے موجود قانون قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ گستاخِ رسول کے لیے موت کی سزا کے علاوہ کسی بھی قسم کی متبادل سزا اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوگی۔ آئین کی شق 203-D کی ذیلی شق 2 کی شق (b) کے تحت یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ ہو چکا ہے۔

حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی، اس فیصلے کو چیلنج نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کا مقصد فیصلہ کے بعض پہلوؤں کی وضاحت حاصل کرنا تھا۔ بعد ازاں حکومت نے سپریم کورٹ سے یہ اپیل واپس لے لی۔ بعض سیکولر اور قادیانی حضرات نے حکومت کے اس اقدام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اس سنگین جرم کے لیے صرف موت کی سزا قائم رکھنے پر اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا۔ لیکن ان لوگوں کے یہ ذہنی تحفظات عوامی سطح پر کوئی پذیرائی حاصل نہ کر سکے۔ نہ صرف رائے عامہ کے راہنماؤں نے بلکہ منتخب اداروں اور قانون ساز اسمبلیوں نے بھی عوامی جذبات کو زبان دی۔

2 جون 1992ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور

کی جس میں حکومت سے کہا گیا کہ حضرت محمد ﷺ کی توہین پر صرف اور صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہیے۔ سینٹ نے بھی یہی راہ عمل اختیار کی۔ 8 جولائی 1992ء کو سینٹ میں ترمیمی قانون متفقہ طور پر منظور کیا گیا، جس میں اس جرم کے لیے صرف موت کی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا توہین رسالت کا حالیہ قانون تین مختلف سمتوں سے ہونے والی کاوشوں کے نتیجے میں پاکستان کے مجموعہ تعزیرات کا حصہ بنا ہے:

1- قومی اسمبلی میں آپا نثار فاطمہ کا پیش کردہ بل اور اس کے نتیجے میں محدود قانون سازی۔

2- جناب محمد اسمٰعیل قریشی کی 1987ء میں وفاقی شرعی عدالت کو دی جانے والی درخواست اور اس پر وفاقی شرعی عدالت کا 1990ء کا فیصلہ (یہی اس قانون کا اصل محرک ہے۔)

3- آخر کار جون 1992ء میں پارلیمنٹ میں سزائے عمر قید کے خاتمے کا بل پیش ہونا اور اس کا منظور ہو جانا، گو کہ اس آخری مرحلہ کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ شرعی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں مقررہ تاریخ گزر جانے کے بعد قانون خود ہی تبدیل ہو چکا تھا، تاہم پارلیمان کی قانون سازی نے اس ترمیم کی مزید تائید کر دی۔ اب اس قانون کو دستور 1973ء میں دیے ہوئے حق کے استعمال یا قومی اسمبلی کی 1992ء میں منظوری کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ہر دو اقدامات کسی آمر کے ذریعے حاصل نہیں ہوئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قانون ناموس رسالت تو فاضل عدالت اور پارلیمنٹ کی متفقہ منظوری کا حاصل ہے، جبکہ اس کو غیر مؤثر کرنے کی باضابطہ ترمیم 2004ء میں پرویز مشرف کے آمرانہ دور میں ہوئی۔

قانون ناموس رسالت ﷺ اسلام کا ایک متفقہ شرعی تقاضا اور پاکستانی پارلیمنٹ کا منظور شدہ قانون ہے، اس کے باوجود افسوس ناک امر یہ ہے کہ 32 سال سے اس قانون کے نفاذ کے باوجود آج تک کسی کو توہین رسالت کی سزا نہیں دی جا سکی جس کی ایک وجہ سیکولر عناصر کا یک طرفہ بدترین پروپیگنڈا اور شدید عالمی دباؤ ہے تو دوسری

طرف پاکستانی حکومتوں کی منافقت بھی ہے کہ اس قانون کے معاً بعد اس قانون میں ایسی ترامیم کر دی گئیں جس سے قانون نا قابل عمل ہوگیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سیکولر قوتوں کے شدید پروپیگنڈا کے نتیجے میں جو شخص بھی توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ اہانت اس کے لیے خصوصی اعزاز کا سبب بن جاتی ہے۔

یاد رہے کہ نیشنل کمیشن برائے عدل و امن کی رپورٹ کی رو سے پاکستان میں 1986ء تا 2009ء تک کل 986 کیس سامنے آئے ہیں جن میں 479 کا تعلق مسلمانوں سے اور صرف 199 کا تعلق عیسائیوں سے ہے۔ ان تمام مقدمات میں کسی ایک ملزم کو بھی سزائے موت نہیں دی گئی۔ اس سے ایک طرف حکومت کے منافقانہ کردار کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف سے اس اعتراض کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے کہ یہ قانون اقلیتوں کے خلاف بنایا گیا ہے۔ اگر عوام کی مرضی پر عمل کرنے کے اصول کا کچھ مقصد ہے، اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا متفقہ فیصلہ پاکستان کے عوام کے اجتماعی ضمیر کا اظہار ہے، تو یہ قانون ہماری قومی تاریخ میں سب سے زیادہ عوامی قانون تسلیم کیا جانا چاہیے۔ افسوس ہے کہ اس قانون کے مخالفین (قادیانی اور سیکولر حضرات) پارلیمنٹ کے اس متفقہ فیصلے کو تسلیم کرنے سے یکسر انکاری ہیں بلکہ وہ اس سلسلہ میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کی اکثریت کے مذہبی جذبات کو رائی برابر بھی وقعت نہیں دیتے بلکہ اس قانون پر تنقید کرتے ہوئے بعض دفعہ ایسی دل آزار اور اشتعال انگیز گفتگو کرتے ہیں کہ جس سے لاء اینڈ آرڈر کی صورتِ حال پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

قانون ناموس رسالت ﷺ کو صدر ضیاالحق سے منسوب کر کے یہ عاقبت نااندیش پاکستانی عوام میں پائی جانے والی مارشل لا کے خلاف نفرت کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ اسلامی شریعت اور اسلامی تاریخ سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ قانون ناموس رسالت ﷺ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں نافذ رہا ہے۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الشفا

بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ" میں ذکر کیا ہے کہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید نے حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ "شاتم رسول ﷺ" کی کیا سزا ہے؟ عراقی فقہا تو کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔" اس پر حضرت امام مالکؒ جلال میں آگئے اور فرمایا "اگر رسول خدا ﷺ کو گستاخی کا ہدف بنایا جائے گا تو امت باقی نہیں رہے گی۔ جو شخص انبیا کو دشنام دے، اس کی سزا قتل ہے۔" پروفیسر منور مرزا کے بقول "یہ فیصلہ یا فتویٰ تقریباً ہر اسلامی سلطنت میں نافذ رہا، چنانچہ یہ فیصلہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی نافذ کیا اور جلال الدین اکبر نے بھی"۔

جناب اسماعیل قریشی صاحب نے بالکل درست تحریر کیا ہے:

- "مسلمانوں کو خواہ وہ ایشیا ہو یا یورپ، افریقہ ہو یا کوئی اور خطہ ارض، جہاں بھی اقتدار حاصل رہا، وہاں کی عدالتوں نے اسلامی قانون کی رو سے شاتمان رسول ﷺ کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ اس کے برعکس جب کبھی یا جہاں کہیں ان کے پاس حکومت نہیں رہی، وہاں جانثارانِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ نے غیر مسلم حکومت کے رائج الوقت قانون کی پروا کیے بغیر گستاخان رسول ﷺ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود ہنستے مسکراتے تختہ دار پر چڑھ گئے۔"

وہ مزید کہتے ہیں:

- "برصغیر پاک و ہند میں برطانوی دور استعمار سے قبل حتیٰ کہ مغل شہنشاہ اکبر کے سیکولر دور میں بھی شاتم رسول ﷺ کو سزائے موت دی گئی لیکن جب اس ملک پر سازشوں کے ذریعے انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا تو انہوں نے توہین رسالت ﷺ کے قانون کو یکسر موقوف کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں قانون ناموس رسالت ﷺ کو قومی اسمبلی، سینٹ اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے نتیجے میں نافذ کیا گیا"۔

(ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت از محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ)

کہا جاتا ہے کہ سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کو

غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ حالانکہ قادیانیوں کو 7 ستمبر 1974ء کو (وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی موجودگی میں) ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس طرح قانون ناموس رسالت ﷺ صدر ضیاء الحق نے نہیں بلکہ ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر بنایا۔ سیکولر اور بے دین عناصر اس قانون کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک آمر ضیاء الحق کے دور میں بنا، ان سے پوچھنا چاہیے کہ پاکستان میں خلاف اسلام عائلی قوانین ہوں یا ویمن پروٹیکشن بل، یہ دونوں قوانین واضح طور پر جنرل ایوب خان اور پرویز مشرف کے لاگو کردہ ہیں، آپ اس کی مخالفت کیوں نہیں کرتے؟ سیکولر حلقوں اور بزعم خود، سول سوسائٹی میں ان کو بسر و چشم قبول کیا جاتا ہے جبکہ اسلامی قوانین کے خلاف فضائے عامہ ہموار کرنے کے لیے ان پر ''آمر کے قوانین'' کی پھبتی کسی جاتی ہے۔ مزید ان بزرجمہروں سے یہ بھی دریافت کرنا چاہیے کہ کیا صدر ضیاء الحق کے دور میں بنائے گئے دیگر تمام قوانین ختم ہو گئے ہیں یا اُن پر اب بھی من و عن عمل ہو رہا ہے؟ آپ انہیں ختم کرانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ آخر یہ تضاد بیانی اور منافقت کیوں اور کب تک ....؟

اعتراض نمبر 25

معترضین کا کہنا ہے کہ اگر قانون ناموس رسالت ﷺ ختم کر دیا جائے تو نہ صرف اقلیتوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہو جائے گا بلکہ اس سے کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا۔

جواب: معترضین کا یہ مطالبہ نہایت مضحکہ خیز ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا یہ قانون قرآن و سنت پر مبنی اور متفقہ علیہ ہے۔ اسے ختم کرنے کا مطالبہ مسلمانوں کی دل آزاری اور اسلامی بنیادی عقیدے پر حملہ کرنے کے مترادف

ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ انتہا پسند عناصر اس قانون کو ختم کرنے کے کیوں درپے اور بضد ہیں جبکہ یہ قانون اقلیتوں کا محافظ ہے۔

مجموعہ ضابطہ فوجداری (Criminal Procedure Code) کے تحت تقریباً تمام مقدمات کی تفتیش ایک عام پولیس آفیسر (اے ایس آئی) کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی ملزم کے خلاف قانون ناموس رسالت (295/C) کے تحت مقدمہ درج ہو تو مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 156-A کے تحت تفتیش کرنے والا آفیسر کسی صورت بھی ایس پی کے عہدے سے کم نہیں ہوگا۔ یاد رہے کہ ایس پی یا ڈی پی او پورے ضلع کا سربراہ اور عموماً سی ایس ایس آفیسر ہوتا ہے۔ وہ اس کیس کی پوری دیانت داری، غیر جانبداری اور دلجمعی کے ساتھ تفتیش کرے گا اور اگر وہ شواہد و واقعات کی بنا پر یہ محسوس کرے کہ ملزم کے خلاف مقدمہ غلط درج ہوا ہے تو وہ اسے اپنی تفتیش میں بے گناہ قرار دے کر مقدمہ خارج کر دے گا۔ علاوہ ازیں اگر ملزم، ایس پی کی تفتیش یا اس کے رویے سے مطمئن نہ ہو تو پولیس رولز کے مطابق اعلیٰ پولیس حکام کو درخواست دے کر تفتیش تبدیل کروا سکتا ہے۔ اس پر کوئی دوسرا ایس پی یا اس سے کوئی بڑا آفیسر ڈی آئی جی وغیرہ اس کیس کی تفتیش کرے گا۔ اس کے بعد مقدمہ/ چالان سیشن کورٹ میں آتا ہے جہاں استغاثہ کے تمام گواہ پیش ہوتے ہیں جن پر ہر طرح سے جرح ہوتی ہے۔ پھر گواہان صفائی پیش ہوتے ہیں، ملزم کا اپنا بیان ریکارڈ ہوتا ہے۔ دونوں جانب سے وکلا اپنے دلائل دیتے ہیں۔ پراسیکیوٹر بھی اپنی قانونی رائے سے عدالت کو مطلع کرتا ہے۔ آخر میں جج صاحب پورے ریکارڈ کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیتے اور فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ یہاں اگر ملزم بری ہو جائے تو ٹھیک ورنہ وہ اس فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کر سکتا ہے جہاں دو معزز جسٹس صاحبان اس سارے کیس کا مکمل جائزہ لیتے اور فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اگر یہاں بھی ملزم کے خلاف فیصلہ آ جاتا ہے تو وہ سپریم کورٹ میں اپیل کر سکتا ہے۔ سپریم کورٹ میں ایسے کیس کی سماعت تین جج صاحبان کرتے ہیں۔ اگر یہاں بھی فیصلہ ملزم کے خلاف ہو جائے تو وہ اس پر نظر ثانی اپیل دائر کر سکتا ہے۔ اگر

یہاں بھی فیصلہ خلاف آ جائے تو سزا کے خلاف صدرِ مملکت کے پاس رحم کی اپیل کی جا سکتی ہے۔ ملزم کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اتنے سارے مواقع میسر آنا نہایت خوش آئند بات ہے۔ اس طریق کار کی موجودگی میں قانون ناموس رسالت کی تنسیخ کا مطالبہ غیر قانونی اور غیر منصفانہ ہے۔ ملزم کے خلاف سزا کا فیصلہ عدالت نے کرنا ہے۔ اگر یہ قانون موجود نہ ہو تو لوگ مشتعل ہو کر ملزم کو موقع پر ہی قتل کر دیں گے جیسا کہ لاہور ہائی کورٹ نے اپنے ایک تاریخی فیصلہ میں لکھا:

''مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی کے احکامات نے یہ بات ممکن بنا دی ہے کہ ملزموں کا عدالتی طریقہ کار سے مواخذہ کیا جا سکے اور معاشرہ میں یہ رجحان پیدا کر دیا ہے کہ قانونی کارروائی کا سہارا لیا جائے۔ تعزیرات پاکستان کی محولہ بالا دفعہ کے تحت مقدمے کے اندراج سے ملزم کو ایک عرصہ حیات میسر آ جاتا ہے۔ اس امر کے پورے مواقع کے ساتھ کہ وہ اپنی پسند کے وکیل کے ذریعے عدالت میں اپنا دفاع کرے اور سزایابی کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں اپیل، نگرانی وغیرہ جیسی داد رسی کا فائدہ اٹھائے۔ کوئی بھی شخص، کجا ایک مسلمان، ممکنہ طور پر اس قانون کی مخالفت نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ من مانی کا سدباب کرتا ہے اور قانون کی حکمرانی کو فروغ دیتا ہے۔ اگر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی کے احکام کی تنسیخ کر دی جائے یا انہیں دستور سے متصادم قرار دے دیا جائے تو معاشرہ میں ملزموں کو جائے واردات پر ہی ختم کرنے کا پرانا دستور بحال ہو جائے گا۔'' (پی ایل ڈی 1994ء لاہور 485)

اس قانون سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ یہ قانون تو ملزم کو عوام کے غیظ و غضب سے نکال کر تحفظ فراہم کرتا ہے اور ملزم کو صفائی کا موقع ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1200 سے زائد مقدمات میں اعلیٰ عدالتوں کی طرف سے اب تک کسی کو بھی سزائے موت نہیں ہوئی ہے۔ اگر ان ملزمان کو عوام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا تو شاید ایک بھی زندہ نہ بچ سکتا۔ یہ اس قانون کے جواز اور ضرورت کا اہم پہلو ہے۔ قانون ناموس رسالت ختم ہونے سے ایک نئے فتنے کا دروازہ کھل جائے گا اور

لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر خود کارروائی کریں گے جو قابل افسوس ہوگا اور جسے روکنا ناممکن ہو جائے گا۔

قانون ناموس رسالت کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنے والوں سے ایک سوال یہ ہے کہ اس قانون کی موجودگی میں آخر انہیں کس بات کا ڈر یا خوف ہے؟ ہمارے خیال میں ڈر یا خوف اسے ہوتا ہے جس کے دل میں چور ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص شراب نہیں پیتا، اسے شرابی کی سخت سے سخت سزا پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ ایک شخص زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، اسے زنا کے مرتکب ملزم کو دی جانے والی سخت ترین سزا سے کیا اندیشہ؟ ایک شخص ڈکیتی کی واردات کا سوچ بھی نہیں سکتا، اسے ڈکیتی کے ملزم کو دی جانے والی سزا پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ اس طرح اگر کسی نے توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب نہیں کرنا یا وہ اس کا سوچ بھی نہیں سکتا تو اسے اس قانون پر کیا اعتراض اور خدشہ ہے؟ ڈر اور خوف کا شکار صرف وہی لوگ ہیں جن کے دل میں چور ہے اور جو توہین رسالت کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کی مقدس ترین ہستی کی شان میں توہین و تنقیص کا لائسنس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک مغربی ایجنڈا ہے جس کی تکمیل کے لیے ایک انتہا پسند گروہ سرگرم عمل ہے۔ اگر اقلیتوں کا یہ ناجائز مطالبہ مان لیا گیا تو کل کلاں ان کے مطالبات کی فہرست مزید بڑھ جائے گی۔ وہ تو یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ آئین پاکستان سے قرارداد مقاصد کو ختم کیا جائے۔ تمام اسلامی قوانین کو منسوخ کیا جائے۔ شراب اور زنا پر عائد پابندی ختم کی جائے۔ پاکستان کے ساتھ لفظ اسلامی جمہوریہ ختم کیا جائے، قرآن مجید پر نعوذباللہ نظر ثانی کی جائے...... آخر آپ چند مٹھی بھر سیکولر حضرات کے کس کس مطالبہ کو پورا کریں گے؟ پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر بنائے گئے کتنے قوانین ختم کریں گے؟ کیا اکثریت کے کوئی حقوق نہیں؟ کیا اکثریت کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں؟

اگر یہ قانون موجود نہ ہو تو پھر مجرموں (گستاخوں) اور ان کے حمایتوں پر عدالت کے دروازے بند ہو جائیں گے جس کی وجہ سے ہر شخص قانون اپنے ہاتھ میں

لے کر مجرموں سے انتقام لے گا جس سے ملک میں انارکی پھیلے گی۔ قانون ختم ہونے پر ملک گیر احتجاج کا ایک نہ تھمنے والا طوفان اٹھے گا، ہر گلی سے مسلمان نکلیں گے اور گستاخوں کو خود کیفر کردار تک پہنچائیں گے اور یہ ملکی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہوگا۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا اس قانون کے تحت 1986ء سے لے کر اب تک بارہ سو سے زائد مقدمات درج ہوئے ہیں مگر آج تک ان میں سے کسی ایک کو بھی سزائے موت نہیں دی گئی۔ نتیجتاً 40 سے زائد ملزمان مشتعل مظاہرین کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قانون ناموس رسالت پر قانون کی روح کے مطابق مؤثر انداز میں عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ یہ بھی ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ماتحت عدالتیں تمام قانونی شواہد و واقعات کی موجودگی میں پورے طور پر مطمئن ہو کر ملزمان کو سزا سناتی ہیں جس کے بعد مغربی دنیا اس پر احتجاج کرتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیتی ہے اور ملزم کی رہائی کے لیے سفارتی سطح پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا جاتا ہے جس سے مجبور ہو کر حکومت ملزم کو عدالت سے بری کروانے کے لیے ہر ممکن ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے اور بالآخر ملزم ''باعزت'' طور پر رہائی حاصل کر کے پورے پروٹوکول کے ساتھ بیرون ملک روانہ ہو جاتا ہے۔ جب کسی کو یہ معلوم ہو کہ مسلمانوں کی مقدس ترین ہستی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرنے پر نہ صرف اُسے کوئی سزا نہیں ملے گی بلکہ اپنی مرضی کے مغربی ملک میں فیملی سمیت ویزا، نیشنلٹی اور لاکھوں ڈالر ملیں گے تو اس کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوگی بلکہ وہ یقیناً ایسے قبیح فعل کا ارتکاب ضرور کرے گا۔

یہ بات بھی بڑی فکر انگیز ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صدر پاکستان اور گورنرز وغیرہ کو خاص استثنا حاصل ہے کہ وہ کچھ بھی کریں (خواہ بڑے سے بڑا فوجداری جرم ہی کیوں نہ ہو) یا کچھ بھی کہیں، انہیں ملک کی کسی عدالت میں نہیں بلایا جا سکتا۔ مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عدلیہ اور حساس اداروں پر تنقید قابل جرم ہے قانون میں جس کی سخت سزا مقرر ہے۔ اس طرح تعزیرات پاکستان کی دفعہ 123 بی کے تحت پاکستانی پرچم کی توہین قابل جرم ہے۔ معترضین نے ان سزاؤں پر کبھی اعتراض

نہیں کیا۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس صدر، گورنر، عدلیہ، حساس اداروں یا پاکستانی جھنڈے سے بھی کم ہے۔ تانگے میں جتے گھوڑے کی طرح آنکھوں پر کھوپے چڑھا کر صرف ایک ہی رُخ پر دیکھنا قرین انصاف نہیں۔ اگر یہ قانون ختم ہو گیا تو ملک بھر میں امن و امان کا ایسا مسئلہ پیدا ہو جائے گا جس کی تلافی شاید ناممکن ہو۔

اعتراض نمبر 26

قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اگر سپریم کورٹ کسی گستاخ رسول کو موت کی سزا دے بھی دے، تو صدر مملکت کو اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے یہ سزا از خود کالعدم قرار دے دینی چاہیے۔

جواب: قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کو یاد رکھنا چاہیے کہ توہین رسالت کے مجرم کی سزا معاف کرنا خلاف اسلام ہے۔ اگرچہ صدر مملکت کو مجرموں کی سزائیں معاف کرنے کا اختیار ہے لیکن توہین رسالت کے مجرم کو معافی دینے کا اختیار صدر مملکت کو نہیں ہے کیونکہ شرعی سزائیں کوئی ملکی قانون یا صاحب اختیار ختم نہیں کر سکتا۔ ایسا عمل کرنے والا حدود اللہ میں دخل اندازی کا مرتکب ہو گا۔ اس سلسلہ میں جناب پیر سیّد محمد امین الحسنات شاہ صاحب اپنی گرانقدر کتاب ''تحفظ ناموس رسالت ﷺ'' میں لکھتے ہیں:

''آئین پاکستان 1973ء کے آرٹیکل 45 کے تحت صدر پاکستان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، ٹربیونل یا اتھارٹی کی دی ہوئی سزا کو معاف کرے، کم کرے، کچھ عرصہ کے لیے روکے یا اسے کسی ہلکی سزا میں تبدیل کر دے۔ اس آرٹیکل کے الفاظ یہ ہیں:

"The President shall have power to grant pardon, reprieve and respite, and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority."

اب یہاں یہ اہم سوال جنم لیتا ہے کہ کیا اسلامی احکام کی رو سے سربراہ ریاست کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے مجرم کو پروانۂ معافی دلائے جس نے توہین رسالت کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہو اور عدالت کی جانب سے جس کی سزائے موت کا حکم نامہ بھی صادر ہو چکا ہو۔

یہاں اس بات سے آگاہ ہونا انتہائی ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے جرائم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جو جرائم سنگین نوعیت کے تھے اور جن کی سزا قرآن وسنت یا اجماع سے متعین تھی، انہیں حدود میں شمار کیا گیا اور جن جرائم کی سنگینی کی نوعیت حدود کی مانند نہیں تھی اور جن کی سزا نصوص میں متعین نہیں تھی، ایسے تمام جرائم کو تعزیرات کی فہرست میں رکھا گیا۔ حدود اور تعزیرات کی اس فقہی تقسیم میں جہاں اور بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں، وہیں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مخلوق خدا پر آسانی ہو سکے، کیونکہ اگر تمام جرائم کو حدود میں ہی شمار کیا جاتا تو کسی بھی جرم کے سلسلے میں بندوں کو معافی کا اختیار نہیں رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ فقہاء عظام نے جرائم کو حدود و تعزیرات میں تقسیم کیا۔ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حدود کا تعلق اللہ رب العالمین سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق معاف کرنے کا اختیار بندوں میں سے کسی کو بھی نہیں جبکہ تعزیرات کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بندے اپنا حق چھوڑ سکتے ہیں، معاف کر سکتے ہیں یا تخفیف کر سکتے ہیں جبکہ حدود کو نہ تو کوئی معاف کر سکتا ہے، نہ کسی نرم سزا میں تبدیل کر سکتا ہے، نہ اس میں صلح ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس میں سفارش جائز ہے۔ یہی سنت نبویہ ﷺ اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ سے ثابت ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ایک حدیث پاک میں ہے کہ جب قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس کے قبیلے نے حضرت اسامہؓ کو سفارشی بنایا۔ جب حضرت اسامہؓ سفارش کی غرض سے حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا تو حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد

کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور اُن جامع الفاظ کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سلاطین عالم کے لیے ایک عظیم پیغام موجود ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

❑ ''تم سے پہلی امتیں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (سنن ابی داوٗد)

اس روایت میں ملاحظہ فرمائیں کہ حدود اللہ میں شارع اور قاضی کی حیثیت سے سرکارِ کائنات ﷺ نے کسی کی سفارش کو قبول نہیں فرمایا۔

پھر چونکہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کے مرتکب کو حداً قتل کیا جائے گا، لہٰذا حدود میں معافی عدالت میں معاملہ پہنچنے سے پہلے تو ممکن ہے لیکن بعد میں معافی کی صورت میں سزا معاف کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔

ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

❑ ''تم آپس میں حدود کو معاف کر دیا کرو لیکن جو حد مجھ تک پہنچ گئی تو بیشک وہ واجب ہوگئی''۔ (سنن ابی داوٗد)

یعنی اگر تم کسی کو جرم کرتے ہوئے دیکھو تو اسے چھپاؤ لیکن جب جرم کی اطلاع حکمران تک پہنچ گئی تو پھر اس جرم کی معافی نہیں ہوسکتی بلکہ اس صورت میں حد واجب ہو جائے گی۔

سنن ابوداوٗد، مصنف عبدالرزاق اور دیگر کتب احادیث میں ایک اور روایت مذکور ہے:

حضرت صفوان بن امیہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا۔ اس وقت میرے اوپر ایک قیمتی چادر تھی، جس کی قیمت تیس درہم تھی۔ ایسے میں

ایک آدمی آیا اور وہ چادر اچک کر لے گیا۔ اس آدمی (چور) کو پکڑ کر حضور سرور کائنات ﷺ کی بارگاہِ عالم پناہ میں لایا گیا، تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ حضرت صفوان کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا، اور عرض گزار ہوا، حضور! کیا آپ اس کا ہاتھ تیس درہم کی وجہ سے کاٹ رہے ہیں؟ میں یہ چادر فروخت کرتا ہوں اور قیمت بعد میں وصول کرلوں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: پھر یہ کام میرے پاس لانے سے پہلے ہی کرلیا ہوتا۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حدود سے متعلق جرائم اگر عدالت وحکمران کے سامنے آگئے تو جرم ثابت ہو جانے پر مجرم پر حد جاری ہوگی اور اسے معاف کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ نہ اس میں صلح کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اسے کسی ہلکی یا نرم سزا میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

سرورِ کائنات ﷺ اسلامی معاشرہ میں سپریم جج تھے، سب سے بڑی اپیل کورٹ تھے، قاضی القضاۃ تھے لیکن اس سب کے باوجود آپ نے نہ حدود میں کسی کی سفارش مانی، نہ مجرم کو معاف کیا اور نہ ہی سزائے جرم میں کمی کی۔ مجرم اگر توبہ کرتا ہے تو اس کی یہ توبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگی، البتہ دنیا میں اس پر حد جاری ہوگی، جیسے حضرت ماعز بن مالک اسلمیؓ پر حد جاری کی گئی اور ان کی توبہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے یہ گواہی پیش فرمائی:

- **لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعتهم** (صحیح مسلم)

ماعز (رضی اللہ عنہ) نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ ایک امت کے لوگوں میں بانٹ دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔

مذکورہ بالا دلائل و آثار سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ حدود میں فیصلہ ہو جانے کے بعد تخفیف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ خود شارع علیہ السلام نے بھی فیصلہ ہو جانے کے بعد اس قسم کی تخفیف کی مخالفت فرمائی ہے۔ مزید اس ضمن میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''توہین رسالت کے مجرم کو قتل کرنا لازمی ہے اور یہ جائز نہیں کہ اس پر احسان کر کے یا فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے''۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول از امام ابن تیمیہؒ)

لہٰذا اسلام کی قانونی نصوص کی روشنی میں مندرجہ بالا بحث سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر توہین رسالت کے مجرم پر جرم ثابت ہو جائے اور عدالت اسے سزائے موت سنا دے تو کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ اس سزا میں تخفیف کر سکے یا کسی اور سزا میں تبدیل کر سکے چہ جائیکہ معاف کر سکے۔

اس موقف کے علاوہ اس ضمن میں ایک اور موقف بھی ہے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن قیمؒ رقم طراز ہیں:

- ''یہ رسول اللہ ﷺ کا حق تھا کہ آپ اپنے گستاخ سے بدلہ لیتے یا اسے چھوڑ دیتے۔ امت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا حق پورا نہ کریں اور اسے چھوڑ دیں''۔

(زاد المعاد فی ھدی خیر العباد از حافظ ابن قیمؒ)

مزید یہ کہ اسلام کے ابتدائی دور میں شانِ رسالت مآب ﷺ میں تنقیص کے پہلو تلاش کرنے والوں کو قتل نہ کرنے میں ایک عظیم مصلحت بھی کارفرما تھی تا کہ ان کے دل اسلام اور بانیٔ اسلام کی طرف راغب ہوں اور انہیں قتل نہ کرنا اور معاف کر دینا ایسا امر ہے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی ظاہری حیات کے ساتھ مخصوص ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسا قبیح فعل کرنے والوں کو معافی کا پروانہ دلائے۔

اعتراض نمبر 27

قانون توہین رسالت ﷺ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ قانون صرف پاکستان میں ہے اور اس کا مقصد ایک خاص طبقہ کو نشانہ بنانا ہے،

یورپ میں توہین رسالت (Blasphemy) کی کوئی سزا نہیں ہے، لہٰذا اس قانون کو ختم ہونا چاہیے۔

جواب: قانون ناموس رسالت ﷺ کے مخالفین کا یہ اعتراض مکمل طور پر بے بنیاد اور غلط ہے۔اس قانون کی مختصر تاریخ اور مختلف ممالک میں اس سے متعلقہ قوانین کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

اسلامی ملک افغانستان میں توہین رسالت ﷺ قابل سزا جرم ہے اور اس کی سزا شرعی قوانین کے تحت دی جاتی ہے۔توہین رسالت ﷺ کے مرتکب کو جرمانوں سے لے کر پھانسی کے ذریعہ سزائے موت تک دی جاسکتی ہے۔

آسٹریلیا کی مختلف ریاستوں،علاقوں، دولت مشترکہ آف آسٹریلیا میں گستاخی کی سزا دینے کا معاملہ یکساں نہیں ہے۔ کچھ حصوں میں گستاخی کرنا جرم ہے جبکہ دیگر میں ایسا نہیں ہے۔اس سلسلہ میں آخری بار 1919 میں مقدمہ چلایا گیا۔

آسٹریا میں پینل کوڈ کی دو شقیں توہین رسالت سے متعلق ہیں:

-1 188: مذہبی تعلیمات کی تذلیل کرنا۔

یہ شق قرار دیتی ہے: "اگر کسی مرد وزن نے اپنی بات یا رویے سے کسی ایسے شخص یا چیز کی توہین کی جو چرچ (عیسائیت) یا دیگر مذہبی گروہوں کے نزدیک مقدس حیثیت رکھتی ہے اور اس سے لوگوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں، تو جرم ثابت ہونے پر مجرم کو چھ ماہ قید کی سزا سنائی جائے گی یا پھر 360 دن تک کے لیے اُسے جرمانہ کیا جائے گا"۔

-2 189: مذہبی عبادات/معاملات میں خلل پیدا کرنا۔

بنگلہ دیش کے پینل کوڈ اور دیگر مختلف قوانین کے ذریعہ سے توہین رسالت کرنے اور مذہبی جذبات مجروح کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

پینل کوڈ کی شق 208 کے تحت برازیل میں مذہبی شخصیات، اعمال اور عبادات کی کھلے عام توہین کرنا قابل سزا جرم ہے۔اس کی سزا ایک ماہ سے لے کر ایک

سال تک قید یا جرمانہ ہوسکتی ہے۔

کریمینل کوڈ آف کینیڈا کے مطابق بھی گستاخی یا توہین ایک جرم ہے۔مگر Charter of Rights and Freedoms کو اس پر فوقیت حاصل ہے۔آخری بار اس سلسلہ میں **1935** میں کارروائی کی گئی......پینل کوڈ کا پیراگراف نمبر **140** توہین کے بارے میں ہے۔ یہ پیراگراف **1938**ء سے استعمال نہیں کیا گیا۔جب ایک نازی گروپ کو یہود مخالف پروپیگنڈا پر سزادی گئی تھی۔اس کوڈ کا پیراگراف **266-B** نفرت انگیز تقریر کے بارے میں ہے۔اس پیراگراف کو ایک تسلسل کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ **2004**ء میں گستاخی سے متعلقہ کلاز کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اکثریتی رائے سے اسے مسترد کر دیا گیا۔

مصر کی اکثریت سنی ہے۔ یہاں پر بھی توہین رسالت اور مذہبی اقدار کی توہین کے متعلق قانون موجود ہے۔

بھارت کے اکثریتی مذہب ہندومت میں توہین رسالت کی سزا کا کوئی تصور نہیں مگر ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے یہ قوانین متعارف کروائے۔ **1860** میں برطانوی استعمار نے یہ قوانین ختم کر دیے تاکہ مسیحی مشنریوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل سکے۔ان دنوں بھارتی پینل کوڈ کے سیکشن **295-A** کے تحت نفرت آمیز تقاریر، کسی مذہب یا کسی شخص کے مذہبی اعتقاد کی توہین کی کوشش پر سزادی جاتی ہے۔

کریمنل کوڈ کے آرٹیکل **156-A** کے تحت دانستہ طور پر سرعام کسی مذہب کے خلاف جارحانہ، نفرت آمیز اور توہین پر مبنی جذبات کے اظہار یا مذہب کی توہین قابل سزا جرم ہے۔اور اس کی سزا زیادہ سے زیادہ پانچ سال قید ہے۔

ایران ایک اسلامی ملک ہے۔توہین رسالت کے خلاف قوانین، شریعت سے اخذ کرتا ہے۔ توہین رسالت کے خلاف قانون، اسلامی حکومت پر تنقید کے خلاف قانون، اسلام کی توہین کے خلاف قانون، اور خلاف اسلام مواد کی اشاعت کے خلاف سخت قوانین موجود ہیں۔

آئر لینڈ کے آئین کی شق 40.6.1.I کے تحت توہین رسالت آئینی طور پر جرم ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ سزا 25000 پونڈ جرمانہ ہے۔یہ قانون جولائی 2009 کو منظور ہوا اور یکم جنوری 2010 کو نافذ کیا گیا۔

اسرائیل میں پینل کوڈ کی شق 170 اور 173 توہین رسالت سے متعلقہ ہیں۔

کونسل آف یورپ کی پارلیمانی اسمبلی نے 29 جون 2007ء کو Strasboug میں توہین رسالت، مذاہب کی توہین، مذہب کی بنا پر کسی فرد یا گروہ کے خلاف نفرت انگیز گفتگو کے خلاف (Recommendation 1805 (2007 پاس کی ہیں۔

مذہبی توہین انڈورہ، سائپرس، کروشیا، ڈنمارک، سپین، فن لینڈ، جرمنی، گریس، آئس لینڈ، اٹلی، لتھوینیا، ناروے، ہالینڈ، پولینڈ، پرتگال، روس، سلواکیہ، سویٹزرلینڈ، ترکی اور یوکرائن میں جرم ہے۔

کریمنل کوڈ Chapter17 کی شق 10 توہین رسالت سے متعلق ہے۔ 1914ء، 1917ء، 1965ء، 1970ء اور 1998ء میں اس کے خاتمہ کی کوششیں ناکام رہیں۔

جرمنی کے کریمنل لاء Stafgesetzbuch کی شق 166 توہین رسالت سے متعلق ہے۔اس کے تحت اگر کسی کے عمل سے امن وامان کی صورتحال خراب ہوتی ہو تو قانون حرکت میں آ سکتا ہے۔ 2006ء میں .Manfred van H (المعروف MAHAVO) کے خلاف اس قانون کے تحت کارروائی کی گئی۔

پینل کوڈ کی شق 201،199،198 توہین کو جرم قرار دیتی ہے۔شق 198 کے مطابق......

-1 اگر کوئی دانستہ طور پر سرعام کسی بھی طرح سے خدا کی توہین کرے تو اسے توہین پر سزا دی جائے گی جو دو برس سے زائد نہیں ہوگی۔

-2 اگر کوئی سرعام خدا کے احترام میں کمی کا مرتکب ہو تو اسے 3 ماہ سے زائد قید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

آرٹیکل 199، "Blasphemy Concerning Religions" کے مطابق اگر کوئی سر عام دانستہ طور کسی بھی طرح Greek Orthodox Church یا کسی بھی پر امن مذہب کی توہین کرے گا تو اسے سزا دی جائے گی جو دو سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

اردن میں اسلام کی توہین، اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی توہین اور توہین رسالت جرم ہے جس کی سزا 3 سال تک قید اور جرمانہ ہے۔

کویت ایک اسلامی ملک ہے۔ یہاں پر اسلام اور اسلامی شخصیات کی شان میں گستاخی کی روک تھام کے لیے آئین سازی کی گئی ہے۔۔

اس اسلامی ملک میں بھی مذہبی تعلیمات اور شخصیات کی گستاخی ایک جرم ہے۔ اس کی روک تھام تعلیم کے ذریعے اور نشر و اشاعت کی پابندیوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ ملک کے کئی حصوں میں اس جرم کی سزا شرعی عدالتوں کے ذریعہ دی جاتی ہے جبکہ کچھ حصوں میں ملائشیا کے پینل کوڈ کے مطابق بھی سزائیں دی جاتی ہیں۔

مالٹا میں توہین رسالت کے خلاف قوانین کے بجائے مذہب کی توہین اور غیر اخلاقیت کے خلاف قوانین ہیں۔ مالٹا کے پینل کوڈ کا آرٹیکل 163. 1933ء میں بنا تھا جو رومن کیتھولک مذہب کی توہین کی روک تھام کرتا ہے۔ یہاں پر رومن کیتھولک مذہب کی توہین کی سزا ایک ماہ سے لے کر چھ ماہ تک ہوسکتی ہے۔ آرٹیکل 164 کے مطابق ''کسی بھی مذہب کی توہین پر 3 ماہ تک قید کی سزا ہوسکتی ہے۔ آرٹیکل 338(b) نشے کی حالت میں توہین کو بھی سزا کا مستحق قرار دیتا ہے، اس کے مطابق سر عام کوئی بھی بدتمیزی غیر اخلاقی لفظ، یا بدتمیزی پر مبنی اشارہ یا عمل یا کوئی بھی ایسا طریقہ جس کا ذکر نہیں آسکا، جرم قرار پائے گا۔ آرٹیکل 342 کے مطابق توہین کی سزا 11.65 یورو جرمانہ سے کم اور تین ماہ قید کی سزا سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ 2008ء میں 621 افراد کے خلاف توہین رسالت پر فوجداری مقدمات قائم ہوئے۔

ہالینڈ میں انبیائے کرام کی توہین کا قانون موجود ہے۔ ہالینڈ کے آئین کے آرٹیکل 147 کے تحت کے مرتکب افراد کو تین ماہ قید یا 3800 یورو جرمانہ کی سزا دی

جاسکتی ہے۔

نیوزی لینڈ کے کرائم ایکٹ 1961ء کے مطابق سیکشن 123 کے تحت توہین رسالت کے مرتکب افراد کو ایک سال قید تک سزا دی جاسکتی ہے۔ نیوزی لینڈ میں 1922ء میں اس قانون کے تحت جان لگو درنامی شخص کو جو ماؤز لینڈ اخبار کا پبلشر تھا، کو سزا دی جا چکی ہے۔

نائیجیریا کے کریمنل کوڈ کے آرٹیکل 204 کے تحت توہین انبیا کے مرتکب افراد کو سزا دی جاتی ہے، جبکہ بعض ریاستوں میں شریعت کے مطابق مقدمات چلائے جاتے ہیں۔قانون کے موثر استعمال کا اختیار بھی متعلقہ عدالت کی ذمہ داری ہے۔

سعودی عرب میں اسلامی قانون نافذ ہے۔ یہاں توہین رسالت ﷺ کے مرتکب افراد کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔سزا کا فیصلہ ملکی مفتیان کی کونسل کرتی ہے۔

سوڈان میں اسلام ریاستی مذہب ہے۔ یہاں کی 70 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔سوڈان کے کریمنل ایکٹ کے سیکشن 125 کے تحت مذہب کی توہین یہاں تک کہ کسی کی دل آزاری اور عقائد کے خلاف بات کرنا قابل دست اندازی جرم ہے۔ توہین کے مرتکب افراد کو قید اور جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ چالیس کوڑوں کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

نومبر 2007ء میں سوڈان میں توہین رسالت کا قانون ٹیڈی بیئر بلاسفمی کیس کے تحت قانون حرکت میں آیا۔دسمبر 2007ء میں یہ سیکشن مصر کے دو کتب فروشوں کے خلاف حرکت میں آیا اور ان کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف مواد پر مبنی کتب فروخت کرنے پر 6 ماہ قید کی سزا دی گئی۔

متحدہ عرب امارات میں توہین رسالتؐ کی حوصلہ شکنی کے لیے نشرواشاعت کی مانیٹرنگ کی جاتی ہے۔مسلمانوں کے لیے شرعی سزا اور غیر مسلموں کے لیے عدلیہ کے اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں۔

برطانیہ میں توہین رسالت خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی توہین کے

خلاف قانون موجود ہے۔ یہ قانون آخری بار 2007 میں اس وقت حرکت میں آیا، جب ایک بنیاد پرست عیسائی گروپ کرسچن وائس نے نجی طور پر BBC کے خلاف مقدمہ درج کروایا۔ یہ مقدمہ بی بی سی پر ایک پروگرام نشر کرنے پر چلایا گیا جس میں عیسائی عقیدہ کے خلاف مواد شامل تھا۔ بی بی سی کے خلا ف مقدمہ ویسٹ سنٹر کے مجسٹریٹ نے خارج کردیا۔ کرسچئن وائس نے مجسٹریٹ کے فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل بھی کی۔ ہائی کورٹ نے بھی اپیل خارج کردی۔ ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ توہین رسالت قانون کا اطلاق تھیٹر ایکٹ 1968 کے تحت نہیں ہوتا۔ توہین رسالت کے قانون کے تحت آخری سزا وائٹ ہاؤس بنام لیمن 1977 میں ہوئی ۔ڈینس لیمن ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا۔اس کے اخبار نے ایک متنازعہ نظم شائع کی تھی۔اس نظم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔اس جرم میں لیمن کو 500 پونڈ جرمانہ 9 ماہ کی معطل سزا دی گئی۔

اسی طرح 9 دسمبر 1921ء کو برطانیہ میں جان ولیم گوٹ توہین کا مرتکب پایا گیا اور اس کو نو ماہ کی سزا دی گئی۔اس نے عیسائی عقائد کے خلاف 2 پمفلٹ شائع کیے تھے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں توہین کی گئی تھی۔ یہ اس سے قبل بھی 3 بار اسی جرم میں ماخوذ پایا گیا۔سکاٹ لینڈ میں توہین رسالت کے قانون کے تحت 1697ء میں سکاٹ لینڈ ہی کے ایک شخص تھامس ایکن ہیڈ کو پھانسی کی سزا دی جا چکی ہے۔

5 مارچ 2008ء کو Criminal Justice and Immigration Act 2008 میں ترمیم کی گئی اور انگلینڈ اور ویلز کامن لا میں توہین رسالت کو ختم کر دیا گیا۔ 8 مئی 2008ء کو اس پر شاہی دستخط کے بعد یہ ترمیم قانون کی شکل اختیار کرگئی۔

باقی تمام ممالک کی طرح یمن میں بھی توہین رسالت کا قانون موجود ہے۔ اس قانون کے تحت توہین رسالت کے مرتکب افراد کو یمن میں نہ تو ہلاک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کو ملک بدر کیا جاتا ہے ۔جس شخص پر توہین رسالت کا الزام ہو اس کا فیصلہ شریعت کے تحت کیا جاتا ہے اور جرم ثابت ہونے پر مجرم کو موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔

امریکہ میں پہلے تو توہین رسالت کی سزا موت تھی مگر اب یہ سزا ناپید ہوچکی ہے۔ ماسا چوسٹ، مشی گن، اوکلوہاما، ساؤتھ کیرولینا، ویومنگ، اور پینسویلینا میں توہین رسالت کی سزا کا حوالہ ملتا ہے۔ کچھ ریاستوں میں ابتدائی دور کا قانون بھی کتابوں میں موجود ہے۔مثال کے طور پر ماسا چوسٹ کے جنرل لاء کے 272 کی صورت میں آج بھی توہین رسالت کا قانون موجود ہے۔سیکشن 36 کے تحت خدا کی ذات پر بہتان یا الزام لگانا اور گالی گلوچ کرنا، حضرت عیسیٰ ؑ پر الزام تراشی، ان کی کتاب کو بُرا بھلا کہنا قانونی جرم ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ سزا ایک سال ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ جرمانہ 300 ڈالر ہے۔ میری لینڈ ریاست میں 1930ء کے ترمیمی ایکٹ کے تحت ایسے کئی قانون کے اجرا کی ممانعت ہے جو 1879ء کی کوڈیفیکشن میں جس کے مطابق توہین رسالت سے باز رکھا گیا ہے۔ ایکٹ 72 سیکشن 189 کے مطابق کوئی شخص تحریری یا زبانی ایسے الفاظ کا استعمال نہیں کرسکتا جس میں خدا یا حضرت عیسیٰ کی توہین کا عنصر نمایاں ہو۔توہین رسالت کے مرتکب شخص کو زیادہ سے زیادہ100 ڈالر جرمانہ اور ایک سال قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔عدالت کوئی ایک یا دوسزائیں دینے کی مجاز ہوگی۔

جن مسلمان ممالک میں توہین رسالت ﷺ پر سزائے موت مقرر ہے، ان کی تعداد نو ہے جن میں پاکستان، افغانستان، ایران، بحرین، سعودی عرب، فلسطین، مورتانیہ، عمان اور یمن شامل ہیں۔جن مسلمان ممالک میں توہین رسالت ﷺ پر قید کی سزا ہے، ان کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں الجیریا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، تیونس، عراق، کویت، مالدیپ، متحدہ عرب امارات، مراکش، مصر ملائیشیا اور لیبیا شامل ہیں۔

اعتراض نمبر28

بعض سیکولر اور مغرب زدہ عناصر کا کہنا ہے کہ یورپی ممالک بالخصوص فرانس کی طرف سے توہین رسالت ﷺ کے ارتکاب کے جواب

میں ہمیں اُن کی مصنوعات کا بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے ہمارا ہی نقصان ہے، اُن کا نہیں۔

جواب: اگر کوئی طاقتور ملک آزادی اظہار رائے کے نام پر مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی توہین کرتا ہے (اور ہم عام مسلمان اس کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے) تو ایسے ممالک کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کرنا نہ صرف شرعی طور پر جائز ہے بلکہ لازم ہے۔ ایسے ممالک کو توہین رسالت ﷺ کے ارتکاب سے روکنے کے لیے ان کا معاشی بائیکاٹ کرنا جنگ ہی کا ایک حصہ ہے اور ایک مسلمان کی دینی غیرت وحمیت کا تقاضا بھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے ممالک کا معاشی بائیکاٹ کرنے کے بعد ہمارے پاس کیا بچے گا، تو اس کا جواب ہے کہ ہمارے پاس ہمارا ایمان بچ جائے گا۔

اسلامی تاریخ میں متعدد ایسے واقعات موجود ہیں کہ اسلامی دنیا نے گستاخ ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔ ہر دور میں دشمن کے خطرناک سیاسی وعسکری منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے اس حربے کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا۔ 1951ء میں عرب ممالک نے اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔ 1973ء میں مصر، اسرائیل جنگ کے دوران سعودی عرب نے مغرب اور امریکہ کو تیل کی سپلائی بند کر دی۔ 2010ء میں ڈنمارک کے جرائد میں حضور نبی کریم ﷺ کے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے بعد مسلمانوں نے عالمی سطح پر ڈنمارک اور مغربی ممالک کا بائیکاٹ کیا جس سے ان تمام ممالک کو شدید اقتصادی نقصان پہنچا۔

امت مسلمہ میں اس سنت حسنہ کا اجراء شاید صحابی رسول حضرت ثمامہ ابن اثالؓ کے حصے میں آتا ہو۔ یہ بنی حنیفہ کے سردار تھے۔ ایک زرخیز خطہ ہونے کے ناتے ان کا علاقہ یمامہ ہی قریش مکہ کے لیے غلہ کی فراہمی کا مصدر تھا۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں اسلام لائے اور عمرہ کے لیے مکہ گئے تو قریش نے انہیں طعنہ دیا: کیا بے دین ہو گئے ہو؟ جواب دیا: نہیں، بے دین نہیں ہوا بلکہ حضرت محمد ﷺ کا ساتھی بن کر مسلمان ہوا ہوں۔ بخدا اب جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں، تب تک تمہیں

یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا۔ (یہ واقعہ صحیحین میں مذکور ہے) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سگے بھائی کو حاصل کرنے کے لیے اپنے ان سوتیلے بھائیوں کو جو ان پر ظلم کر چکے تھے، یہ کہا تھا کہ اگر وہ ان کے بھائی کو اگلی بار ساتھ نہ لائے تو ہرگز کوئی اناج ان کو نہ دیا جائے گا تا آنکہ وہ اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لے کر آنے پر مجبور ہوئے۔ (یوسف: 59،60) سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کمال انداز میں سراہا ہے اور ان کے ایک ایک اقدام پر ان کے لیے 'عملِ صالح' لکھے جانے کی نوید دی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے ساتھ برسر جنگ کفار کو زک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے: (التوبہ:120) ''اس لیے کہ ان کو جو بھی پیاس یا تکلیف یا فقر و فاقہ اللہ کی راہ میں پہنچے اور وہ جس بھی زمین کو روندیں کہ جس سے کفار کو تکلیف پہنچے اور وہ دشمن کو جو بھی زک پہنچائیں، تو اس کے بدلے میں ان کے لیے ایک عمل صالح لکھ دیا جاتا ہے۔'' واقعہ صلح حدیبیہ سے کشید ہونے والے فوائد کے ضمن میں امام ابن قیمؒ ذکر کرتے ہیں: ''انہی (فوائد) میں اس بات کا استحباب آتا ہے کہ خدا کے دشمنوں کو تکلیف پہنچائی جائے، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے عمرہ (حدیبیہ) کے لیے لائے گئے قربانی کے اونٹوں میں ابوجہل کا (بدر کے غنائم میں پایا ہوا) وہ اونٹ بھی قربانی میں دیا جو اپنی چاندی کی نکیل سے صاف پہچان میں آتا، جس سے آپ کا مقصد کفار کو تکلیف پہنچانا تھا''۔ (زادالمعاد:3:301)

مغربی ممالک مسلمانوں اور بالخصوص پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے بارے میں نہایت متعصبانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ ممالک نفرت، تعصب، تشدد اور مذہبی منافرت کے خلاف ہیں مگر مسلمانوں کے پیارے آقا و مولا حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے، اسلامی تعلیمات کا تمسخر اڑانے اور مسلمانوں کی دل آزاری کرنے کو وہ اپنا بنیادی حق سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی ایک ملک توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہوتا ہے تو دیگر (چالیس سے زائد) مغربی ممالک اپنے تمام اختلافات بھلا کر اس ملک کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے اجتماعی طور پر توہین رسالت ﷺ کا اعلانیہ ارتکاب کرتے ہیں۔ حضور

رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں توہین کے مسلسل واقعات کو روکنے کے لیے کمزور مسلمانوں کے پاس کوئی قوت نہیں۔ افسوس ہے کہ بعض اسلامی ممالک کے حکمران حضور علیہ الصلوٰۃ السلام سے زیادہ مغرب کی خوشنودی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اقتدار کے ان پجاریوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی ناراضی سے ڈرنا چاہیے اور اس بات سے بھی ڈرنا چاہیے کہ اپنے پیارے رسول ﷺ کی ناموس کے مقابلے میں مغربی آقاؤں کی دریوزہ گری کی وجہ سے کل قیامت کو کہیں وہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے محروم نہ ہو جائیں اور ان کا ٹھکانہ بھی انہی کفار کے ساتھ دائمی جہنم نہ ہو جن کی خوشنودی کے لیے آج وہ مرے جا رہے ہیں۔ اپنے پیارے رسول ﷺ کی ناموس کی خاطر مسلمانوں کے پاس ان گستاخ ممالک کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف ایک ہی حربہ ہے کہ وہ ان ممالک کی مصنوعات کا معاشی بائیکاٹ کریں۔ اگر 57 اسلامی ممالک کے ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمان متحد و متفق ہو کر کسی ملک کا بائیکاٹ کریں تو اُن کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔

ITC Trade اقوام متحدہ کا ایک ذیلی ادارہ ہے۔ اس کے مرتب کردہ اعداد و شمار کے مطابق فرانس کی مسلم اکثریتی ممالک کے ساتھ ہر سال تجارت کا حجم 100 ارب ڈالر سے زیادہ ہے جس میں فرانس سے مسلم ممالک 45.8 ارب ڈالر کی مصنوعات خریدتے ہیں جب کہ مسلم ممالک سے فرانس 58 ارب ڈالرز کی مصنوعات درآمد کرتا ہے۔ صرف سات عرب ممالک فرانس سے 29 ملین ڈالر کی چیزیں درآمد کرتے ہیں جن میں سرفہرست مراکش اور الجزائر ہیں۔ گزشتہ برس فرانس نے الجزائر اور مراکش کے ساتھ بالترتیب 209.10 اور 58.11 ارب ڈالر کی تجارت کی۔ قطر، امارات، سعودیہ اور مصر کو فرانس سالانہ 14 ارب ڈالر کا سامان بیچتا ہے جن میں 295.4 ارب ڈالر کے ساتھ قطر سرفہرست ہے۔ گزشتہ برس سعودی عرب نے فرانس سے 361.3 ارب ڈالر کا سامان خریدا۔ ترکی کو فرانس نے گزشتہ برس 665.6 ارب ڈالر کی اشیا بیچیں۔ یہ تو صرف سات مسلم ممالک کا ذکر ہے، باقی پچاس مسلم ممالک کو

اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر تمام مسلم ممالک میں صرف فرانس کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیا جائے گا تو اس سے فرانس کی معیشت پر تقریباً 46 ارب ڈالر کا براہ راست اثر پڑے گا۔ گستاخ ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا اور مسلمان ممالک کا آپس میں اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مسلم ممالک ایک بلاک کی صورت اختیار کریں تو اسی صورت ہم مسلمان اپنی شناخت کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں اور اپنے رسول مکرم ﷺ کی ناموس کی بھی۔

یاد رکھیے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے نبی اکرم ﷺ کے لیے (معاذ اللہ) گالی سن کر احتجاج کرنے تک کا روادار نہیں ہوتا، چیخ تک نہیں پڑتا، دشمن کو ذرّہ بھر نقصان پہنچانے اور ذرہ بھر سبق سکھانے کا خیال تک اسے نہیں آتا، وہ مسلمان اپنے نبی کریم ﷺ اور اپنی امت کے کس کام کا؟ اس سے بڑی بے غیرتی اور بے حمیتی اور کیا ہوگی کہ دشمن ہمارے پیارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں توہین کرے اور ہم زبان کا مزہ اور جسم کی راحت چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوں، خواہ اس سے دین اسلام کی کتنی ہی تذلیل کیوں نہ ہو رہی ہو۔ چاکلیٹ اور سافٹ ڈرنک لینے سے اجتناب کرنے میں آخر کون سی قیامت آجائے گی؟ تعیش اور منہ کے مزے کی یہ چیزیں گستاخ ممالک سے خریدنے کی صورت میں اگر مسلمان روزانہ کروڑوں اربوں روپیہ ان کی نذر کرتا ہے جس کا ایک بھاری حصہ اسلام کے خلاف متحرک اداروں کو بطور فنڈ دیا جاتا ہے تو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ زبان کے مزے پر تو شاید آپ توانا نہیں ہو رہے لیکن اس سے آپ کے نبی ﷺ کا دشمن بے حد مضبوط ہو رہا ہے۔

جو ممالک شان رسالت ﷺ میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں، اُن کی بڑی بڑی کمپنیز کا جال مسلم ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ مسلمان اگر اپنے اپنے ممالک میں ان غیر ملکی کمپنیوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور اپنے ملک کی مصنوعات کو فروغ دے کر مقامی کمپنیوں کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں یا اِس طرح اپنی قومی معیشت کو سہارا دینے کی کوشش کرتے ہیں تو اِس میں وہ قطعی طور پر حق بجانب ہوں گے بلکہ یہ تو ان کی

بقا کے لیے وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہوگی جس کی خاطر اُٹھ کھڑا ہونا اُن کے لیے آخری حد تک ناگزیر ہوگا اور اگر اِس کا تعلق اِسلام سے جوڑ کر دیکھنے کی کوشش کی جائے تو بلاشبہ یہ وقت کا انتہائی سنگین مسئلہ ہے جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے براہِ راست ''حمیت اسلامی'' سے براہ راست منسلک ہے۔

آج کے حالات میں سب سے بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ مسلم ممالک کے عوام گستاخ ممالک کی کمپنیوں کی مصنوعات خریدنا بند کر دیں اور انتہائی ناگزیر اور اشد ضرورت کے بغیر اِن کی طرف توجہ بھی نہ کریں۔ اِس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلم ممالک کے وسائل کی قیمت سے استعمار کی جیب گرم ہونے کا راستہ بند ہو جائے گا جس سے کفر کے سرگرم ایجنڈوں کی معاشی سپورٹ واضح طور پر غیر مستحکم ہوگی۔ بغیر کسی خطیر بجٹ کے اہلِ کفر خواہ مخواہ کی سرگرمیاں مول لینے کے روادار نہیں ہوتے خواہ وہ اُن کے دیرینہ دشمن ''عالمِ اسلام'' کو پسپا کرنے کے لیے ضروری ہی کیوں نہ ہوں۔ ''قربانی'' کا جذبہ کفر کی دنیا میں بہرحال نہیں پایا جاتا۔ یہ وصف خاص اِس اُمّت مسلمہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ ہمیشہ اپنے دین کی سلامتی اور سربلندی کے لیے قربانیاں دیتی آئی ہے اور اس سلسلے میں اپنے رب سے ہی اُس کی مدد، خوشنودی اور اجر کی اُمید رکھتی ہے اور آج بھی اِس پوری اُمّت سے ''تھوڑی سی'' قربانی مطلوب ہے، گستاخ ممالک کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی صورت میں۔

سوچنا چاہیے! کیا ایسے وقت میں جب ہمارے دین اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے نام پر ہمیں گالیاں پڑ رہی ہوں، ایک 'نہایت معمول کی زندگی' گزار لینا ہی 'اُمتی' ہونے کی علامت ہے؟ اپنے پیارے نبی ﷺ کے دشمن کو 'بزنس' دے دے کر خوشحال کرنا اور اس کی دولت اور تونگری میں اضافہ کرنا ہی کیا حضور نبی کریم ﷺ کے دشمن کا وہ حق ہے جو ہمارے گلی محلوں سے وہ بے تحاشا وصول کرتا پھر رہا ہو؟ ...... اِس لیے نہیں کہ معاذ اللہ امت کو اپنے نبی ﷺ کی پرواہ نہیں بلکہ اِس لیے کہ امت کے ایک بڑے طبقے میں آج یہ شعور مفقود ہے کہ معیشت اِس دور کا کس قدر ایک بھاری ہتھیار ہے اور اس

کو کس کاری انداز میں برتا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ قومیں لڑے بغیر محض اِس ہتھیار کے نہایت مؤثر اور مسلسل استعمال کے نتیجے میں دشمن کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ہمارے بس میں کچھ اور نہیں، ہم میں سے بیشتر کے ہاتھ میں بلکہ ہر کسی کی دسترس میں ایک یہی معاشی ہتھیار ہے جو کہ نہایت گہری اور دور رس مار رکھتا ہے، تو کیا ہم اپنے نبی ﷺ کے دشمن کے خلاف یہ ایک ہتھیار برتنے میں بھی بے دلی اور کم ہمتی دکھائیں؟ محض اس لیے کہ ہم میں سے کسی کو ڈنمارک کے خشک دودھ کی چائے پیئے بغیر 'مزہ' نہیں آتا، تو کسی کا توس اسکینڈینیویا کے پنیر سے نہ چپڑا جائے تو اس کا 'ناشتہ' ادھورا رہ جاتا ہے اور کسی کو ڈینش چاکلیٹ نہ ملے تو اس کا 'سرور' نامکمل رہتا ہے؟ اور کسی کو اپنے ٹیلی فون میں دشمن کی سم کے سوا کوئی اور سم اچھی نہیں لگتی؟ کتنے ہیں جو دشمن کی 'پیٹنٹ' کمپنی کی تیار کردہ بوتل نہ پئیں تو کھانے کے بعد وہ اپنے مطلب کی 'ڈکار' سے محروم رہتے ہیں! روزمرہ استعمال کی پراڈکٹس پر دشمن کا لیبل نہ ہو تو درخورِ اعتنا نہیں ہوتیں! کیا 'امتیوں' کی ایسی قسم بھی ہم سے پہلے کبھی دیکھنے میں آئی تھی؟

معاشی ہتھیار کو کفار اپنے ناجائز مقاصد کے لیے برتتے ہیں تو اہل اسلام اس کو مقاصدِ حق کے لیے کیوں نہیں برت سکتے؟ اس کو ظلم کے لیے برتنے والا گناہ کرتا ہے تو اس کو دفعِ ظلم اور مقاصدِ خیر کو بروئے کار لانے کے لیے برتنا باعث ثواب بھی تو ہوگا! یہ بھی کہا گیا کہ دیکھا، مسلمانوں نے ایک ملک کا بائیکاٹ کیا تو دیگر مغربی ممالک نے اس کی مدد کی حامی بھر لی، تو پھر ہمیں اس بائیکاٹ کا کیا فائدہ ہوا؟ حضرات ہم یہی تو چاہتے ہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک ملک دیوالیہ ہو کر اپنے برادر ملکوں کے ہاں بھیک مانگتا پھرے کہ پتہ چلے امتِ محمد یہ کسی کو کنگال کر سکتی ہے! یہ کہنا بھی کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ایک گستاخ ملک کے ساتھ ہی دیگر اور نہ جانے کون کون سے ملک کود پڑے ہیں تو پھر کیا سب کا بائیکاٹ کریں گے؟ بلاشبہ ہم تو سب کے بائیکاٹ کا کہیں گے، لیکن قوم کی صفیں بنوانا آج اس دورِ ابتری میں اگر آسان نہیں تو اس معاملہ میں مرحلہ واریت بری نہیں۔ کہا جاتا ہے ریوڑ میں کسی ایک ہرن پر جب شیر کی نظر ٹک جاتی ہے تو پھر دوسرے

ہرن چاہے آس پاس پھرتے رہیں، وہ اس ایک ہرن کو بہر حال نہیں چھوڑتا۔ ایک تو، یہ شیر کی شان کے خلاف ہے اور دوسرا، اگر وہ ہر ہرن کے پیچھے بھاگنا شروع کردے تو کسی ایک کو بھی نہ 'پکڑ' سکے!

یاد رکھیے! دشمن صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔ آج کی ''مہذب'' دنیا میں طاقت اور قوت ہی سب ''اخلاقیات'' کا منبع ہے۔ یہ معاملہ خالی خولی احتجاج اور نعروں سے حل ہونے والا نہیں بلکہ درحقیقت ''بائیکاٹ'' اور ''پابندی'' جیسی حکمتِ عملیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک مغرب پر کسی قسم کا معاشی یا سیاسی دباؤ نہ ڈالا جائے گا، وہ ہماری بات ماننے والا نہیں۔ یہ افراد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ دو قوموں کی جنگ بن چکی ہے اور جنگوں میں احتجاج کوئی معنی نہیں رکھتا۔ گستاخ ممالک کے ہاتھوں مسلمانوں کی تذلیل کو دور کرنے کا وہ طریقہ جس میں امتِ مسلمہ کا بچہ بچہ شریک ہوسکتا ہے اور جس پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی جا سکتی، وہ یہ ہے کہ ایک نئے عزم، ولولے اور یکجہتی کے احساس کے تحت غیر ملکی مصنوعات کے بائیکاٹ کا نئے سرے سے بھرپور ڈول ڈالا جائے، خاص طور پر وہ اشیاء جو تعیش کے زمرے میں آتی ہیں جیسے کولڈ ڈرنکس، چاکلیٹس، فوڈ آئٹمز، کاسمیٹکس وغیرہ وغیرہ۔ حبِّ نبوی ﷺ کی خاطر حتی الامکان زیادہ سے زیادہ ملکی مصنوعات کا سہارا لیا جائے بلکہ بنیادی ضرورت کی اشیاء بھی حتی الامکان اپنے ملک کی ہی استعمال کی جائیں تا کہ ایک طرف مسلمانوں کی معیشت مضبوط و مستحکم ہو تو دوسری طرف گستاخ ممالک کی معیشت کمزور ہو اور اِس معاشی دباؤ کی بدولت ان کو تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے سلسلہ میں بات کرنے کی پوزیشن پہ لایا جاسکے۔

اعتراض نمبر 29

امریکی مذہبی آزادی کمیشن، یورپی پارلیمان اور برطانوی پارلیمنٹ

کے تھنک ٹینکس کا کہنا ہے کہ اگر حکومت پاکستان نے حقوق انسانی اور آزادی اظہار رائے سے متعلقہ اُن کے مطالبات کو پورا نہ کیا تو پاکستان دنیا بھر میں اکیلا رہ جائے گا، لہٰذا ہماری تمام سفارشات اور مطالبات پر من وعن عمل کیا جائے۔

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر ان غیر قانونی اور شر پسندانہ مطالبات پر ڈال لی جائے جو مذکورہ بالا ادارے حکومت پاکستان سے گاہے بگاہے زبانی اور تحریری طور پر کرتے رہتے ہیں۔

-1 پاکستان کے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے والی آئینی شق کو ختم کیا جائے۔

-2 قانون امتناع قادیانیت جس کے تحت کوئی قادیانی آئین و قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شعائر اسلامی استعمال نہیں کرسکتا، کو ختم کیا جائے۔

-3 قانون ناموس رسالت ﷺ (295-C) کو ختم کیا جائے۔

-4 قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے پر سزا دینے کا قانون (295-B) ختم کیا جائے۔

-5 توہین رسالت ﷺ کے مرتکب ایسے تمام مجرموں کو فوری رہا کیا جائے جن کو عدالتوں سے سزا ہو چکی ہے یا ابھی مقدمات چل رہے ہیں۔

-6 شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر شناختی دستاویزات سے مذہب کی شناخت کے تمام قانونی تقاضوں کو ختم کیا جائے۔

-7 سوشل میڈیا پر اسلام اور اُس کی مقدس شخصیات کے خلاف توہین آمیز مواد اپ لوڈ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی ایسا کرنے والوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی جائے۔

ایسے غیر آئینی، غیر قانونی اور غیر اخلاقی مطالبات پاکستان کی خودمختاری، سالمیت اور اُس کی نظریاتی سرحدوں پر دہشتگردانہ حملہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا

پاکستان کی اکثریت کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزار سکے۔ دنیا کے تمام مذاہب اپنے ماننے والوں کو ایک دوسرے کا احترام سکھاتے ہیں لیکن معاشرے میں کچھ ایسے شر پسند عناصر بھی ہوتے ہیں جو حقوق انسانی اور آزادی اظہار رائے کے نام پر انتشار پھیلا کر فتنہ و فساد کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ ان عناصر کی شر انگیز سرگرمیوں کو روکنے کے لیے قانون سازی کرنا ہر حکومت کا بنیادی فریضہ ہے تا کہ ملک بھر میں لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال پیدا نہ ہو۔

رواداری اور برداشت کے نام پر آزادی اظہار رائے بے لگام نہیں ہوتی۔ یہ ہمیشہ قانون، اخلاقیات اور امن عامہ سے مشروط ہوتی ہے۔ کسی بھی اقلیت کو معاشرے کا امن تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر آزادئ اظہار کا فلسفہ اتنا ہی مقدس و محترم ہے تو پھر ہولوکاسٹ کے افسانے پر سوالات اُٹھانے پر متعدد مغربی ممالک میں کیوں پابندی ہے اور فلسطینی بچوں پر اسرائیلی مظالم کو اُجاگر کرنے پر صحافیوں کو ملازمتوں سے کیوں نکالا جاتا ہے؟ حیرانی ہے کہ اس پر کسی لب کشائی کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ ان ممالک کی رواداری اور وسیع الظرفی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ گزشتہ دنوں فرانسیسی وزیر داخلہ نے اپنی ایک ٹویٹ میں لکھا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ بات کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں رہا جو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر یہ بات لکھ کر دینے کو تیار نہیں کہ فرانس کا قانون قرآن مجید سے اعلیٰ و برتر ہے۔ (نعوذ باللہ)

اسلام دشمن طاقتوں کے مذکورہ بالا مطالبات دراصل ایک ٹیسٹ کیس ہے تا کہ دیکھیں کہ مسلمانوں کی اپنے نبی مکرم ﷺ سے وابستگی اور عشق و محبت کا تعلق اُسی طرح قائم ہے، جس طرح ان کے آباؤ اجداد کا طرۂ امتیاز تھا یا کہ 'نظریاتی محاذوں' پر دل مسلم سے محبت رسول ﷺ کو نکالنے کی ہماری کوششیں کچھ اثر دکھانے میں کامیاب ہوگئی ہیں؟ ان سب کوششوں کا مقصود علامہ اقبالؒ کے لفظوں میں سوائے اس کے کچھ نہیں۔

روحِ محمد (ﷺ) اس کے بدن سے نکال دو

رواداری، برداشت، تحمل اور بردباری کا مفہوم یہ ہے کہ جن مذاہب کے

عقائد و نظریات ہمارے نزدیک غلط ہیں، ان کے احساسات و جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی توہین یا دل آزاری نہ کریں جس سے معاشرے میں بے چینی پیدا ہو۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ رواداری کے یہ معنی بھی نہیں کہ انسان اپنے بنیادی عقائد و نظریات سے دستبردار ہو جائے یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ان کے غلط عقائد کی تصدیق کرے۔ دوسروں کے جذبات کو مجروح کر کے خوش ہونا ذہنی مرض کی علامت ہے۔ اس قومی مفاد نے یورپی طاقتوں سے دو عالمی جنگیں کروائیں جن میں آٹھ کروڑ سے زائد انسان ہلاک ہوئے۔ اسی قومی مفاد نے نائن الیون کے بعد امریکہ کو افغانستان اور عراق کے خلاف جارحیت پر اکسایا۔ جان ہوپکنز یونیورسٹی کے اعداد و شمار کے مطابق عراق کے خلاف امریکہ کی جارحیت اور اس کے اثرات سے پانچ سال میں چھ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔

جناب شاہنواز فاروقی کا کہنا ہے: ''یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مغرب کے ضمیر پر قومی مفاد کی تقدیس کے تحت ہلاک ہونے والے 80 ملین لوگوں کی ہلاکت بوجھ نہیں بنتی لیکن پاکستان میں توہینِ رسالت کے تحت ایک عیسائی عورت کو کھلی عدالت میں باضابطہ مقدمہ چلا کر سزائے موت دے دی جائے تو مغرب کو یہ سزا ہولناک نظر آنے لگتی ہے اور اس کا ضمیر چیخ اٹھتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کی تقدیس قومی مفاد کیا پوری کائنات سے بھی زیادہ اہم ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ باعثِ تخلیق کائنات ہیں۔ کیا مغرب اپنے اس خوفناک تضاد کی کوئی توجیہ پیش کر سکتا ہے؟ تجزیہ کیا جائے تو مغربی دنیا صرف قومی مفاد کی تقدیس ہی کی قائل نہیں، وہ کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر عام شہری کی توہین کے بھی خلاف ہے اور اس سلسلے میں ہر مغربی ملک میں قوانین موجود ہیں لیکن مغربی دنیا عالم اسلام میں رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو ایک عام فرد کی سطح کی تکریم دینے پر بھی آمادہ نہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ پاکستان میں ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے وضع کیے گئے قانون کی منسوخی کا مطالبہ نہ کرتی۔ اس مطالبے سے اسلام دشمنی اور رسول اکرم ﷺ سے مغرب کے بغض کے سوا کچھ ظاہر

نہیں ہوتا۔'' (روزنامہ جسارت کراچی، یکم نومبر 2020ء)

متعدد مغربی ممالک کے دساتیر یا تعزیراتی قوانین میں گستاخی (Blasphemy) کی سزا موجود ہے مثلاً فرانسیسی آئین کے آرٹیکل نمبر 4 میں کہا گیا ہے کہ ''آزادی کا حق اس حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور اِن حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعے کیا جائے گا۔ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر 1 میں تکریم انسانی کو ناقابل تنسیخ حق قرار دیا گیا ہے جس میں کہا گیا کہ ہر شخص کو تحریر و تقریر اور اظہار آزادی کا حق حاصل ہے مگر یہ حقوق قانون، قواعد و ضوابط اور شخصی عزت و تکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیسے جاسکیں گے۔ سوچیے کہ ان ممالک کا آئین عام انسان کی عزت و تکریم کے بارے میں یہ کہتا ہے تو انبیا کرام علیہم السلام کی عزت و تکریم انہیں کس مقام پر کرنی چاہیے؟ دراصل بار بار توہین رسالت ﷺ کرنے کا مقصد مسلمانوں کی بے حسی کے درجے کو جانچنا ہے اور دوسری طرف توہین کے جواب میں توہین ہو تو پھر وہ فتنہ و فساد کا بہانہ حاصل ہونے کے منتظر ہیں۔ لیکن اسلام تو وہ مذہب ہے کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام کو مانتا ہے، ان کی عزت و احترام کو دل سے تسلیم کرتا ہے، مسلمان خود کو سیدنا حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیا کرام علیہم السلام کا وارث سمجھتے ہیں اور قرآن کے فرمان کے مطابق ان میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے، البتہ فضیلت کا معاملہ اور ہے۔

24 اکتوبر 2018ء کو سات اعلیٰ ججوں پر مشتمل یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس نے اپنے ایک تاریخی فیصلہ میں قرار دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کو آزادی اظہار رائے قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عدالت نے قرار دیا کہ اس خاتون کے خلاف آسٹرین عدالت کے فیصلے سے اظہار رائے کی آزادی دینے والے یورپی یونین کنونشن آف ہیومن رائٹس کے آرٹیکل 10 کی خلاف ورزی نہیں ہوئی اور اس خاتون کے خطابات کسی بھی طرح اظہار رائے کی آزادی کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ یہ خطابات حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر حملہ ہیں جس سے مذہبی ہم آہنگی اور امن و امان تباہ

ہونے کا اندیشہ ہے۔ مزید کہا کہ یہ خطابات تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہیں۔ مذہبی رواداری کے خلاف اس طرح کے خطابات اور اقدامات کی صورت میں حکومتوں کو خصوصی اقدامات کرنے چاہئیں۔ یورپ کی اس اعلیٰ عدالت کے فیصلے سے پہلے جنوری 2015ء میں پوپ فرانس نے اپنے فلپائن کے دورے کے دوران کہا تھا کہ آزادی اظہار رائے ہر انسان کا بنیادی حق ہے لیکن اس سے کسی دوسرے مذہب کی توہین کرنا جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پوپ فرانس نے کہا تھا کہ اگر کوئی میری ماں کے خلاف بھی برے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اسے بھی تھپڑ کھانے کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ یہ قابل برداشت عمل نہیں ہے۔ ہر انسان کو کسی کی توہین یا جذبات کو مجروح کیے بغیر اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا حق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی دوسرے مذہب کا مذاق اڑائے یا توہین کرے۔

6 جولائی 2021ء کو برطانوی لیبر پارٹی کی مسلمان خاتون رکن پارلیمنٹ ناز شاہ نے ونسٹن چرچل سمیت دیگر انگریز مشاہیر اور ملکاؤں کے مجسموں کی ''بے حرمتی'' کے خلاف بنائے گئے قانون پر سخت تنقید کی۔انہوں نے مطالبہ کیا کہ مجسموں کی حفاظت کا قانون بنانے سے پہلے ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانان عالم کے قلوب کی دھڑکن پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی روکنے کا قانون تیار کیا جانا چاہیے اور توہین رسالت ﷺ کے مجرموں کے لیے سخت سزائیں لاگو کی جانی چاہئیں۔ واضح رہے کہ جنوری 2021ء میں برطانوی حکومت نے انگریز مشاہیر اور ملکاؤں کے مجسموں کی حفاظت کے لیے ایک مسودہ قانون پیش کیا تھا جس پر چند روز قبل اس وقت منظوری کے لیے تیزی لائی گئی جب کینیڈا میں بد کردار پادریوں کے ہاتھوں بورڈنگ عیسائی سکولوں سے ہزاروں کینیڈین قبائلی بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور اُن کو قتل کر کے اجتماعی قبروں میں دفن کرنے کی واردات کا علم ہوا۔ اس منظر نامہ میں کینیڈا میں سابق ملکہ برطانیہ کوئین وکٹوریہ اور حالیہ ملکہ الزبتھ دوم کے دو مجسموں پر کالک مل کر انہیں مسمار کر دیا گیا تھا جس سے برطانوی حکومت شدید دکھ اور اضطراب میں مبتلا ہوئی اور اس نے شاہی ارکان

سمیت چرچل اور اہم برطانوی مشاہیر کے مجسموں کی حفاظت کے لیے سخت ترین قوانین لاگو کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے تحت کسی بھی مجسمہ کی توہین، اُس کو نقصان پہنچانے یا اسے توڑنے کی کوشش برطانوی قوانین کے تحت جرم تصور کیا جائے گا۔ اس فرد کو گرفتار کر کے عدالتی فورم پر پیش کیا جائے گا اور اس کو ہزاروں پاؤنڈ جرمانہ اور دس سال قید کی سزا دی جاسکے گی۔ اس قانون پر بحث میں شامل مسلمان رکن پارلیمنٹ ناز شاہ نے فلور پر بحث سمیٹتے ہوئے بورس جانسن حکومت پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو انسانوں کے بجائے ان کے مجسموں کی توہین بھی برداشت نہیں ہے تو ہم اپنے محبوب نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کس طرح برداشت کریں؟ بے شک آپ مجسموں کی حفاظت کریں لیکن اس سے قبل نبی پاک ﷺ کی شان کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں اور ان افراد کو بھی مجرم اور مستوجب سزا گردانیں جو پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے اس کو ''آزادی اظہار'' قرار دیتے ہیں۔ ناز شاہ نے مدلل اور پُر جوش تقریر میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی عزت و ناموس کا معاملہ اُٹھاتے ہوئے مطالبہ کیا کہ صرف بادشاہوں یا ملکاؤں کی نہیں بلکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی پر بھی قانون بنایا جائے۔ کیوں کہ جس طرح آپ کو اپنے بادشاہوں کی مورتیوں سے پیار ہے، اس سے کہیں زیادہ ہمارے لیے ہمارے پیغمبر ﷺ محترم و مقدس ہیں۔ اس لیے ہمارے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے یورپ میں بار بار شائع ہونے والے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کو بند کروایا جائے۔ ناز شاہ نے کہا کہ کچھ لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کے خاکوں پر کہتے ہیں کہ وہ تو صرف ایک خاکہ ہے تو میں بھی کہتی ہوں کہ کینیڈا میں جن کی تذلیل کی گئی، وہ بھی صرف مٹی، گارے اور لوہے سے بنی مورتیاں تھیں۔ ناز شاہ نے سوال اُٹھایا کہ ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کی دل آزادی پر قانون سازی کب کی جائے گی؟

حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤسز کے تقریباً **40** ارکان پر مشتمل ''آل پارٹیز پارلیمنٹری گروپ فار دی احمدیہ کمیونٹی'' کی طرف منسوب قادیانیوں نے **20**

جولائی 2020ء کو پاکستان کے خلاف سنگین الزامات پر مبنی ایک انتہائی خطرناک رپورٹ جاری کی جس میں دعویٰ کیا گیا کہ قادیانیوں کے خلاف ظلم و جبر، استبداد اور بین الاقوامی انتہاء پسندی میں اضافہ ریاست پاکستان کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔اس رپورٹ کا ٹائٹل یہ ہے:

"Suffocation of the Faithful:The persecution of Ahmadi Muslims in Pakistan and the Rise of International Extremism"

یہ بنیادی اور مبینہ طور پر یک طرفہ انکوائری ہے جو کہ اس گروپ کی چیئر پرسن شوون مکڈونہ (**Siobhain McDonagh**) ممبر پارلیمنٹ کی زیر سرپرستی کروائی گئی۔ اس کے وائس چیئرمین **11** ارکان پارلیمنٹ ہیں۔ دیگر تیس سے زیادہ ارکان پارلیمنٹ اس کے ممبر ہیں۔ اگر چہ اس کو ایک انکوائری کا نام دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستانی ہائی کمیشن لندن یا پاکستانی وزارت خارجہ کی طرف سے کوئی مؤقف نہیں لیا گیا۔ پاکستان کے خلاف نہایت سنجیدہ الزامات پر مبنی **167** صفحات پر مشتمل رپورٹ جاری کر دی گئی۔ رپوٹ میں خود ہی جج، جیوری اور پراسیکیوٹر کا کام کیا گیا ہے۔اس گروپ کی چیئر پرسن کے مطابق قادیانیوں پر یہ ظلم و جبر پاکستانی ریاست میں کیا جا رہا ہے۔ مبینہ طور پر یہ رپورٹ قادیانیوں نے لکھی ہے اور برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان نے بغیر پڑھے دستخط کر دیئے ہیں۔ اس میں ایک اور اہم نکتہ نظر آتا ہے کہ برطانیہ میں میڈیا کو ریگولیٹ کرنے کے ادارے **Ofcom** اور چیریٹی کمیشن میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ قادیانیوں کو قادیانی مت لکھا اور کہا جائے، بلکہ انہیں احمدی مسلم کہا اور لکھا جائے۔ یہ اصطلاح برطانیہ میں سرکاری سرپرستی میں مسلمانوں کے اوپر مسلط کی جا رہی ہے۔مسلمانوں کے زیر سایہ چلنے والے ریڈیو اور ٹی وی سٹیشن کو یہ بات نہ ماننے پر جرمانے کیئے جا رہے ہیں۔

دوسری جانب مسیح برادری مورمن **(Mormons)** جوہوا وانٹس **(Jehovah Witness)** طرح کی برادریوں کے ساتھ کرسچن نہیں لکھا جاتا کیونکہ وہ عیسائیوں کے بنیادی عقیدے تثلیث کو نہیں مانتے۔ مسیحی برادری حکومت کو اجازت بھی نہیں دیتی کہ

انہیں عیسائی لکھا یا مانا جائے جب کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلم لگا کر ایک منظّم کوشش کے ذریعہ ان غیر مسلموں کو مسلمانوں پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

رپورٹ میں الزام لگایا گیا ہے کہ پاکستان میں ہر ایک احمدی کو اپنی پیدائش سے موت تک ظلم و جبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کو ووٹ کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ ریاست کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ جب کہ یہ سفید جھوٹ ہے اور حقیقت کے سراسر برعکس ہے۔ پاکستان میں تمام اقلیتی برادریوں کے افراد ووٹ ڈالنے کا حق رکھتے ہیں۔ قادیانی بھی آئین پاکستان کے مطابق غیر مسلم اقلیت ہیں اور انہیں دیگر اقلیتوں کی طرح ووٹ ڈالنے کا پورا حق ہے۔ یہ رپورٹ پاکستان کو سازش کی کھائی میں گرانے کی کوشش ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستان کے وزیر برائے پارلیمانی امور علی محمد خان پر بھی الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ قادیانیوں کے قتل کے حق میں ہیں۔

رپورٹ میں مختلف ملکوں میں اپنی مرضی سے چلے جانے والے قادیانیوں کو برطانیہ اور یورپ میں پناہ گزین کا درجہ دینے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ جو قادیانی جماعت کا اصل منشاء اور اس رپورٹ کا حاصل ہے۔ قادیانی رپورٹ کے مرتبین نے رپورٹ میں بڑی چالاکی سے برطانوی حکومت کو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اب برطانیہ میں بھی قادیانیوں کے خلاف نفرت کا اظہار شروع ہو گیا ہے۔ اس رپورٹ میں اسد شاہ قادیانی کے 2016ء میں گلاسگو میں قتل کا تذکرہ بھی اس طرح کیا گیا ہے، جیسے اس میں پاکستان کا ہاتھ ہے جبکہ اسد شاہ نے خود نبوت کا دعویٰ کیا تھا (جس کا ثبوت یوٹیوب پر موجود ہے) لہٰذا قادیانیوں نے اسد شاہ کو قادیانیت سے خارج کر دیا تھا لیکن اب اس قتل کو قادیانی اپنے مفاد کے لیے خوب استعمال کر رہے ہیں۔

اس رپورٹ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کے خلاف نفرت پھیلانے والوں کا برطانیہ میں داخلہ بند کیا جائے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سارا دباؤ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرنے والوں پر ڈالا جا رہا ہے تاکہ ان کی زبان بندی کی جاسکے تاکہ کوئی بھی مسلمان جھوٹے مدعیان نبوت کے شر پسندانہ عقائد کی نفی نہ کر سکے۔

اس رپورٹ کی ایگزیکٹوسمری میں صاف نظر آتا ہے کہ یہ قادیانیوں کی طرف سے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ آغاز میں ہی مرزا قادیانی کے نام سے پہلے لفظ ''حضرت'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح جہاں رپورٹ میں مرزا طاہر اور مرزا مسرور کا نام آیا ہے ان سے پہلے بھی لفظ ''حضرت'' استعمال کیا گیا ہے اور 1901ء میں افغانستان میں مرنے والے پہلے قادیانی کے لیے لفظ ''شہید'' استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ برطانیہ میں مسیحی ادارے، ممبران پارلیمنٹ، خود چرچ آف انگلینڈ اور پادری صاحبان تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی ''حضرت'' یا ''شہید'' کا لفظ استعمال نہیں کرتے اور نا کسی مسلمان کے لیے وہ لفظ شہید استعمال کرتے ہیں۔

اس رپورٹ میں قادیانیوں کو غیر متشدد اور پرامن کمیونٹی کے طور پر پیش کیا گیا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ برطانیہ میں پاکستانی ہائی کمیشن کو چاہیے کہ ان کی پرتشدد کارروائیوں جیسے 1974ء میں نشتر میڈیکل کالج ملتان کے بے گناہ طلبہ پر قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں تشدد اور 1984ء میں مولانا اللہ یار ارشد کو اغوا کر کے ان پر تشدد جیسے واقعات سے برطانوی حکومت کو آگاہ کرے۔

رپورٹ کے مندرجات سے بالکل واضح ہے کہ یہ پاکستان کے خلاف یک طرفہ الزامات پر مبنی قادیانیوں کا تیار کردہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس لیے ہماری وزارت خارجہ کو چاہیے کہ وہ برطانوی ہائی کمشنر کو بلا کر اس رپورٹ پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرائے۔

اس رپورٹ میں پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو بھی چیلنج کیا گیا ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ قادیانیوں نے ایک سیکولر ریاست بنانے کے لیے تحریک پاکستان میں مرکزی کردار ادا کیا۔ لیکن اسلام پسند یہاں پر شرعی نظام لاگو کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے قادیانیوں کو تمام بااثر پوزیشنز سے ہٹا دیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیوں نے تو اپنے مرنے والوں کو بھی امانتاً یہاں دفن کیا ہوا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے پاکستان پر جلد ہی ہندوستان کا قبضہ ہوگا اور اکھنڈ بھارت بنے گا اور وہ اپنے مرنے والوں کی باقیات کو نکال کر قادیان (انڈیا) لے جائیں گے۔

سیکولر ریاست کے قیام کے حوالے سے رپورٹ میں قائد اعظم کے ایک بیان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہندو، ہندو نہیں رہے گا۔ مسلم، مسلم نہیں رہے گا لیکن اس کو مذہب کے تناظر میں نہ لیا جائے بلکہ سیاسی طور پر لیا جائے۔ جبکہ قائد اعظم نے بار بار اپنے بیانات میں فرمایا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہوگی اور یہ ریاست مدینہ کی طرز پر ہوگی۔ اس پر موجودہ وزیر اعظم عمران خان بھی بہت زور دے رہے ہیں۔ قائد اعظم نے کہا کہ پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا گیا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔

یہاں ایک بات اور بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قادیانیوں کی ملک کے خلاف خطرناک سرگرمیوں کے باعث ان کو بااثر عہدوں سے ہٹانے کا کام اس وقت کے منتخب وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو شہیدؒ اور ان کی جمہوری حکومت نے اپوزیشن کے ساتھ مل کر متفقہ طور پر کیا تھا اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت بھی قرار دیا تھا۔ اس کے بعد صدر پاکستان محمد ضیاء الحقؒ کی حکومت نے امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری کر کے اکثریت کے احساسات اور جذبات کی ترجمانی کی۔

اس انکوائری رپورٹ میں قادیانیوں کی دو عبادت گاہوں پر 28 مئی 2010ء کے حملوں کا ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہاں قادیانیوں کی عبادت گاہیں محفوظ نہیں ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ 2010ء میں بیرونی طاقتوں کی مداخلت کی وجہ سے پاکستان پر دہشت گردوں نے آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے ہیڈ کوارٹرز کے ساتھ ساتھ ایئر پورٹس، یونیورسٹیز، کالجز، سکولز، مساجد، امام بارگاہوں، مزارات، پارکس اور مارکیٹوں پر ہزاروں کی تعداد میں حملے کر کے نہ صرف ان مقامات کو تباہ کرنے کی کوشش کی بلکہ ساتھ ساتھ ہزاروں لوگوں کی جانیں بھی لیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان کی نیوی اور آرمی کے ہیڈ کوارٹرز، انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کے دفاتر بھی ان حملوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جب کہ قادیانی عبادت

گاہوں پر دہشت گردی مغربی ممالک کے ویزے حاصل کرنے کے لیے خود قادیانی قیادت کی شاطرانہ چال سمجھی گئی ہے۔

ہم قادیانیوں اور ان کی عبادت گاہوں پر حملوں کی پرزور مذمت کرتے ہیں لیکن اس پرتشدد دور میں پاکستان کی سالمیت کو دہشت گردی سے جس قدر خطرہ تھا، ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی دو عبادت گاہوں پر حملہ پاکستانی ریاست کی سرپرستی میں نہیں کیا گیا جیسا کہ رپورٹ میں تاثر دینے کی کوشش کی گئی۔ قادیانیوں کی تیار کردہ اس رپورٹ جو بظاہر ارکان پارلیمنٹ کی طرف منسوب ہے، اس انکوائری رپورٹ نے برطانوی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ پاکستان کو دی جانے والی امداد کو قادیانیوں سے متعلق مطالبات کو تسلیم کرنے سے مشروط کرے۔ یک طرفہ انکوائری رپورٹ میں ہائی کورٹ کے جسٹس جناب شوکت عزیز صدیقی کے ایک فیصلے کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جس میں انہوں نے حساس اداروں کی اہم پوسٹوں سے قادیانیوں کو ہٹانے کا کہا ہے۔

قادیانیوں کی طرف سے تیار کردہ اس رپورٹ میں پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کو لٹریچر چھاپنے کی اجازت اور مذہبی آزادی دی جائے۔ قادیانی مخالف تقاریر اور مبلغین پر پابندی عائد کی جائے جبکہ برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ پاکستان پر دباؤ ڈالے کہ قادیانی مخالف قوانین ختم کرے۔ قادیانیوں کے سکولز، کالج واپس کرے۔ قادیانی پناہ گزینوں کو برطانیہ میں بسایا جائے۔ رپورٹ میں قادیانیوں کو برطانیہ میں مستقل رہائش دلانے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس ساری کوشش کا بنیادی محور یہی نکتہ ہے جس کے حصول کے لیے رپورٹ کا شاخسانہ کھڑا کیا گیا ہے۔

پاکستانی وزارت خارجہ کو چاہیے کہ وہ پاکستان میں مقیم برطانوی ہائی کمشنر کو طلب کر کے وضاحت حاصل کریں کہ پاکستان کا موقف لیے بغیر یہ یک طرفہ انکوائری رپورٹ کیسے چھاپ دی گئی۔ اسے فوراً انٹرنیٹ سے ہٹایا جائے کیونکہ یہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے۔ پاکستان کے انٹیلی جنس ادارے اس بات کی

تحقیقات کریں کہ لندن میں پاکستانی سفارت کار اس معاملے پر خاموش کیوں ہیں؟ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ پاکستان کو بدنام کرنے، پاکستان پر اقتصادی پابندیاں لگوانے اور پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے پر قادیانی جماعت کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کرے۔

قادیانیوں کی تیار کردہ مذکورہ رپورٹ کے برعکس پاکستان میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں پاکستان میں قادیانیوں نے اپنے قدم تیزی سے جمائے ہیں اور اعلیٰ حکومتی و انتظامی عہدوں پر ان کی تعیناتی میں اضافہ ہوا ہے۔ متعدد شواہد سے اس عمومی تاثر کو تقویت ملتی ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں ان کو قادیانی مراکز کی تعمیر کے لیے رقبہ جات کی الاٹمنٹ اور قادیانی عبادت گاہوں کی طرف سے قانون کی مسلسل خلاف ورزی سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی سطح پر قادیانیوں نے اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑھ لیے ہیں اور ریاستی اداروں میں ایسی طاقتور لابی موجود ہے جو نہ صرف قادیانیوں کی پشت پناہی کر رہی ہے بلکہ ان کی سہولت کاری بھی کر رہی ہے۔

اعتراض نمبر 30

بعض کج فہم معترضین کا کہنا ہے کہ انبیا کرام علیہم السلام کی زندگیوں پر بنائی گئی فلمیں اور ڈرامے تبلیغی مصلحت کے تحت ہیں۔ یہ فلمیں اسلام کی دعوت کو پھیلانے کا ذریعہ ہیں جس کے ذریعے انبیا کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور اُن کی زندگی کو عوام تک آسانی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی معلومات کے لیے ان فلموں کو بنانا، دیکھنا اور فروخت کرنا جائز ہے، اس لیے ہمیں ان فلموں پر پابندی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

جواب: انبیا کرام علیہم السلام کو تمام مذاہب میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا

ہے۔یہی وہ ہستیاں ہیں جو انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ان کا ادب ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ان کی تحقیر یا اہانت کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔موجودہ دور میں ان کی زندگیوں پر فلم سازی اور عکس بندی کا ایک سلسلہ شروع ہوا ہے۔خصوصاً یہودی وعیسائی ان پر فلم سازی میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلم ممالک میں بھی اس قسم کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

موجودہ دور میں انبیا کرام علیہم السلام کی زندگیوں پر جو فلم سازی ہو رہی ہے، اس میں بے شمار قباحتیں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے یہ فعل جواز نہیں رکھتا۔مثلاً جھوٹ ایک قبیح فعل اور معاشرتی برائی ہے۔قرآن کریم میں اسے اللہ تعالیٰ کی لعنت کا سبب بتایا گیا ہے۔مذکورہ فلموں میں غیر نبی کو نبی بنا کر پیش کیا جاتا ہے، چونکہ اصل ونقل میں تفاوت ضرور ہوتا ہے، اس لیے یہ بالفعل جھوٹ ہوا اور جھوٹ چاہے بالفعل ہو یا بالقول، حرام ہے۔ بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے متعلق جھوٹ بولنے پر حدیث مبارک میں سخت وعید آئی ہے۔ان فلموں میں نبی کا کردار فاسق وفاجر اداکار پیش کرتا ہے، جو نبی کی اعلانیہ اہانت وتحقیر ہے۔ان فلموں میں جن اداکاروں کو نبی کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو اللہ کا پیغمبر کہتا ہے اور دوسرے بھی اس کو پیغمبر کہہ کر پکارتے ہیں۔حالانکہ خود کو نبی کہنا کفر ہے۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں ''اگر کسی شخص نے کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں یا فارسی میں کہا کہ میں پیغمبر ہوں تو یہ شخص کافر ہوگیا''۔ (فتاویٰ عالمگیریہ، جلد 2ص 263) اسی طرح اس کو نبی کہنے والا بھی کافر ہوگا۔لسان الحکام میں ہے:''اگر کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کسی دوسرے شخص نے اس سے معجزہ طلب کیا تو فقہا کہتے ہیں کہ یہ (معجزہ طلب کرنے والا) کافر ہوگیا''۔ جب کسی کذاب مدعی نبوت سے معجزہ طلب کرنا کفر ہے، تو کسی کو نبی کہنا بطریق اولیٰ کفر ہوگا۔ (لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام از محمد بن احمد، جلد1، ص415) ان فلموں میں نبی کا کردار پیش کرنے والا کسی نبی کی نقل اتار رہا ہوتا ہے، حالانکہ اسلام میں کسی عام انسان کی بھی نقل اتارنا جائز نہیں۔سنن ترمذی میں ایک روایت منقول ہے: ''حضور نبی کریم ﷺ

کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری گئی تو فرمایا: مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ میں کسی کی نقل اتاروں'' ۔ جب عام انسان کی نقل اتارنا ممنوع و حرام ہے تو انبیاء علیہم السلام جو عظمت کے مینار ہیں، ان کی نقل اتارنا تو بلا شک وشبہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی نبی کی صورت اختیار کرنا انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ شیطان جو ہر کسی کی صورت اختیار کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ کسی نبی کی صورت اختیار کرے۔ اس کا مقصد انبیا علیہم السلام کی عظمت کی حفاظت ہے۔ ان فلموں میں جو اداکار نبی کی صورت میں پیش ہوتے ہیں ان کا یہ عمل اتنا قبیح ہے کہ گویا شیطان کے بس سے بھی باہر ہے۔ غیر نبی کو نبی کی صورت میں پیش کرنے میں جو قباحتیں ذکر ہوئی ہیں، ان میں کوئی ایک بھی پائی جائے تو ان فلموں کی حرمت کے لیے کافی ہے اور جب یہ تمام بیک وقت موجود ہیں تو اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

انبیا کرام علیہم السلام پر جو فلمیں بنائی گئی ہیں، ان کا ایک نقصان یہ ہے کہ یہ فلمیں دیکھنے کے بعد ذہن میں انبیاء علیہم السلام کی تصویریں ذہن نشین ہو جائیں گی اور آئندہ زندگی میں جب بھی کسی مبارک نبی کا ذکر آئے گا، خواہ وہ قرآن مجید پڑھتے ہوئے ہی کیوں نہ ہو، تو ذہن میں اس فلمی اداکار کی تصویر سامنے آجائے گی حالانکہ وہ تو کسی نیک شخص کی بھی نہیں بلکہ ایک ایسے اداکار کی تصویر ہے جو فاسق وفاجر ہے۔ دوسرا نقصان یہ بھی ہے کہ فلم میں بیان کردہ معلومات ذہن میں راسخ ہونے کے بعد اس کے برخلاف صحیح اور مستند کتابوں میں مذکور بات کو بھی انسان کے لیے قبول کرنا مشکل ہوسکتا ہے، کیونکہ انسان نفسیاتی طور پر تصویر کا اثر زیادہ لیتا ہے۔ مزید ان فلموں میں دکھائے جانے والے اکثر واقعات موضوع روایات پر مبنی ہوتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی، جب کہ بعض واقعات اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر پیش کئے جاتے ہیں جن کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جو واقعات قرآن کریم میں جس طرح مذکور ہیں، اس میں اپنی طرف سے یا موضوع و اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر کمی وزیادتی کرنا دین کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور قرآن مجید میں اٹھارہ جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام (حضرت ابرہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر خیر فرما کر ان کے متعلق فرمایا: ''اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام عالم پر فضیلت دی ہے''۔ (الانعام:86) اس فضیلت کا تقاضا ہے کہ ان کی عظمت وفضیلت کو نقصان پہنچانے والے اقوال و افعال سے بچا جائے جب کہ کسی نبی کی زندگی پر فلم بنانا، ان کی عظمت و وقار کے منافی اور کسی اداکار کو نبی کی صورت میں پیش کرنا ان کی توہین وتحقیر ہے۔ فلم و ڈرامے چونکہ لہو ولعب کے زمرے میں آتے ہیں اور نبوت جیسے اعلیٰ مقام کو لہو ولعب کے طور پر استعمال کرنے سے اس کی تنقیص ہوتی ہے، جو کہ حرام ہے۔ شریعتِ اسلامی میں تصویر کی حرمت پر واضح احکامات موجود ہیں اور یہ کبائر میں سے ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویر بنانا اور فلم جو بیک وقت کئی تصاویر کا حکم رکھتی ہے، بطریقِ اولیٰ حرام وممنوع ہے۔ حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے پچھلی امتوں کے ایک بدترین عمل کا بیان فرمایا کہ وہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی تصاویر بناتے تھے اور یہی ان کی گمراہی کا سبب بنا۔ جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بننے والی فلموں میں باقاعدہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کردار کو فلم کی صورت میں دکھایا جاتا ہے، تو ظاہر ہے اس عمل کی برائی اور اس سے پیدا ہونے والی گمراہی تصاویر سے بڑھ کر ہوگی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے غیر کی مشابہت اختیار کی اور تم لوگ یہود اور نصاری کی مشابہت اختیار نہ کرو۔'' انبیاء کرام علیہم السلام کی تصاویر بنانا غیر مسلم اقوام (یونانیوں) کا شیوہ رہا ہے۔ چونکہ ان فلموں میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویریں اور فلمیں بنائی جاتی

ہیں، لہٰذا یہ غیر مسلم اقوام کی مشابہت کے نتیجہ میں حرام ہے۔ ان فلموں میں عالم برزخ کے حالات بھی دکھائے جاتے ہیں جو مکمل جھوٹ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ عالم برزخ کے حالات ،وہاں کی نعمتوں اور عذاب کا انسانی ذہن احاطہ نہیں کر سکتا اور گمان وظن اس معاملے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا، اس لیے محض اپنے خیالات اور گمان کے مطابق اسے فلما کر دکھانا، اس کی وقعت گھٹانا اور اسے مذاق بنانا ہے۔

انبیا کرام علیہم السلام پر بننے والی فلموں سے کئی کبیرہ گناہوں کے دروازے کھل جانے کا خطرہ ہے بلکہ بعض اوقات کفر میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسلام میں کسی بھی نبی کا استہزا و مذاق اڑانا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت وتقدس کی خاطر استہزاء تو کیا استہزا کے شائبہ سے بھی منع فرمایا ہے۔ ان فلموں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو انتہائی ذلت آمیز حالات میں دکھایا جاتا ہے اور حقارت آمیز القابات سے پکارا جاتا ہے جس سے ان الفاظ کے ادا کرنے والے کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں لیکن دیکھنے اور سننے والے بھی ان الفاظ کے اثر سے محفوظ نہیں رہتے اور یہ خطرہ موجود ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے استہزاء کو معمولی سمجھ کر اس میں مبتلا ہو جائیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام، فرشتوں اور شعائر دین کا استخفاف چاہے بغیر ارادے کے ہو، کفر ہے۔ الدر المختار میں ہے کہ ”جس نے کسی بھی نبی کا لفظاً مذاق اڑایا تو وہ مرتد ہو گیا، اگر چہ اس کا عقیدہ استخفاف کا نہ ہو۔“ (الدر المختار ج4، ص222) امداد الاحکام میں انبیاء کرام علیہم السلام یا شعائرِ دین کی تحقیر کے متعلق لکھا ہے کہ خواہ استہزاء و استخفاف کا قصد نہ کیا ہو، تب بھی استخفاف دین سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (جلد اول ص 150) جب کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ احکامِ الٰہیہ کا استخفاف تو ایسی چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے ،وہ بھی کفر عظیم ہے، چہ جائیکہ منافقین کی طرح ازراہِ شرارت و بد باطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔ (تفسیر عثمانی ص 162) ان فلموں میں فلمی اداکاروں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی صورت میں اور فرشتوں کو انسانی صورت میں پیش کرنے سے ان ہستیوں کا

استخفاف کیا گیا ہے جو دیکھنے والوں کے ذہنوں میں بھی ان کی استخفاف وتحقیر کا بیج بو دیتا ہے۔اسی طرح قرآن کریم میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ نبی کو عام انسانوں کی طرح پکارا جائے، جب کہ ان فلموں میں نبی کا کردار پیش کرنے والے کونہایت عامیانہ لہجے میں پکارا جاتا ہے جو دیکھنے والوں کے سامنے مقام نبوت کی منزلت کو گرا دیتا ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام پر بننے والی فلموں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے کردار کو ایسی صورت میں اور ایسے کام کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے جو مقام نبوت کے شایان شان نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے کرداروں کو بغیر کپڑوں کے دکھایا گیا،حضرت یعقوب علیہ السلام کے کردار کو جزع فزع کرتے دکھایا گیا۔حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار کو موسیقی کا شوقین بتایا گیا،حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کو خشخشی داڑھی اور ننگے سر دکھایا گیا۔یہ تمام باتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت وعصمت کو پامال کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

بعض حضرات کا یہ موقف کہ اکثر لوگ ابلاغ کے جدید ذرائع استعمال کرتے ہیں، اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور زندگی کو فلموں کے ذریعے ان تک آسانی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ ان کا یہ موقف ان کی دین سے ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''خیر کبھی شر کی وجہ سے نہیں آسکتی۔'' (صحیح البخاری) اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ شر کسی عملِ خیر کا ذریعہ بنے ،اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی پر بننے والی فلموں میں مذکورہ قباحتوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان فلموں سے لوگوں کو کوئی خیر اور فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ان فلموں میں اس قدر شر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ فرمان کی روشنی میں یہ کسی بھی صورت خیر کا باعث نہیں بن سکتیں۔اسی طرح قاعدہ ہے:''**درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع۔**'' (القواعد الفقهية و تطبيقاتها از محمد مصطفیٰ الزحیلی، ج1،ص239) ''فائدہ کے حاصل کرنے سے مفاسد سے بچنا اولیٰ ہے۔'' اس قاعدے کی رو سے اگر کسی کام میں فائدہ ونقصان برابر ہو،تو نقصان سے بچنے کے

لیے فائدے کو ترک کرنا لازم ہوگا۔ان فلموں کے مفاسد تو لاتعداد ہیں اور فائدہ حاصل ہونے کی امید موہوم ہے۔اس لیے یہ لازم ہے کہ ان فلموں کے یقینی مفاسد سے بچنے کے لیے موہوم فائدہ کو ترک کر دیا جائے اور ان فلموں کی روک تھام کی جائے۔امت مسلمہ پر یہ بات لازم کی گئی ہے کہ جب معاشرے میں کوئی برائی پھیلے تو ہر کسی پر اپنی استطاعت کے مطابق لازم ہے کہ اسے روکے۔چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی پر بننے والی فلمیں لوگوں کے ایمان کے لیے خطرہ ہیں ،اس لیے ان فلموں پر پابندی لگانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ذرائع ابلاغ کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ ان فلموں کی تشہیر اور نشر کرنے سے گریز کریں اور خلاف ورزی کی صورت میں مناسب سزا دی جائے ،جس کی مثال کئی ممالک میں یوٹیوب پر پابندی کی صورت میں موجود ہے۔رہی یہ بات کہ یہ فلمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو ان لوگوں تک پہنچانے کے لیے بنائی جاتی ہیں جو ابلاغ کے جدید ذرائع استعمال کرتے ہیں۔اس کا حل یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو، تمام نصابی کتب میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات شامل کی جائیں۔

کچھ عرصہ قبل سعودی عرب کی کمپنی ''**الشركة العربية للانتاج السينمائى العالمى**'' نے ''محمد رسول اللہ'' کے عنوان سے ایک فلم بنانے کا معاہدہ کیا، جس کے بعد سعودی عرب کے علما سے اس کے متعلق شرعی رہنمائی حاصل کی گئی اور ''**هيئة كبار العلماء**'' نے حضرت محمد ﷺ پر فلم بنانے کی حرمت کا فتویٰ جاری کیا۔اس سے پہلے ''**سعود لجنة دائمه**'' کے فتاویٰ جات میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصویر کشی اور فلم سازی کی حرمت و بطلان پر کبار علما کا فتویٰ شائع ہو چکا ہے۔اس سلسلے میں مکہ معظّمہ کی تنظیم ''رابطہ عالم اسلامی'' کے ذیلی ادارے ''مجمع الفقہ الاسلامی'' (ISLAMIC FIQH ACADEMY) نے بھی اپنی فقہی رائے سے امت کو آگاہ کیا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تصاویر اور فلم بنانا مطلقاً حرام اور سنگین جرم ہے۔ قاہرہ مصر میں ''**مجمع بحوث الاسلاميه**'' نے بھی ایسی فلموں کی حرمت کے فتاویٰ جاری کیے ہیں۔اسی طرح پاکستان میں تمام مکاتب فکر کے دارالافتاء سے متعلق جید علما و

فقہا نے اپنے اپنے فتاویٰ میں ان فلموں کو بنانے ، دیکھنے ،خرید وفروخت کرنے یا تعاون کرنے کو حرام، ضلالت وگمراہی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ ان کے مرتکبین کو اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے مجرم اور سخت گناہگار قرار دیا گیا ہے۔ ان لوگوں پر سچی توبہ لازم ہے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

اس مسئلہ کی تنقیح وتوضیح کی ضرورت اس لیے سمجھی گئی ہے کہ حال ہی میں حضرت یوسف علیہ السلام پر بنائی گئی فلم کوئی ٹی وی چینلز اور کیبل پر قسط وار پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت زکریا علیہم السلام، حضرت مریم علیہا السلام، اصحاب کہف رضی اللہ عنہم ، حضرت مولا علیؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور دیگر جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بنائی گئی فلمیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ (ان فلموں کی سی ڈیز اردو ترجمہ کے سات بڑی وافر مقدار میں مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔) ان فلموں میں کئی مقامات پر نبی کا فرضی کردار ادا کرنے والے اداکار کو اے نبی ،اے یوسف ،اے ابراہیم ،اے پیغمبر کہہ کر پکارا جاتا ہے۔اسی طرح یہ فرضی کردار بھی کئی مقامات پر اپنے ڈائیلاگ سے خود کو اللہ کا پیغمبر کہتے ہیں۔ان فلموں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں سے جن کرداروں کو دکھایا گیا ہے،ان کو بار بار اس طرح پکارا جاتا ہے جیسے کسی عام آدمی کو پکارا جاتا ہے۔ایک شخص کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نام سے کردار دیا گیا ہے جو کئی بار آسمان سے وحی لاتا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر بنائی گئی فلم میں انہیں بازار میں فروخت ہوتے ہوئے زلیخا کی جانب سے آپ سے جنسی تعلق قائم کرنے کی کوشش کرنے کو بھی دکھایا گیا۔فلم کے بعض مناظر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو معاذ اللہ اپنی حاملہ بیوی سے بوس وکنار کرتے ، صاحبزادی کو شراب پیتے ہوئے اور ان کے ساتھ زیادتی کا واقعہ بھی فلمایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو نیم برہنہ حالت، ان کی اپنی خادمہ ہاجرہ کے ساتھ تعلقات اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی فلم کا حصہ ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آنے والی انسانی آواز کو اللہ کی آواز قرار دے کر

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ختنہ کے احکامات دیئے گئے ہیں جبکہ ایک بڑی سی چادر اوڑھے شخص کو اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔''معاذ اللہ'' اس کے ہمراہ دو انسانوں کو فرشتوں کے روپ میں بھی دکھایا گیا ہے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں۔کلام مقدس کے نام سے بنائی گئی فلم میں زمین کی تخلیق کے مراحل کی عکس بندی کے دوران کلین شیو شخص کو مکمل برہنہ حالت میں حضرت آدم علیہ السلام اور مکمل برہنہ عورت کو حضرت حوا کے روپ میں پیش کر کے جنت سے پھل کھانے کے بعد دنیا میں بھیجے جانے کی تفصیلات موجود ہیں۔

وہ فلمیں جنھیں عیسائیوں یا یہودیوں نے تیار کیا ہے،انہوں نے ان میں اپنے باطل عقائد کی پوری طرح آمیزش کردی ہے۔حالانکہ قرآن مجید ان عقائد کا رد کرتا ہے۔مثال کے طور پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا سولی کے نتیجے میں فوت ہوجانا۔یہ عقیدہ اسلام کی نگاہ میں بالکل باطل ہے۔قرآن صراحت سے کہتا ہے:''حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا، نہ صلیب پر چڑھایا، بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا۔'' (النساء:157)

انبیاء کرام علیہم السلام پر فلمیں یا ڈرامے تیار کرنا حکمت بالغہ کے خلاف ہے۔حکمت متقاضی ہے کہ کوئی بھی غیر نبی، نبی کی صورت میں پیش نہ ہو۔ جنات ایسی مخلوق ہے کہ اسے انسانی شکل دھارنے کا اختیار دیا گیا ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں جنوں سے یہ صلاحیت و اختیار سلب کرلیا گیا ہے۔جنوں سے اختیار سلب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ پیغمبر کی شخصیت کو بے کار محل سے محفوظ رکھا جائے۔ان فلموں میں اسی حکمت کے خلاف تکلفاً پیغمبر کے روپ میں غیر نبی کو دکھایا جاتا ہے۔ ان فلموں میں توہین انبیاء کرام علیہم السلام سے ہٹ کر بعض احکامات کو غلط انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جیسا کہ ''عمل ختنہ'' کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب کیا گیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ان سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح یعنی قربان ہونے والا دکھایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ذبیح حضرت اسماعیل

علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ فلم ''دی میسج'' (The Message) میں ایک اداکار کو ابو جہل دکھایا گیا ہے جو نعوذ باللہ حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہہ رہا ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں بدترین گستاخی و توہین کا ارتکاب ہے۔ یہ ناپاک حرکت خواہ نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے ہو یا غیر مسلموں کی طرف سے، نہایت قابل مذمت ہے۔ اس قسم کی ویڈیوز اور سی ڈیز مارکیٹ میں کھلے عام فروخت ہو رہی ہیں بلکہ کئی ایک پرائیویٹ چینل اس گھناؤنے جرم میں پیش پیش ہے۔ مقامی کیبل آپریٹرز بھی اس گناہ کبیرہ میں برابر کے شریک ہیں۔

یہ طوفانِ بداطواری محض اس مقام پر تھم نہیں گیا ہے بلکہ اسے غالباً الحاد و کفر کی جس منتہا تک لے جانے کی کوشش و سعی کی گئی تھی، وہ اب ظلم وعدوان کی منزل تک پہنچا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے کہ ان چینلز نے نعوذ باللہ امام الانبیاء سیدالرسل حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تصویر بھی شائع کر دی ہے اور جن قارئین کو یہ تصویر دیکھنے کا حادثہ پیش آیا ہے، انہیں اب اس حقیقت کو بھانپ لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ زنادقہ کا یہ گروہ پیغمبر اسلام ﷺ سے کس درجہ بغض وعداوت رکھتا ہے۔ یہ لوگ ان تصاویر کے ذریعے غیر محسوس انداز سے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت و شخصیت کا اصل روپ مسخ کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ اپنے ظنون و اوہام کا پرچار اسلام کے نام پر صرف اسی لیے کرتے ہیں کہ خود میں اسلام سے اعلانیہ مقابلہ کی ہمت نہیں پاتے، لہٰذا اہل اسلام کی صفوں میں داخل ہو کر اپنی دسیسہ کاریوں کے ذریعے ملت اسلام کی کامل شکست اور یہود کی فتح وکامرانی کے منتظر ہیں اور اپنی سازشوں اور شرانگیزیوں کا جال بچھانے میں مصروف عمل ہیں۔

تمام پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے معصوم عن الخطا رکھا ہے۔ عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا تقاضا ہے کہ ان خدا رسیدہ ہستیوں سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہو جسے اللہ نے محرمات کی فہرست میں شامل کیا ہے اور کوئی ایسا عمل ترک نہ ہو جائے جس کو شریعتِ اسلام میں واجب کا درجہ حاصل ہے۔ مگر ان فلموں میں فرضی پیغمبر ایسے خلافِ شریعت

کام بھی کرتا ہے جن کا تصور ایک نبی سے تو کجا، زہد وورع کے بنیادی اوصاف رکھنے والے مسلمان سے بھی مشکل ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر ان فلموں میں دکھایا گیا ہے کہ فرضی نبی غیر محرم عورتوں کے ساتھ بے پردہ گھومتا ہے۔اسی طرح عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ بھی تقاضا ہے کہ وہ خلعتِ نبوت ورسالت جس کے ذریعے سے اللہ نے ان کو زینت بخشی ہے، وہ کسی غیر نبی کو نہ پہنایا جائے، نہ حقیقتاً اور نہ ڈرامائی اسلوب میں۔اس معاملے میں بھی ان فلموں سے سخت بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔وہ بہروپیے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کا کردار پیش کر رہے ہوتے ہیں، یعنی جن کو فرضی نبی یا فرضی صحابی بنایا گیا ہوتا ہے، وہ اپنی تمام حرکات وسکنات ایک نبی کے فرضی قالب میں سامنے لاتے ہیں اور فلم کے دوسرے کردار ان کو نبی کے نام، مثلاً یوسف یا موسیٰ سے ہی پکارتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فلم بینوں کی باہمی گفتگو میں بھی اس فرضی کردار کو نبی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہ طرزِ عمل عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام کو پامال کرنے والا ہے۔

تاریخ نے جن مشہور شخصیات کے تذکروں کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے، ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی پوری زندگی ایک مربوط کہانی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام کی صورت حال بہت مختلف ہے۔ان کے ٹھیک ٹھیک حالات بس اسی قدر ہمارے سامنے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب نے بیان کر دیا ہے اور قرآن مجید کا ایک عام ناظر بخوبی جان لیتا ہے کہ یہ بیانات قصہ گوئی کی قبیل سے نہیں ہیں بلکہ حالات کے پیشِ نظر مخاطبین کی اصلاح ودرستی اور سبق آموزی کے لیے گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اقوام کا اتنا ہی تذکرہ کیا جاتا ہے جسے مخاطبین کی موجود صورت حال پر منطبق کرنا حکمت بالغہ کا تقاضا قرار پاتا ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ تاریخی شہادات میں ہے، وہ سخت اختلافی اور کم مایہ ہے۔کہانی اور قصوں کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان میں واقعات کا تسلسل اور ربط برقرار رہے تا کہ قاری اس قسم کی تحریر سے ذوق ادب کی تسکین کا سامان مہیا کر سکے۔اسی لیے کہانی کی کتابوں، ناولوں، ادبی شہ پاروں، تاریخی روایات اور سیرت وسوانح کا بنیادی

اسلوب نگارش ہی بہت مختلف ہوتا ہے۔کہانی لکھتے ہوئے مصنف بہت سے واقعات اور بیانات خود سے فرض کرتے ہوئے احاطہ تحریر میں لے آتا ہے،جن کو بر بنائے حقیقت جانچا جائے تو وہ محض جھوٹی داستان قرار پائیں گے۔مثال کے طور پر اردو میں لکھے گئے تاریخی ناول اور تاریخی شخصیات پر مرتب کی گئی کہانیاں جو التمش، عنایت اللہ اور اسلم راہی وغیرہ کی کتابوں میں ہمیں ملتی ہیں،ان میں بیسیوں واقعات مصنفوں کے مخترعات ہیں،حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔جبکہ دوسری طرف تاریخ و سیر کی کتابوں میں روایات وتفحص کے بعد ہی انہیں درج کیا جاتا ہے،لہٰذا غیر ثابت شدہ بیانات قطعی طور پر مسترد کر دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے یہ سب کچھ ایسی کہانی کی صورت اختیار نہیں کرتا جس کے تمام واقعات بالترتیب ایک دوسرے سے پیوست ہوں۔ان فلموں میں چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام وصحابہ کرامؓ کی پوری کہانی فلمائی جاتی ہے،لہٰذا بہت سے واقعات فلم کی کامیابی اور ریٹنگ کے لیے خود گھڑ لیے جاتے ہیں۔حالاں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں اس طرح کا جھوٹ وضع کرنا غیر معمولی جرم ہے۔

ان فلموں میں جو لوگ پیغمبر کے مخالفین اور حق کے منکرین کا کردار ادا کریں گے اور یہ کہانی کی ضرورت ہے،وہ ظاہر ہے کہ لات ومنات کی قسمیں اُٹھائیں گے،نبی اور رسول کو دیوانہ اور مجنون کہیں گے،نازیبا الفاظ کا استعمال ہوگا اور ائمہ سنت کے حسب تصریح یہ سب وہ اعمال ہیں جن کا محض تلفظ بھی کفر ہے،چنانچہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم کیا ہوگا!

ان فلموں کا ایک سنگین پہلو یہ ہے کہ ان میں ایسے مرد اور خواتین انبیاء،صحابہ اور صحابیات کا کردار پیش کرتے ہیں جن کو شاید پوری طرح مسلمان بھی نہ کہا جا سکے۔یہ وہ لوگ ہے جو معاشرے میں فحاشی وعریانی اور بے حیائی و بدکاری کی علامت ہیں۔ان کا کردار یہ ہے کہ یہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ اختلاط ہی نہیں،معاشرے کے دیگر جرائم (شراب و شباب وغیرہ) میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔اداکار خواتین وہ ہیں جو بالکل بے پردہ رہنے والی اور بے حیائی کا مظہر ہوتی ہیں۔وہ محافلِ رقص وسرور کی زینت بنتی

اور پوری دنیا کے سامنے اپنے اعضائے جسم کی عریاں نمائش کرتی ہیں۔ کس قدر لغو اور بے ہودہ حرکت ہے کہ اس قماش کے لوگوں کو عزت مآب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور عفت مآب صحابیاتؓ اور عائلاتِ انبیاء کے روپ میں پردہ سیمیں پر دکھایا جائے۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی کھلی تذلیل ہے، جس پر ایک ایمان دار کسی طور خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس طرح کی فلموں سے لگاؤ کا یقینی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید، جو مخزن العلوم ہے، سے تعلق اور تالف ختم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص بجائے اس کے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات قرآن مجید میں پڑھے اور ان سے درس ونصیحت حاصل کرے، وہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر سی ڈیز اور سنیما کی طرف متوجہ رہے گا۔ جب کہ اسلام جس نفسیات کو پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان تمام تر رہنمائی قرآن وسنت سے اخذ کرے اور اس کا دل ان میں ہی قرار پائے۔

بعض لوگ ان فلموں کے حق میں یہ دلیل رکھتے ہیں کہ ان سے تبلیغی مصلحت حاصل کی جاتی ہے۔ یہ فلمیں انبیاء کرام علیہم السلام اور قرآن کی دعوت کو پھیلانے کا ذریعہ ہیں۔ یہ دلیل نہ صرف یہ کہ شرعی لحاظ سے غیر معتبر بلکہ صورت واقعہ کے خلاف بھی ہے۔ تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نوع کی فلمیں اور ڈرامے دیکھ کر نہ کوئی پابندِ صوم وصلوٰۃ ہوا ہے اور نہ اخروی کامیابی کی کوئی امنگ اس کے قلب وذہن میں پیدا ہوئی ہے۔ یہ نعمتیں صرف حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی کامل پیروی ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اوپر جن مفاسد کی نشان دہی کی گئی ہے، ان کی موجودگی میں ان فلموں کی تھوڑی بہت مصلحت کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ فقہا کے ہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ ''منفعت کو قبول کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ مضرتوں سے بچاؤ حاصل کر لیا جائے۔'' جب یہ طے ہے کہ اس طرح فلموں کے مزعومہ فوائد کے بالمقابل ان کے منفی پہلو کہیں زیادہ سنگین اور تباہ کن ہیں تو انہیں مسلم معاشروں میں کسی طور گوارا نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس طرح کی لغویات کا سختی سے بائیکاٹ ہی تعلیمات اسلام اور مقاصد شریعت کا حقیقی تقاضا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو مقدس اور قابل احترام جاننے اور ماننے کے دعوے کے بعد عیسائیوں کی، اس طرح کی نازیبا اور سوقیانہ حرکتیں کرنا، انتہائی شرمناک، افسوس ناک اور ناقابل فہم ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ خود عیسائی نادانستہ طور پر یہودی لابی کی سازشوں کا شکار ہو رہے ہوں جیسا کہ کلام مقدس کے نام کی سی ڈی کے ڈیزائن میں یہودیوں کا مشہور و معروف چھ کونوں والا ستارہ ✡ نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے۔ دختران پولوس نامی عیسائی تنظیم ان سی ڈیز کی نشر و اشاعت کا کام کر رہی ہے' حالانکہ پولوس در پردہ کٹر یہودی تھا جو عیسائی مذہب کو بگاڑنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں شامل ہوا تھا اور اسی کی سازشوں سے عیسائی مذہب کو بہت زیادہ نقصان ہوا اور اپنی اصلی صورت تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد کھو بیٹھا۔ غالباً موجودہ زمانے میں اسی پولوس کے نام پر یہ دختران پولوس نامی تنظیم اسی کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے کام کر رہی ہے' تاکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا جو احترام عیسائیوں کے دلوں میں ہے، اس کو ان کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ بہر حال اس کے پیچھے محرکات جو بھی ہوں، انبیاء کرام علیہم السلام مسلمانوں کے ہاں معصوم اور گناہوں سے پاک ہستیاں ہیں، جیسے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین و تنقیص کفر اور موجب سزائے موت ہے، اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام یا ان میں سے کسی ایک نبی علیہ السلام کے بارے میں فلمیں بنانا، عام گناہگار انسانوں کو انبیاء کرام جیسی معصوم اور مقدس ہستیوں کے طور پر پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ کے معصوم اور مقدس انبیاء کرام علیہم السلام کو نازیبا حرکتیں کرتے ہوئے دکھانا، انبیاء کرام علیہم السلام کی کھلی توہین و تنقیص ہے۔

اسی طرح سید الشہدا سیدنا حضرت حمزہؓ کا مقام و مرتبہ دین اسلام میں بہت زیادہ ہے۔ ہر مسلمان اپنے دل میں ان سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتا ہے۔ آپؓ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے شیر ہیں۔ اہل بیت عظامؓ میں ان کا منفرد مقام ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ آپؓ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ آپؓ کی شہادت پر رسول رحمت ﷺ بے حد رنجیدہ، افسردہ اور غصے میں تھے۔ صحابہ کرامؓ کا

کہنا تھا کہ آپ ﷺ کبھی اس قدر نہیں روئے جتنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر۔ خدشہ تھا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ شدت غم سے بے ہوش نہ ہو جائیں۔ حضرت حمزہؓ ایسی نابغہ روزگار ہستی اہل اسلام کے لیے تا قیامت ہیرو کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ یا ادارے محض پیسے کمانے کے لیے ایسی مقدس شخصیت پر فلمیں اور ڈرامے بنا کر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بالخصوص 1976ء میں بنائی گئی فلم دی میسج "The Message" میں حضرت حمزہؓ کا فرضی کردار ہالی وڈ کے معروف عیسائی اداکار انتھونی کوئین Anthony Quinn نے ادا کیا۔ اندازہ لگائیں کہاں سید الشہدا، اسد اللہ و اسد الرسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور کہاں اداکار Anthony Quinn انتھونی کوئین۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس گستاخانہ فلم میں 313 بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرضی کردار بھی فلمایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت بلال حبشیؓ کو اذان دیتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ تو ایسے خوش نصیب اور نیک بخت افراد ہیں جنھیں آقائے کائنات، سید المرسلین، خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت، قرب اور خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان ایسے نفوس قدسیہ قیامت تک نہیں پیدا ہو سکتے۔ پھر بھلا کوئی شخص ان کا کردار ادا کرنے کے لیے کیسے ان کا روپ دھار سکتا ہے؟ ان نفوس قدسیہ کی عظمت و فضیلت قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے اور یہ فضیلت لافانی اور لاثانی ہے، اسے متعارف کروانے کے لیے کسی فلم یا ڈرامہ کی ضرورت نہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ایسی فلمیں اصلاح امت کے لیے ہیں جبکہ میرے نزدیک اس سے اصلاح نہیں بلکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: ’’اس امت کے آخری طبقہ کی اصلاح صرف اسی طریقے سے ممکن ہے جس طرح پہلے طبقے کی اصلاح ہوئی۔‘‘ جب اس امت کے پہلے طبقہ کی اصلاح ان فلموں اور ڈراموں کے ذریعے نہیں ہوئی تو موجودہ طبقہ کی اصلاح فلموں اور ڈراموں سے کیسے کی جا سکتی ہے؟ اسی طرح بعض نام نہاد دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ فلم بھلائی کی نیت سے تیار کی گئی ہے۔ یہ دلیل بھی نہایت مضحکہ خیز ہے۔ حضور

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''بھلائی ہمیشہ بھلائی کے ذریعے ہی آتی ہے۔''
(آپ ﷺ نے تاکید کے طور پر یہ بات تین دفعہ دہرائی)۔ دین اسلام کی مقدس ہستیوں پر فلمیں بنانا کہاں کی بھلائی اور کہاں کی تبلیغ ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو محض دھوکہ دینے کے لیے تخریب کا نام تبلیغ اور برائی کا نام بھلائی رکھ دیا ہے۔ بدقسمتی سے کئی سادہ لوح مسلمان اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس طرح کی فلمیں دیکھنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ کا نام ذہن میں آتے ہی ان کرداروں کے خدوخال اور شبیہ سامنے آ جاتی ہے۔ ایک دفعہ فلم دیکھ لینے کے بعد ان کرداروں کو ذہن سے محو کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ اس کفر وارتداد پھیلانے والی سی ڈیز کو ضبط کر کے ضائع کرے اور آئندہ کے لیے ایسا قانون پاس کرے جس سے ایسے کفریہ وتوہین آمیز کاموں کا سدِباب ہو سکے جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ یہ سی ڈیز باہر سے درآمد کی گئیں ہیں تو حکومت وقت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان ''سی ڈیز'' کے درآمد کرنے والوں اور تمام متعلقہ افراد کو عبرت ناک سزا دے اور ان سے سخت باز پرس کر کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ اس کے ساتھ علماء کرام اور عوام کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ ان سی ڈیز کے خلاف آواز بلند کریں اور ان کی بندش وضبطی کی ہر ممکن کوشش کریں۔ تاجر حضرات ان کی خرید وفروخت سے کلیۃً باز آئیں کہ ان کی خرید وفروخت ناجائز وحرام ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایسی تمام فلموں کا مکمل بائیکاٹ کرے اور آئینی وقانونی دائرے میں رہتے ہوئے اس کے خلاف ضروری کارروائی کرے۔ لاہور ہائی کورٹ کے جناب جسٹس اعجاز الحسن نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بنام حکومت پاکستان کیس نمبر W.P.No.23306/12 مورخہ 19 ستمبر 2012ء میں اپنے ایک فیصلہ میں کہا کہ ایسی تمام فلمیں جن میں انبیاء کرام یا صحابہ کرامؓ کے فرضی کردار فلمائے گئے ہیں، غیر قانونی ہیں۔ انھوں نے اپنے فیصلہ میں ایسی تمام فلموں کی ٹی وی چینلز یا کیبلز کے ذریعے نمائش، سی ڈیز، ویڈیوز وغیرہ پر پابندی عائد کی اور قانون نافذ

کرنے والے اداروں کو حکم دیا کہ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔

اعتراض نمبر 31

معترضین کا کہنا ہے کہ سوشل میڈیا پر بعض ایکٹی وسٹس اور روشن خیال بلاگرز کو مذہب کے نام پر ان کی علمی اور اخلاقی پوسٹوں پر نا صرف ہراساں کیا جاتا ہے بلکہ ان کے خلاف سائبر کرائم کے تحت مقدمات بھی درج کروائے جاتے ہیں۔ چونکہ مخالفین کے پاس ان کی علمی پوسٹوں کا جواب نہیں ہوتا، اس لیے وہ آزادی اظہار کے خلاف ایسا کرتے ہیں۔

جواب: اسلام اپنے مخالفین کے جذبات کا اس قدر لحاظ رکھتا ہے کہ ان کے جھوٹے اور باطل عقائد کے خلاف مخصوص آداب و حدود سے متجاوز ہو کر رائے زنی نہیں کرنے دیتا تو حقیقت میں وہ غیروں کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ جو عقائد چاہیں رکھیں اور جن آرا کو چاہیں اختیار کریں، انھیں جبراً عقائد کو چھوڑنے اور رائے تبدیل کرنے کی سطح پر نہیں لایا جائے گا۔ البتہ جس طرح ان کی دل آزاری کی مسلم معاشرے کے افراد کو اجازت نہیں، ٹھیک اسی اصول کے تحت ان کے لیے بھی ہرگز یہ روا اور جائز نہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑائیں، قرآن کی توہین کریں یا سید الانبیاء حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ایسی ہرزہ سرائی اور بدزبانی کریں جو مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرے۔ وہ اپنے عقائد پر قائم رہنے میں آزاد ہیں لیکن اسلامی عقائد پر حملے کرنے کو ان کا حق آزادی اظہار نہیں مانا جا سکتا۔ آج کے معروف و مشہور افکار میں سے وہ چاہیں تو سیکولرازم کو اپنائیں یا کمیونزم یا سوشلزم کو۔ مغربی تہذیب کے گن گائیں یا عیسائیت و یہودیت میں سے کسی کے محاسن گنوائیں۔ لیکن انھیں اس بات کی اجازت

ہرگز نہیں دی جا سکتی کہ مسلمان معاشرے میں رہتے ہوئے وہ اسلام کے خلاف جو چاہیں کہتے پھریں اور کہنے میں جو انداز اور جو الفاظ چاہیں، استعمال کرتے پھریں۔ عمل اور ردعمل اور علت اور معلول کا قانون ہر کہیں بروئے ظہور آتا ہے۔ مسلمان کے عقائد پر حملہ ہوگا، اس کے دین کی تحقیر کی جائے گی، اس کے ایمان کی اساس پر وار ہوگا اور اس کے مرکز عقیدت پر ضرب لگائی جائے گی اور اس کے نبی ﷺ اور قرآن کے بارے میں زبان درازی کا مظاہرہ ہوگا تو اس کے اندر غیظ و غضب کے جذبات کا ابھرنا عین فطری ہوگا۔ مغرب کا دینی حمیت سے بے گانہ معاشرہ اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ مسلمان کے لیے دین و ایمان کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اس معاشرے کی بے روح دانش یہ جانتی ہی نہیں کہ مسلمان بے عمل اور گناہ گار تو ہو سکتا ہے لیکن اگر اس کے اندر دینی حس جاری و ساری ہو تو وہ بے غیرت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ناموس دین اور آبروئے رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے جان کو قربان کر دینا بہت کم قیمت سمجھتا ہے۔ وہ راہ حق میں جان کا نذرانہ دے کر بھی بہ انداز تاسف یہی کہتا ہے:

جاں دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں جنم لینے والے خوفناک فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ فکری الحاد اور آزادی اظہار کا ہے جس کا مقصد امت مسلمہ کو اس کے روشن ماضی سے کاٹ کر اسے دین اسلام کی چودہ سو سالہ متفقہ متوارث تعبیر سے محروم کر دینا ہے۔ یہ نام نہاد روشن خیال طبقہ جو فسطائی طاقتوں اور مغربی آقاؤں کا زرخرید غلام ہے، سوشل میڈیا پر قرآن و حدیث کی ایسی من مانی تشریحات کرتا ہے جو سراسر توہین کے زمرے میں آتی ہیں۔ اسلام کے مبنی بر فطرت احکامات کو عقل کے ترازو میں تولتا ہے۔ اگر یہ ان کی موٹی عقلوں میں سما جائے تو ٹھیک ورنہ ان کی ایسی لایعنی تاویلات کرتا ہے کہ الامان الحفیظ۔ جدیدیت کے اس سیلاب بلاخیز کو ایک طرف تو اسلام دشمن عناصر کا سہارا ہے تو دوسری طرف میڈیا کی پشت پناہی۔ مغرب کے پروردہ جن بدباطن اور کج فکر لوگوں نے

اسلام کی پاکیزہ شبیہ کو مسخ کرنے میں اہم رول ادا کیا، ان میں جہاں ملعون سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین ایسے گستاخ افراد سرفہرست ہیں، وہاں دین بیزار اور دریدہ دہن سیکولر بلاگرز بھی شامل ہیں۔

تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہر مسلمان کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے والا وہ گراں قدر جوہر ہے جو اس کے ایمان کی بنیادی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ فریب خوردگانِ مغرب کے نزدیک یہ دولت گراں مایہ محض جذباتیت ہے۔ سوشل میڈیا پر اسلام بے زار بلاگرز ہماری نوجوان نسل کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے، انہیں ارتداد کی راہ پر ڈالنے، اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانے، شعائر اسلامی کا تمسخر اڑانے، پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے دینی وتہذیبی اقدار کو پامال کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ رحمت للعالمین اور محسن انسانیت ہونے کے ناتے محترم اعظم بھی ہیں۔ اگر دنیا کے لوگ پلیٹو، ارسطو، کولمبس، رابٹ کوچ، لاویسرز، آئن سٹائن، نیوٹن، ہاکنگ، ہیروڈوٹس، جارج واشنگٹن، نپولین، گاندھی اور حتیٰ کہ آج کل کے حکمرانوں کا نام عزت سے لیتے ہیں اور ان کے نام کے ساتھ نہ جانے کتنے ادارے اور اصلاحی کاموں کو جوڑتے ہیں تو کس بنیاد پر نبی محترم ﷺ کی شخصیتِ اعظم پر کسی کا کیچڑ اچھالنا سراہا جائے اور اس کا یہ مکروہ بیانیہ کیسے علمی مانا جائے؟ کیا آزادی اظہار کی آڑ میں سوشل میڈیا پر حضور نبی کریم ﷺ کی ذات و صفات کو نشانہ بنانے والی پوسٹیں علمی اور اخلاقی کہلاتی ہیں؟

2017ء میں اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے جناب سلمان شاہد سمیت کئی محبان رسول نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں آئینی درخواست دائر کی جس میں انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ سلمان حیدر، احمد وقاص گورایہ، عاصم سعید، احمد رضا نصیر اور ثمر عباس نامی اشخاص اور اُن کے دیگر ساتھی فیس بک پر بھینسا، موچی اور روشنی کے نام سے پیجز چلا رہے ہیں جن میں حضور نبی کریم ﷺ، اہل بیت، صحابہ کرام، امہات المومنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)، قرآن مجید اور حتیٰ کہ اللہ رب العزت کی شان میں

انتہائی گستاخانہ مواد بصورت خاکے، تصاویر، تحریر، اور وڈیوز نشر کیا جا رہا ہے۔ سائل نے اپنی آئینی درخواست میں درخواست کے ساتھ متعلقہ گستاخانہ مواد بھی بطور ثبوت منسلک کیا۔ سائلین نے اپنی درخواست میں یہ موقف بھی اختیار کیا کہ اُس نے ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے اسلام آباد کو مرتکبین گستاخی رسالت، توہین دین، توہین اصحاب رسول، توہین امہات المومنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور توہین شعائر اسلام کے خلاف انسدادِ دہشت گردی ایکٹ، **295/C** تعزیرات پاکستان اور دیگر دفعات کے تحت فوری مقدمہ درج کرنے کی درخواست کی۔ سائلین نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایف آئی اے نے شروع میں معاملے میں کچھ مستعدی دکھائی لیکن پھر اچانک اس معاملے پر عمل درآمد روک دیا گیا۔ سائلین نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ سوشل میڈیا پر ان پیجز کو بلاک نہیں کیا گیا اور اس طرح ریاستی ادارے بالخصوص انتظامیہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں ناکام ہیں، لہٰذا عدالت سے استدعا کی گئی کہ وزارت اطلاعات، ایف آئی اے اور پی ٹی اے کو ہدایت کی جائے کہ وہ سوشل میڈیا پر بھینسا، مچھر، موچی اور اسی طرح کے دیگر صفحات اور آئی ڈیز جو کہ گستاخانہ الفاظ ، خاکے اور وڈیوز کے ذریعے توہین رسالت ﷺ، توہین، صحابہ، توہین امہات المؤمنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)، توہین کتاب اللہ قرآن پاک اور حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی توہین کے مرتکب ہیں، کو فی الفور بند کریں۔ حکومت پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ وہ ایف آئی اے پر اس معاملے کی تفتیش، تحقیق، اصلی مجرموں تک رسائی اور اُن کے خلاف فوجداری کارروائی کے معاملہ میں بے جا دخل اندازی اور اس معاملے میں غیر قانونی اثر ورسوخ ڈالنے سے باز وممنوع رہے۔

7 مارچ **2017**ء کو اسلام آباد ہائی کورٹ میں اس اہم کیس کی سماعت شروع ہوئی تو جناب جسٹس شوکت عزیز صدیقی کو اللہ تعالیٰ، حضور نبی کریم ﷺ، قرآن مجید، صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؓ اور امہات المومنینؓ کی شان میں ایسا انتہائی گستاخانہ مواد (تصاویر، خاکے، تحریر، وڈیوز وغیرہ) دکھایا گیا جو مذکورہ ملزمان نے فیس بک پر اپ لوڈ کیا تھا۔ یہ گستاخانہ مواد دیکھنے کے بعد محترم جسٹس صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار

کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

❑ ''حقیقت یہ ہے کہ عدالت ہذا کے روبرو ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا ہے کہ جس کی تفصیلات نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ آنکھوں کی اشک باری تو ایک فطری تقاضا تھا، میری روح بھی تڑپ کر رہ گئی۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران اپنے دل و دماغ پر گزرنے والی کیفیت الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ قانون کے طلبہ کی نظر میں ایک جج کی ایسی کیفیت کچھ نرالی تصور کی جاتی ہے اور یہ خدشہ رہتا ہے کہ جذبات میں شاید انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے لیکن یہ مقدمہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ذرا مختلف ہے کیونکہ اس مقدمے میں عدالت کو کسی فریق کے ذاتی جھگڑے یا حق کا تصفیہ نہیں کرنا بلکہ اپنے نظر ثانی کے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے، ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بقا، سلامتی اور تحفظ کے ضمن میں اپنی آئینی و قانونی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران یہ احساس بھی دامن گیر رہا کہ خود آقائے دو جہاں رسول پاک ﷺ کی ذات گرامی مجھ سمیت ہر کلمہ گو سے یہ سوال کر رہی ہے کہ جب اللہ رحیم و کریم، میرے اور میرے اہل بیتؓ، برگزیدہ صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کے متعلق غلیظ ترین الفاظ، بے ہودہ ترین ویڈیوز، واہیات ترین خاکے اور بدترین پوسٹس انتہائی ڈھٹائی، دیدہ دلیری اور تواتر کے ساتھ سوشل میڈیا کے توسط سے پھیلائی جا رہی ہیں، تو تمھیں نیند کیسے آ رہی ہے؟ تمہاری سانسوں کی آمد و رفت کا تسلسل کیسے برقرار ہے؟ تمہاری زندگی میں روانی، تمہارے شب و روز میں چین وسکون اور تمہارے معاملات میں توازن کیسے قائم ہے؟ اس مقدمے کی سماعت کے دوران یہ خوف بھی رہا کہ کیا سوشل میڈیا پر ایسے گھٹیا، شرم و حیا سے عاری اور تمام اخلاقی حدود سے ماورا پھیلائے گئے تحریری، تصویری اور بصری مواد کی موجودگی میں ہم شافع محشر، ساقی کوثر، سرور انسانیت ﷺ کو قیامت کے روز کوئی عذر پیش کرنے کے قابل ہوں گے؟ جو مواد عدالت کے سامنے پیش کیا گیا، اس کو دیکھ کر غلیظ، بے ہودہ اور بے شرم جیسے الفاظ بہت ہی حقیر محسوس ہوتے ہیں۔ بالعموم جج صاحبان عدالتی فیصلے تحریر کرتے

وقت ایسے الفاظ سے گریز کرتے ہیں۔لیکن اس فیصلے کے حالات و واقعات کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ میں اپنے آپ کو صورتِ حال کی وضاحت کے لیے با دل ناخواستہ ایسے نامطلوب الفاظ کے استعمال پر مجبور پاتا ہوں۔ میرا ضمیر اور قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ مواد اس فیصلے میں نقل کروں، چونکہ ایسا کرنے سے گستاخانہ مواد کو تحفظ ملنے کا خدشہ اور تاریخ کا حصہ بن جانے کا احتمال ہے لہٰذا، اس مقدمے میں بطور استشہاد یا بطور حوالہ اس مواد کو نقل کرنے سے اجتناب میں ہی حکمت پنہاں ہے۔

بد قسمتی سے سوشل میڈیا پر اس مواد کو ایک شرمناک مہم کے ذریعے تواتر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے اور سوشل میڈیا سے منسلک افراد جو کہ بلاشبہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، اس مکروہ فعل سے آگاہ ہیں۔ اس گستاخانہ مواد نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں بجا طور پر اضطراب اور غم و غصے کی آگ سلگا دی ہے اور ان کی قوت برداشت اور صبر کا پیمانہ چھلکنے کو ہے، ان کے ایمان وعشق کے جذبات پر ایسی کاری ضرب لگائی گئی ہے کہ ان کا جگر چھلنی اور روح گھائل ہے۔ ان کے احساسات کو اس بری طرح سے مجروح کیا گیا ہے کہ وہ خود کو بے بسی کے عالم میں ایک مجرم سمجھنے لگے ہیں۔ ایسے نازک حالات میں یہ عدالت ایک خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ یہ عدالت اپنی نوجوان نسل کو، جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں سوشل میڈیا سے وابستہ ہے، بے بسی، مایوسی، پریشانی، اضطراب اور احساس ندامت کی ایسی بھیانک دلدل میں نہیں دھکیل سکتی، جہاں وہ خود کو ایسے نامراد اور بدبخت گستاخوں کے خلاف کوئی قانونی اقدام اور کارروائی کرنے سے مایوس پاتے ہوں۔ عدالت خلا میں سفر کرنے والے کسی سیارے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے حکم کی مانند ہے جو معاشرے کی نبض شناس ہو۔ یہ عدالت پاکستانی عوام کی توقعات اور عزم، جو دستور پاکستان میں ایک عمرانی معاہدے کی حیثیت سے عیاں ہے، سے پوری طرح واقف ہے۔ دورانِ سماعت مقدمہ، اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالت عالیہ کا ایک جج ہونے کی حیثیت سے یہ فکر بھی میرے دامن گیر رہی کہ اس مقدمے کی سماعت میں کسی قسم کی کوتاہی میرے اس حلف کو بھی داغ دار نہ

کردے، جو میں نے دستور پاکستان کے تحت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کے لیا ہے۔ لہٰذا، اس مقدمے (کی سماعت کے دوران) میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ حتی المقدور ان تمام عوامل کا تدارک اور سدباب کیا جاسکے اور ایسے تمام راستے مسدود کیے جاسکیں جن کے ذریعے چند عاقبت نا اندیش، نبی مہربان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر حملہ آور ہورہے ہیں۔" (PLD 2017 Islamabad 218/228, 229)

اسی تسلسل میں جناب جسٹس صاحب مزید لکھتے ہیں:

- "عدالت پوری یکسوئی سے اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ریاستی اداروں کے ذمہ داروں کو، حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر کے ساتھ پاکستانی قوم کی وابستگی اور عشق و محبت کی گہرائی کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ حضور شفیع المسلمین والمرسلین ہیں۔ ان کی ذات پر حملے یا ان کی شان میں گستاخی، متقی و پرہیزگار و دنیا دار اور گناہ گار کوئی مسلمان بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ بے علم و بے عمل مسلمان بھی اتنا شعور بہرحال ضرور رکھتا ہے کہ روزِ محشر جب خون کے رشتے اجنبی بن جائیں گے، دوست احباب کنارہ کش ہوجائیں گے اور مال و اسباب حیثیت کھو بیٹھیں گے تو اس کیفیت میں اللہ کریم سے گناہوں کی معافی کے لیے آپ ﷺ ہی شفاعت فرمائیں گے۔ اس لیے یہ مذہبی جنوں کا معاملہ نہیں بلکہ ایمان کی پونجی ہے جو اخروی زندگی کے لیے کامیابی کا واحد حوالہ ہے، جسے کوئی مسلمان خواہ اس کے روز و شب، مطلوب (معیار کے) مسلمان جیسے نہ بھی ہوں، تب بھی آپ ﷺ کے ساتھ عشق کی حرارت میں صاحبانِ عمل سے پیچھے نہیں رہتا اور اس کو سرمایہ حیات سمجھتا ہے۔"

(PLD 2017 Islamabad 218/351)

توہین رسالت کے مرتکب کے خلاف جب کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوتی تو ردعمل کے طور پر محبت رسول ﷺ میں سرشار ایک مسلمان کیا کرتا ہے، اس حوالے سے محترم جسٹس صاحب لکھتے ہیں:

- "یہ پہلو انتہائی تکلیف دہ ہے کہ ریاستی ادارے اس پہلو کا ادراک کرنے سے قاصر رہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے، اس کی جغرافیائی سرحدوں کی طرح

نظریاتی سرحدیں بھی ہیں۔ جغرفیائی سرحدوں کی پامالی ذمہ دار اداروں کو بے چین اور مضطرب کر دیتی ہے، جس سے قوم ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لیکن ناموس رسالت ﷺ، جو کہ بجا طور پر وطن عزیز کی نظریاتی سرحد ہے، پر تابڑ توڑ حملے نبی مہربان ﷺ کی شان میں گستاخی کی صورت کیے جاتے ہیں، تو ریاستی اداروں کی طرف سے عمومی طور بے حسی اور سرد مہری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ جب کہ ملک کا سوادِ اعظم غم و غصے، بے بسی اور ذہنی تناؤ کا شکار ہوتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت، حضور نبی اکرم ﷺ کے عشق میں سرشار کسی غلام کو قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔''

(PLD 2017 Islamabad 218/349)

2019ء میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس اطہر من اللہ نے رٹ پٹیشن نمبر 1904/2019 (حافظ احتشام احمد بنام حکومت پاکستان وغیرہ) مورخہ 15 مئی 2019ء کو اپنے فیصلہ میں پاکستان کمیونیکیشن اتھارٹی کو حکم دیتے ہوئے کہا کہ ایسی تمام ویب سائٹس جہاں گستاخانہ مواد موجود ہے، کو فوری طور پر بلاک کرے۔ مزید انہوں نے ایف آئی اے کے حکام کو حکم دیتے ہوئے کہا کہ ایسے تمام ذمہ دار عناصر کے خلاف تفتیش کر کے ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

2019ء میں ہی جناب جسٹس عامر فاروق اور جناب جسٹس محسن اختر کیانی پر مشتمل اسلام آباد ہائی کورٹ کے دو رکنی بنچ نے حافظ احتشام احمد (جنرل سیکرٹری تحریک تحفظ ناموس رسالت ﷺ پاکستان) کی طرف سے دائر پٹیشن نمبر 1904/2019 مورخہ 20 مئی 2019ء (I.C.A No. 211/2019) کے فیصلے میں وفاقی حکومت اور ایف آئی اے کو سوشل میڈیا پر توہین رسالت ﷺ و توہین مذہب پر مبنی گستاخانہ مواد کی تشہیر میں ملوث مجرمان کے خلاف بلا تاخیر کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ عدالت عالیہ نے اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ ''سوشل میڈیا پر مقدس ہستیوں کی توہین ناقابل برداشت ہے، اس میں ملوث مجرمان کے خلاف بلا تاخیر سخت کارروائی کرنا ایف آئی اے کی ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے ایف آئی اے کسی بھی وزارت یا کسی بھی وزارت کے ماتحت

اوّلین مُجاھدِ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

شہیدوں کے سردار

سیّد الشہدا، سیّدنا حضرت حمزہؓ کی مستند سیرت و فضائل

اور شجاعت و شہادت پر مبنی ایک ایمان پرور اور ایقان افروز تالیف

محمد متین خالد

- ایسے تاجدارِ اقلیم شہادت کی لازوال اور جگر فگار داستان جنھوں نے حب رسول ﷺ کو تابندہ تر اور ناموس رسالت ﷺ کو پائندہ تر بنا کر ملت بیضا کو ایک نیا اوج کمال بخشا۔
- ایسے خوش قسمت جنھیں حضور پرنور نبی محتشم ﷺ کے پیارے چچا، رضاعی بھائی اور حبیب لبیب ہونے کا منفرد و یگانہ اور یکتا و اعلیٰ اعزاز حاصل ہے۔
- ایسے پیکر شجاعت جن کی حضور خاتم النبیین ﷺ سے محبت و عقیدت دین اسلام کی طرف اولین راہنمائی اور جنھیں سابقون الاولون کے قافلے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔
- ایسے خوش نصیب جنھیں حضور نبی الملاحم ﷺ نے سید الشہدا، اسد اللہ، اسد الرسول، فاعل الخیرات اور کاشف الکربات ایسے معزز ترین اور صد آفرین القابات و خطابات سے سرفراز فرمایا۔
- ایسے شجیع و جری اور بہادر و دلاور جنھوں نے دین اسلام کی سربلندی و سرفرازی کی خاطر میدانِ کارزار میں دیوانہ وار جان نچھاور کر کے اسے وقار و اعتبار کی ثروت بخشی اور یوں تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔
- ایسے عظیم المرتبت مجاہد جنھوں نے اپنے پاکیزہ لہو سے جبل احد پر لا الٰہ الا اللّٰہ کا نقش دوام ثبت کیا۔
- ایسی نابغہ روزگار اور عبقری شخصیت جن کی عظیم الشان قربانی و ایثار سے چمنستان اسلام گلزار و گلنار بنا ہوا ہے۔
- ایسے بطل جلیل جن کی سرفروشی و جانثاری اور بہادری و حق گوئی کے حیرت انگیز کارنامے صفحات دہر پر زریں حروف سے رقم اور محبت رسول ﷺ کے انمول نقوش سے معمور ہیں۔
- ایسے ضیغم اسلام جن کے وجد آفریں تذکرہ کے بغیر تاریخ اسلام نامکمل رہے گی۔
- ایسے بے مثال ہیرو جن کا دشمنانِ اسلام کے انبوہ میں بے خوفی و بے باکی کے عالم میں بانگ دہل قبول اسلام کا واقعہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے نہایت فخر و انبساط کا باعث ہے۔
- ایسے شہید محبت جن کا نام ہونٹوں پر آتے ہی دل و دماغ میں ناقابل تسخیر جرات و شجاعت کے چراغ جھلملانے لگتے اور آنکھیں اُن کے احترام میں جھک جاتی ہیں۔
- ایسے پاکباز اور اسلامی تاریخ کے روشن ستارے جو آج بھی روحانی طور پر مدینہ طیبہ کے والی اور حاکم ہیں۔

معروف صحافی و کالم نگار جناب منصور اصغر راجہ، صاحب علم و دانش حضرت مولانا محمد رضوان عزیز، اُردو ادب کے مایہ ناز نثر نگار جناب پروفیسر تفاخر محمود گوندل، درویش صفت شخصیت جناب محمد جاوید چودھری، آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے جناب محمد حامد سراج، اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ جناب اوریا مقبول جان کی محبت و عقیدت میں ڈوبی اور کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی گرانقدر تقاریظ کے ساتھ۔

ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کے ایمان و ایقان کو ایک نئی جلا بخشے گا اور آپ کے فکر و خیال میں ایک ولولہ تازہ پیدا کرے گا۔

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

اعتراضات اور جوابات

محمد متین خالد

ایک ایسی منفرد کتاب:

- جس میں اسلام دشمن عناصر کے پھیلائے ہوئے سوالات و جوابات، شکوک وشبہات اور ابہام وایہام کے جال تارِ عنکبوت ثابت ہوئے۔
- جس میں ہر جواب اپنے اندر ایک مکمل کتاب کی معنوی وسعت سموئے ہوئے ہے۔
- جس میں بیان کردہ جوابات علمی و تحقیقی معلومات کا بیش بہا خزینہ، دلائل و براہین کا گنجینہ اور ہزاروں کتابوں کے عمیق تجزیاتی مطالعہ کا نچوڑ ہے۔
- جس سے غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کی کئی جہات روشن اور منور ہوتی ہیں۔
- جس میں حیرت انگیز معارف وحقائق، فکر و تدبر، دلائل و براہین، بصیرت و بصارت اور محبت وعقیدت کی تخلیقی شان ایک گلدستہ کی شکل میں موجود ہے۔
- جس کا انداز عالمانہ، زبان بلیغانہ، بیان ادیبانہ، اسلوب فصیحانہ، نقش ارمغانہ، اثر جاودانہ، دلائل فاتحانہ، نظائر ناصحانہ اور لہجہ مجاہدانہ ہے۔
- جس میں ججوں، آئین شناسوں، وکیلوں، سیاستدانوں، صحافیوں، دانشوروں، علماء اور طالب علموں کے لیے راہنما اصول موجود ہیں۔

یہ کتاب یقینی طور پر ایک ایسی روحانی قوت سے معمور ومملو ہے جو تاریک ذہنوں کو روشن، کج فہموں کو بصیرت، گم گشدگان راہ کو منزل اور مردہ دلوں کو حیات جاوداں بخشتی ہے۔ پڑھیے اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے پورے عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھیے۔ شفاعت رسول کریم ﷺ آپ کی منتظر ہے !!!

ILM-O-IRFAN PUBLISHERS

Al-Hamd Market 40-Urdu Bazar Lahore.
37223584‘37232336‘37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers1@gmail.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

95-Y Block Commercial, Basement Phase-3 DHA Lahore
0333-4067757 | 0333-4359445
7thskybooks@gmail.com
7thskybooks